لبرلزم

مفتی یاسر ندیم الواجدی

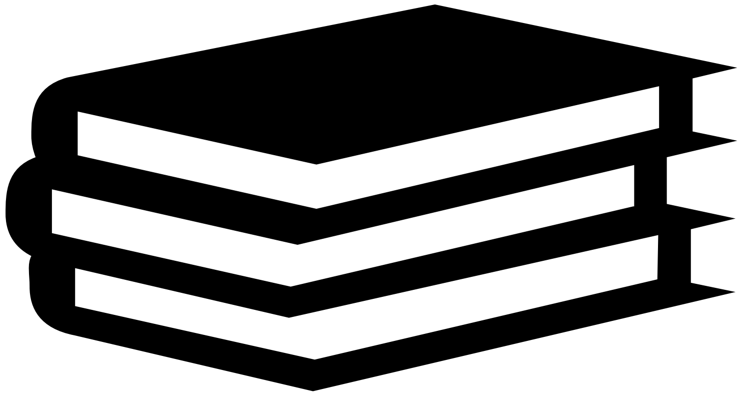

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدہ

درس نمبر :01

لبرلزم

08/اکتوبر 2022

محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب دامت برکاتہم

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ علیٰ سَیِّدِ الأَنْبِیَاءِ وَ الْمُرسَلِیْنَ وَعلیٰ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ۔

أَمَّا بَعدُ!

آج ہم جس موضوع کا آغاز کرنے جارہے ہیں اس کے اندر مختلف پرتیں (Lyres) ہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس میں صرف لبرلزم کے اوپر گفتگو ہوگی بلکہ لبرلزم کے ساتھ ساتھ جتنے واہیات افکار و نظریات اس وقت دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سب پر ان شاء اللہ گفتگو ہوگی۔ اگر آپ نے اس موضوع کو سمجھ لیا اور اس کے اصول وضوابط کو یاد بھی رکھا اور ان اصولوں کی روشنی میں مخالفین کے رد کا طریقہ سیکھ لیا، تو میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی ملحد (Atheist) یا لبرل آپ کا منہ بند کردے۔ میں جیتنے کی بات نہیں کر رہا، مناظرے میں جیتنا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کے پاس کتنا علم ہے بلکہ اس بات پر موقوف رہتا ہے کہ آپ بروقت کون سا نکتہ یا کونسی بات کس انداز سے رکھتے ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوگا کہ بہت ہی آسانی کے ساتھ آپ سامنے والے کی ذہنیت کو اصولی طور پر زیر کرسکیں گے۔ یوں تو ہر روز نئ نئ دلیلیں جنم لیتی ہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ہر ایک دلیل کے جواب سے واقف ہوں، لیکن جب آپ کو اصول وضوابط کا علم ہوگا تو آپ خود اس راہ میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔

Liberalism

"Beware of Greeks bearing gifts"

اس موضوع کے عنوان کے تحت میں نے ایک ضرب المثل لکھی ہے "Beware of Greeks bearing gifts"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یونانی جب تحفے دینے لگیں تو ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ انگریزی کی ضرب المثل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں نے یا مشرقی لوگوں نے یا عربوں نے یہ ضرب المثل پیش کی ہو، یہ انگریزوں نے ہی کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ تحفے دے رہیں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔ لبرلزم بھی دراصل ایک ایسی ہی فکر (ideology) ہے جو بظاہر بہت خوش نما ہے، جو بظاہر انسان دوستی، انسان کی ترقی، اعلی اخلاق، آزادی، مساوات اور اس طرح کی باتیں اور افکار پیش کرتی ہے کہ جو ہر انسان کا دل موہ لے۔ اس وقت بھارت میں سیکولرزم ہمارے عقیدہ کا جزء لاینفک بن چکا ہے۔ چاہے اس مجبوری میں کہ اگر ہم سیکولرزم کی حفاظت نہیں کریں گے تو ہندوراشٹر آجائے گا یا پھر اس وجہ سے کہ سیکولرزم ایک بہت ہی اعلی قدر ہے کہ جس نے مختلف اقوام کو ایک ساتھ باندھ کر رکھا ہوا ہے اور اس ملک کے شیرازہ کو سیکولرزم بکھرنے نہیں دے رہا ہے، چاہے جو بھی وجہ ہو، بہر حال سیکولرزم ہمارے عقیدہ کا جزء لاینفک بن چکا ہے۔ لبرلزم (liberalism) سیکولرزم (secularism) کی

ماں ہے۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا اور مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ کیا ہی زبردست دریافت (discovery) ہے۔ لہذا یونانی جب تحفہ دینے کے لئے آئیں تو ہوشیار رہو۔

مساوات کا نعرہ کس کو برا لگتا ہے؟ آپ عورت سے پوچھیں چاہے وہ کتنے ہی روایت پسند (conservative) خاندان سے آتی ہو، آپ اس سے پوچھیں کہ عورت اور مرد کے بیچ مساوات کے تعلق سے کیا خیال ہے؟ تو میں نہیں سمجھتا کہ عام طور سے خواتین یہ کہیں گی کہ یہ بہت برا خیال ہے، بلکہ وہ کہیں گی کہ ہاں بہت اچھا خیال ہے۔ کیوں کہ یہ بڑا خوشنما نعرہ ہے۔ چاہے وہ خود اپنی زندگی میں اس برابری کی قائل نہ ہو اور خود یہ سمجھتی ہو کہ مرد ہی حاکم اور سربراہِ خاندان ہے، لیکن اس کے باوجود نعرے کی حد تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کسی آدمی سے پوچھ لیں کہ آزاد رہنے کے تعلق سے کیا خیال ہے؟ تو وہ کون سا انسان ہوگا جو آزادی سے نفرت کرتا ہو اور یہ کہے کہ نہیں آزادی بہت بری چیز ہے۔ تو عارہ بہت خوشنما ہے، لیکن بات یہ ہے کہ نعرہ لگا کون رہا ہے اور اس نعرے کے پیچھے کیا چھپا ہوا ہے؟ اسی لئے یہ ضرب المثل بہت اہم ہے کہ ان تحفوں کے پیچھے کیا چھپا ہے؟ کیا نظریہ کار فرما ہے؟ کیا منصوبہ ہے؟ یہ جاننا بہت ضروری ہے۔

ذیل میں ہمارے کورس کی پوری آؤٹ لائن موجود ہے:

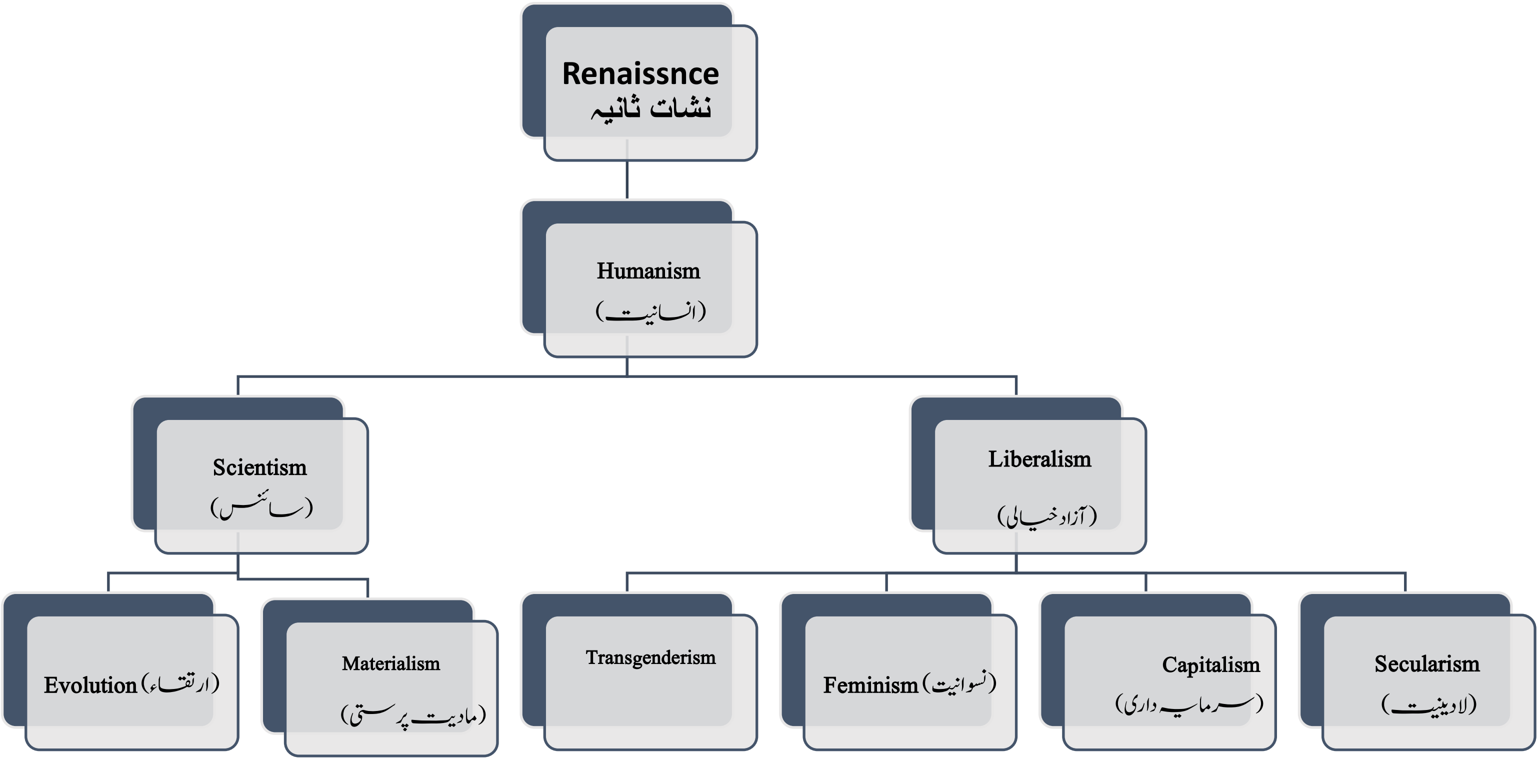

اس سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں اور جن نظریات (Ideologies) سے ہمارا سامنا ہے وہ کہاں سے نکلی ہیں اور کس طریقہ سے ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچی ہیں۔ اس دور کا آغاز تاریخی اعتبار سے نشات ثانیہ (Renaissance) سے ہوتا ہے۔ اس کا ذکر ہمارے پہلے موضوع "مغربی تہذیب تعارف و تفہیم" میں آچکا ہے، اس میں مغربی تہذیب کے پانچ ادوار کا ذکر آیا کیا گیا تھا۔ اس میں تیرا دور شروع ہوتا ہے Renaissance سے۔ آگے میں اس کی کچھ تفصیل بیان کروں گا ان شاء اللہ۔ بہت سارے لوگ نشات ثانیہ (Renaissance) اور ہیومزم (Humanism) کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہیومزم (Humanism) کا اردو میں کوئی متفق علیہ ترجمہ نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کا ترجمہ "انسانیت" سے کرتے ہیں، کچھ لوگ انسان نوازی اور کچھ لوگ انسان پسندی سے بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ تاہم میرے حساب سے اس کا سب سے صحیح ترجمہ ہو سکتا ہے "انسان پرستی"۔ بہر حال کچھ لوگ نشات ثانیہ (Renaissance) اور انسان پرستی (Humanism) ان دونوں کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔

اردو ادب میں ایک مشہور نام ہے "حسن عسکری" جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ ابھی حال میں ان کی کتاب "جدیدیت" حضرت مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ کی تجویز (Recommendation) کی بنیاد پر بہت مشہور ہوئی۔ حلانکہ کتاب پرانی ہے۔ یہ کتاب پی ڈی ایف (Pdf) میں موجود ہے، اگر آپ حضرات مطالعہ کرنا چاہیں تو ضرور کریں۔ یہ ایک اچھی کتاب ہے جس میں مختصر انداز میں عمدگی کے ساتھ مغربی تہذیب کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے نشات ثانیہ (Renaissance) اور ہیومزم (Humanism) کو ایک ہی قرار دیا ہے، جو کہ میری معلومات کے مطابق درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نشات ثانیہ (Renaissance) کی کوکھ سے ہیومزم (Humanism) نے جنم لیا ہے اور یہ دو الگ الگ تحریکیں ہیں۔ اور نشات ثانیہ (Renaissance) کی کوکھ سے صرف ہیومزم ہی نے جنم نہیں لیا، بلکہ اس کی کوکھ سے تحریک اصلاح (Reformation) نے بھی جنم لیا ہے۔ یہ خالص مذہبی تحریک تھی جس کے نتیجہ میں کیتھولکس (Catholics) کے مقابلہ میں پروٹسٹنٹ نے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور عیسایت میں بھی دو فرقے ہو گئے، تو Renaissance کی کوکھ سے پروٹسٹنیزم نے بھی جنم لیا ہے۔ اس لیے Renaissance کو ہیومزم (Humanism) کا مترادف نہیں کہنا چاہئے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں کا آغاز تقریبا ایک ساتھ ہی ہوا بلکہ ایک ہی فرد نے دونوں کا آغاز کیا۔ ہیومنیزم کا آغاز کب ہوا اور کیسے اور کن لوگوں کے ذریعے یہ تحریک اپنے عروج پر پہنچی؟ اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

پھر اس ہیومزم (Humanism) کی کوکھ سے لبرلزم (Liberalism) اور سائنٹزم (Scientism) نے جنم لیا۔ پھر لبرلزم (Liberalism) کی کوکھ سے بہت ساری تحریکوں نے جنم لیا۔ جن میں سیکولزم (Secularism)، کیپٹلزم (Capitalism)، فیمینزم (Feminism)، ٹرانسجینڈرزم (Transgenderism) ہے۔

سیکولزم(Secularism):اس کا تعلق اقتدار سے ہے کہ کس طرح کی حکومت ہونی چاہئے۔ حکومت کا کتنا عمل دخل ہونا چاہئے اور کتنا نہیں ہونا چاہئے، حکومت کا کون سا مذہب ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

کیپٹلزم(Capitalism):یعنی اقتصادیات کہ معاشی اعتبار سے ایک انسان کو کتنی آزادی ہونی چاہئے، ایک سرمایہ دار اور ملازم کے کیا حقوق ہیں۔

فیمینزم(Feminism):یعنی اس نسوائیت

ٹرانسجینڈرزم(Transgenderism):گزشتہ 40-50 سالوں سے یہ تحریک چلی ہے اور بہت زور وشور کے ساتھ اس وقت مسلم ممالک میں پہنچی ہے۔ یہ تمام قسمیں لبرلزم کی ہی کوکھ سے نکلی ہیں۔

صرف یہی نظریات نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے نظریات ہیں جو میں نے یہاں نہیں ذکر کیں جیسے: کمیونزم، سوشلزم، نیشنلزم یہ تمام نظریات لبرلزم سے ہی نکلے ہیں۔ ان پر بھی تھوڑی بہت گفتگو ہو گی لیکن یہاں پر جو چار ذکر کئے گئے ہیں ان پر خصوصی اعتبار سے گفتگو کریں گے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ لبرلزم کے بنیادی عقائد اور اساسی نظریات ان چار قسموں سیکولزم، کیپٹلزم، فیمینزم، ٹرانسجینڈرزم کے اندر موجود ہیں۔ آپ کو لگے گا کہ سیکولزم، لبرلزم کے مترادف ہے یا سیکولرزم اصل ہے اور لبرلزم فرع ہے۔ بعض مرتبہ لوگ کنفیوز ہو جاتے ہیں، پاکستان میں کچھ حضرات ہیں جو ان موضوعات پر بہت لکھتے ہیں اور ان موضوعات پر ان کی بڑی اچھی نظر ہے۔ ان کے نزدیک لبرلزم کوئی چیز نہیں ہے، ان کے نزدیک اصل بنیاد کیپٹلزم ہے اور پھر اس کی کوکھ سے ان چاروں کو نکالتے ہیں۔ لیکن اگر آپ معروضی اور تاریخی انداز سے دیکھیں تو نقشہ کچھ یہی بنے گا کہ ہیومنزم سے دو بچے پیدا ہوئے؛ لبرلزم اور سائنٹزم۔ سائنٹزم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر حقیقت کو سائنس کے اعتبار سے سمجھنا اور اپنی زندگی کو سائنس کے معیار کے مطابق گزارنا۔ سائنٹزم سے پھر دو بڑی تحریکیں چلیں: مٹیریلزم اور ایوولوشن۔ ایوولوشن کے بارے میں ہم تفصیل سے پڑھ چکے ہیں اور مٹیریلزم کے بارے میں آگے بات آئے گی ان شاء اللہ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر لبرلزم کو توجہ کے ساتھ پڑھ لیا جائے تو پھر بعد کے فروعات کو سمجھنا بہت ہی آسان ہو جائے گا۔

نشات ثانیہ(Renaissance)/ ہیومنزم(Humanism)کا آغاز

ہم نے پہلے بھی اس پر گفتگو کی ہے کہ یورپ کی تاریخ کے جو چند ادوار ہیں ان میں سے تیسرا دور سن 1400 سے 1600 تک ہے۔ یہ نشات ثانیہ کہلاتا ہے۔ نشات ثانیہ کا کیا مطلب ہے؟ کس چیز کی نشات ثانیہ؟ نشات ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس دور کے مفکرین نے دیکھا کہ گزشتہ ایک ہزار سال سے جو کہ مغربی تہذیب کا دوسرا دور ہے، جس کو قرون وسطی بھی کہا

جاتا ہے جس کا آغاز سن 400 سے 1300 کے آخر تک ہے، اس قرون وسطی میں مغربی دنیا میں یورپ اور امریکہ میں عیسائیت کو بڑا بول بالا رہا۔ نہ صرف عیسائیت کا بلکہ مذہبی حکومت قائم رہی، پوپ کا عروج تھا وہ ہی بادشاہ بنایا اور ہٹایا کرتا تھا، سارے قوانین مذہبی تھے اور ان قوانین کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان مذہبی قوانین کو یا پوپ کی حکومت کو عقلی اور سائنسی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کرتا تھا تو یہ عمل قابل سزا تھا۔ لیکن قرون وسطی سے بھی پہلے کا دور جو کہ مغربی تہذیب کا پہلا دور ہے جس کو کلاسیکل دور کہا جاتا ہے ، اور یہ کلاسیکل پیریڈ شروع ہوا ہے تقریبا 3000 سال قبل مسیح سے اور چلا ہے 400 عیسوی تک، یعنی کل 3400 سال کا دور ہے، یہ عہد قدیم یا کلاسیکل دور ہے۔ اس میں یونانی تہذیب نے بہت عروج حاصل کیا ہے۔ علم کے اعتبات سے ، فلسفہ کے اعتبار سے ، آرٹ ، کلچر ، ثقافت ، زبان ، شاعری و ادب وغیرہ یہ تمام چیزیں یونان میں اپنی عروج پر تھیں۔ اس کے بعد جب ان سب چیزوں پر عیسائیت کا تسلط ہو گیا تو یہ تمام چیزیں پیچھے رہ گئیں۔

بہر حال نشات ثانیہ کے مفکرین نے یہ سوچا کہ ہمارے وہ پرانے علوم جن کو عربوں نے ترجمہ کر کے اپنے یہاں رکھ لیا ہے ہمیں ان علوم کا احیا کرنا چاہئے۔ لہذا یہ تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک میں تیزی اس وقت آئی جب قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور وہاں بسنے والے تمام یونانی مفکرین وہاں سے بھاگ کر اٹلی (Italy) چلے گئے۔ جب یہ یونانی مفکرین اٹلی پہنچے تو اس وقت تک اٹلی میں نشات ثانیہ کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کے درمیان یہ بات پھیل چکی تھی کہ ہمیں اپنے علوم کا احیا کرنا چاہیے، پھر ان یونانی علماء کے وہاں پہنچنے کے بعد اس تحریک میں تیزی آئی اور مختلف علوم کی پرانی کتابوں کے ترجمے شروع ہوئے۔ قدیم یونانی تہذیب میں جو بڑے بڑے نام ملتے ہیں جیسے افلاطون وغیرہ جو بڑے بڑے فلسفی ہیں، یہ لوگ اگرچہ مشرک اور بت پرست تھے لیکن یہ لوگ انسانی آزادی کے بہت بڑے قائل تھے۔ یہاں سے یہ نظریہ ان نشات ثانیہ کے مفکرین تک پہنچا کہ انسان تو آزاد ہے اسے کسی کے غلام رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ چاہے وہ اپنے جیسا کوئی انسان ہو یا پھر کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو، اسے کسی کی غلامی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے یہ نظریہ شروع ہوا اور چلتا رہا، یہاں تک کہ چند سو سال کے بعد یہ اپنے عروج کو پہنچا۔ اس لحاظ سے نشات ثانیہ کا دوسرا نام تحریکِ تراجم بھی ہے۔ اس تحریک کی کچھ خصوصیات بھی ہیں، نشات ثانیہ کی دس بارہ خصوصیات آگے ذکر کی جائیں گی۔

فی الحال ہم ہیومنیزم کی موجودہ تعریف دیکھتے ہیں، اس کے بعد ہیومنیزم کی خصوصیات دیکھیں گے، اس کے بعد یہ دیکھیں گے کہ ہیومنیزم کے بانیان کون ہیں اور کس طرح اس تحریک کو عروج ملا، اس کے بعد یہ دیکھیں گے کہ ہیومنیزم کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے اور دیگر علوم و نظریات پر ہیومنیزم کا کیا اثر پڑا۔

ہیومنزم (Humanism) کی تعریف

Humanism is a democratic and ethical life-stance which affirms that human beings have the right and responsibility to give meaning and shape to their own lives. It stands for the building of a more humane society through an ethics based on human and other natural values in a spirit of reason and free inquiry through human capabilities. It is not theistic, and it does not accept supernatural views of reality .Humanists International

https://americanhumanist.org/what-is-humanism/definition-of-humanism/

ہیومنزم ایک جمہوری اور اخلاقی طرز زندگی کا نام ہے جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ انسانوں کو اپنی زندگی کو بامعنی اور بامقصد بنانے کا نہ صرف یہ کہ حق ہے بلکہ اسی کی ذمہ داری بھی ہے۔(یعنی انسان خود یہ طے کرے گا کہ اس کو کیسے گزارنی ہے اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہونا چاہیے) ہیومنزم اس بات میں یقین رکھتا ہے کہ انسانی معاشرے کو انسانی اخلاقیات جو اس نے عقل و فکر اور آزادانہ تنقید کے نتیجہ میں سیکھی ہیں ان آزادانہ اخلاقیات کی بنیاد پر انسانی معاشرے کو کیسے استوار کیا جائے۔ (یعنی ایسا معاشرہ کیسے بنایا جائے جس کی بنیاد ایسے اقدار و اخلاقیات پر ہو جو آزادانہ تنقید اور آزادانہ عقلیت پسندی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہوں۔ تو جب آپ کسی چیز پر آزادانہ تنقید کریں گے چاہے وہ قرآن و حدیث پر ہو، بائبل پر ہو یا کسی بھی مذہبی کتاب پر ہو، اپنی عقل کی بنیاد پر، تو جو اخلاقیات سامنے آئیں گی اور ان اخلاقیات کے نتیجہ میں جو معاشرہ بنے گا، ہیومنزم دراصل ایسے ہی معاشرہ کی تعمیر میں یقین رکھتا ہے۔) یہ کوئی مذہبی نظریہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی مافوق الفطرت حقیقت کی تشریح کو قبول کرتا ہے۔(مثلاً ہمارا وجود یا اس دنیا کا وجود ایک حقیقت ہے، مسلمان کہے گا کہ اسے خدا نے پیدا کیا لیکن ہیومنزم کہے گا کہ یہ اس حقیقت کی مافوق الفطرت تشریح (Supernatural Interpretation) ہے جس پر ہم یقین نہیں کرتے ہیں۔

یہ ہیومنزم کی ایک تعریف ہے، جس سے آپ کو سمجھ آگیا ہو گا کہ ہیومنزم کیا چیز ہے۔

ہیومنزم (*Humanism*) کی تاریخ

جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا کہ سب سے پہلے تو تحریک تراجم شروع ہوئی، جس کے ذریعے ایک ہزار سال پہلے کے مفکرین تک ان مغربی مفکرین کی رسائی ہوئی اور وہاں سے پھر ہیومنزم کا آغاز ہوا۔ ہم نے "مغربی تہذیب کے تعارف" میں یہ ذکر کیا تھا کہ انسانی تاریخ کا سب سے پہلا ملحد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 300 سال پہلے تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ الحاد کا نظریہ اگرچہ اتنا زیادہ مقبول اور مشہور نہیں ہوا لیکن پھر بھی عہد قدیم (Classical Era) میں یہ نظریہ موجود تھا۔ جب ہزار سالوں کے بعد ان لوگوں کی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو ظاہر ہے کہ اس نظریہ کو دوبارہ زندہ ہونا تھا۔ اب یہ نظریہ کس نے

زندہ کیا ؟ اس پوری تباہی اور وبال کا ذمہ دار فرانسسکو پٹرارکا (**Francesco Petrarca**) ہے۔ہسٹری ڈاٹ کام (history.com)ایک ویب سائٹ ہے وہاں اس کے بارے میں کیا لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

The 14th century poet **Francesco Petrarca**, known as Petrarch in English, has been dubbed both "the founder of Humanism," and "founder of the Renaissance." After discovering the letters of the Roman philosopher and statesman Cicero, he translated them, leading to their early and important influence among Italian intellectuals, scholars, and artists. (history.com)

14ویں صدی کے شاعر فرانسسکو پیٹرارکا، جسے انگریزی میں پیٹرارک کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ ہیومنزم اور نشات ثانیہ دونوں کا ہی بانی کہلاتا ہے۔(اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہیومنزم اور نشات ثانیہ دونوں ایک چیز نہیں ہے بلکہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، یہیں سے اور دوسری جگہوں سے بھی میں نے اخذ کیا کہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، حسن عسکری صاحب کو مغالطہ اس لیے ہوا ہو گا کہ دونوں کا بانی ایک ہی ہے)۔ فرانسسکو کو رومن فلسفی اور سیاست دان "سیسرو" کے کچھ خطوط ملے، اس نے ان کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمے کے نتیجے میں ایک تحریک چل نکلی کہ پرانی کتابوں کا ترجمہ کیا جائے۔ اس طرح اطالوی دانشوروں، اسکالروں اور فنکاروں پر فرانسسکو نے ایک گہرا اثر چھوڑا اور اس نے ان خطوط کا ترجمہ کر کے لوگوں کو اس طرف مائل کر دیا وہ لائبریریوں کے اندر گھسیں اور پرانی کتابیں نکالیں، ہزار سال پرانا لٹریچر کھنگالیں اور جن چیزوں کا ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا ان کا ترجمہ کریں تاکہ یہ سمجھ سکیں آخر ہمارے آباؤ اجداد نے ہمارے لئے کیا خزانے چھوڑے ہیں اور کس طریقے سے کیتھولکس نے ان خزانوں سے ہمیں ایک ہزار سال سے محروم رکھا ہے۔اس طرح سے ہیومنزم کا آغاز ہوا۔

نشات ثانیہ کے بعد چوتھا دور 1600 عیسوی سے شروع ہو کر 1800 عیسوی تک چلا ہے۔ جسے ابتدائی جدید دور (Early Modern History) کہا جاتا ہے۔اس 200 سال کی مدت میں بڑی زبردست تبدیلیاں آئی ہیں جس نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ وہ تبدیلیاں کچھ یوں ہوئیں کہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان لڑائیاں تو شروع ہو ہی چکی تھیں، ساتھ ہی ساتھ اس دور میں خونریز لڑائیاں ہوئیں جس میں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کیتھولک کو دو مشہور لوگوں نے زبردست چیلنج دیا، ایک کا نام ہے گلیلیو (**Galileo**) اور دوسرے کا نام ہے کوپرنیکس (**Copernicus**)۔ ان دونوں نے ایک نظریہ پیش کیا بس فرق یہ ہے کہ گلیلیو نے کوپرنیکس کے پیش کردہ نظریے کو دلائل فراہم کیے۔ وہ نظریہ درج ذیل ہے:

Galileo & Copernicus

Galileo discovered evidence to support Copernicus' heliocentric theory when he observed four moons in orbit around Jupiter. Beginning on January 7, 1610, he mapped nightly the position of the 4 "Medicean stars" (later renamed the Galilean moons).

گلیلیو اور کوپرنیکس

گیلیلیو نے کوپر نیکس کے ہیلیو سینٹرک تھیوری کو دلائل فراہم کیے ہیں۔ (پہلے زمانہ میں ایک ہزار سال تک جیو سنٹرک (Geocentric) نظریہ تھا یعنی زمین بیچ میں ہے اور سورج اس کے چکر کاٹ رہا ہے۔ پھر کوپر نیکس نے اس تھیوری کو چیلنج کیا اور ہیلیو سنٹرک (heliocentric) نامی ایک نیا نظریہ پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج اس نظام شمشی کے بالکل بیچ میں ہے اور اس کے ارد گرد سارے سیارے ہیں، دنیا بھی اسی کے ارد گرد ہے۔ اور اس نظریے کو گلیلیو نے دلائل فراہم کئے) یہ دلائل اس نے 7 جنوری، 1610 کو پیش کیے۔ وہ اس طریقے سے کہ اس نے رات کے وقت 4 "میڈیسیئن ستاروں" کی پوزیشن کا نقشہ بنایا (جو بعد میں گیلیلین چاندوں کے نام سے مشہور ہوئے)۔

نقشہ اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ روزانہ رات کو ان چار ستاروں کا زائچہ بناتا کہ یہ اس وقت کس جگہ ہیں اور ان کی کیا پوزیشن ہے۔ ان ستاروں کی پوزیشن سے اس نے اندازہ لگایا کہ دراصل سورج نہیں گھومتا بلکہ سورج کے ارد گرد جو سیارے ہیں وہ گھومتے ہیں، یہ نظریہ کوپر نیکس کا تھا اور دلائل گلیلیو نے فراہم کیے۔ کیتھولک کا یہ بنیادی عقیدہ بن چکا تھا کہ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے، متحرک نہیں ہے اور سورج اس کے ارد گرد گھومتا ہے۔ اور انھوں نے اس کو اپنے مذہبی عقیدے میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن جب کوپر نیکس اور گلیلیو نے ان کے اس عقیدے چیلنج کیا تو عیسائی دنیا میں طوفان آگیا کہ ہمارے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد پر چیلنج کر دیا گیا۔ اس کی وجہ سے عیسائیوں کا جو ایمان تھا کیتھولک عیسائیت پر وہ متزلزل ہوا اور بہت سے لوگ عیسائیت سے نکلنے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو یہ نظریہ چل پڑا ہے کہ ہم ہر چیز کو سائنس سے ثابت کریں گے، یہ ایک خطرناک نظریہ ہے۔ جب آپ ہر چیز کو سائنس سے ثابت کریں گے تو لوگوں کے ایمان کا وہی حشر ہو گا جو ان عیسائیوں کا ہوا تھا جب گلیلیو اور کوپر نیکس نے عیسائی ایمانیات کو سائنس کی بنیاد پر چیلنج کیا تھا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر سائنسی نظریات بدل جائیں اور بڑے بڑے سائنٹسٹ اسلام کے ان نظریات چیلنج کرنے لگیں جن کو ہم سائنس کی بنیاد پر ثابت کرتے ہیں۔ لہذا سائنس کو ہم اس حد تک تو رکھ سکتے ہیں کہ بھئی یہ سائنس کا نظریہ ہے جو ہمارے نظریے کی تائید کر رہا ہے، لیکن ہمارا نظریہ جوں کا توں ہے، اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہو گی، سائنس کچھ بھی کہتی رہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ آج کی تاریخ میں سائنس ہمارا سپورٹ کر رہی ہے، ہماری تائید کر رہی ہے، اس حد تک ہم سائنس کو بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم سائنس کی بنیاد پر یہ بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے، اس فرق کو ہمیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔ بہر حال گلیلیو اور کوپر نیکس کی تحریک نے بھی ہیومنزم کو فروغ بخشا۔ کیونکہ لوگوں کا مذہب کے اوپر سے اعتقاد کم ہو رہا تھا۔ لوگوں نے مذہب سے دوری اختیار کرنی شروع کر دی جب ان کے مذہبی نظریات سائنس کی بنیادوں پر غلط ثابت ہونے لگے۔ درس کے شروع میں یہ بات آئی تھی کہ ہیومنزم کی کوکھ سے سائنٹزم (Scientism) نے جنم لیا ہے، یہ دراصل گلیلیو اور کوپر نیکس کی اس تحریک کی وجہ سے سائنٹزم وجود میں آئی تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ انہی 200 سال کے اندر تین بڑی کتابیں لکھی گئیں، جنھوں نے سائنس اور فلسفہ کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا اور آج تک ان کا بڑا گہرا اثر ہے۔ یہ تین کتابیں درج ذیل ہیں:

1. Phenomenology of Spirit

(Philosophical work of Georg Hegel: freedom, reason, self-consciousness, and recognition)

(1) فینو مینولوجی آف اسپرٹ: یہ جارج ہیگل کی ایک فلسفیانہ کتاب ہے۔ یہ تینوں کتابیں اتفاق سے جرمن مصنفین کے ذریعہ لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب میں چار چیزیں مرکزی نقطہ نظر ہیں، چار چیزوں پر خصوصی طور سے بحث ہوئی ہے؛ freedom آزادی، reason عقل پسندی، (یعنی ہم ہر چیز کو عقل سے سمجھیں گے) self-consciousness شعور ذات، (یعنی مجھے اگر کسی چیز کا شعور ہو رہا ہے تو وہ کیسے ہو رہا ہے، اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس کتاب میں فلسفے کے ساتھ علم نفسیات بھی ہے) recognition اعتراف نفس (میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں)۔ یہ چار چیزیں اس کتاب کی بنیاد ہیں۔ اور ان چار چیزوں کی بنیاد پر دراصل دنیا کو یہ پیغام دیا گیا کہ انسان مکمل طور سے آزاد ہے اور اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنی اخلاقیات کو اپنی عقل کی روشنی میں طے کرے۔

2. Critique of Pure Reason

(Immanuel Kant seeks to determine the limits and scope of metaphysics)

(2) کریٹک آف پیور ریزن: امینوئل کانٹ کی اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے اور یہ ترجمہ نظام حیدر آباد کے زمانہ میں کیا گیا تھا غالباً حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ نے ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ مابعد الطبیعیات (metaphysics) کا میدان اور اس کے حدود کیا ہیں؟ مابعد الطبیعیات کے تحت خدا، جنت، جہنم، فرشتے وغیرہ تمام چیزیں اس کے اندر آتی ہیں۔ گویا کہ امینوئل کانٹ نے یہ طے کیا کہ ایک ہے ہماری محسوس دنیا، اس کے حدود یہ ہیں اور ایک ہے مابعد الطبیعیات (metaphysics) اس کی حدود فلاں فلاں ہیں۔ دونوں کے حدود الگ الگ ہیں۔ ایک کا دوسرے کے اوپر کوئی خاص اثر نہیں ہے۔ یعنی ہماری دنیا اس دوسری دنیا سے بالکل آزاد ہے۔

3. The Science of Knowledge

(Johann Fichte: self-consciousness was a social phenomenon)

(3) دی سائنس آف نالج: یوہان فکٹا اس کتاب کا مصنف ہے۔ یہ کتاب دراصل علمیات (Epistemology) پر ہے۔ اس کتاب کا مرکزی عنوان ہے " شعور ذات ایک معاشرتی مظہر ہے "۔ یعنی آپ اپنے آپ کو اسی وقت پہچان پاتے ہیں جب کسی دوسری چیز سے آپ خود کا موازنہ کرتے ہیں۔ مثلاً اس دنیا میں اگر کوئی جانور نہ ہوتا تو آپ کیسے پہچانتے کہ آپ انسان ہیں۔

یہ کتابیں، تحریکات اور افراد، ان سب چیزوں نے نہ صرف یہ کہ ہیومنزم کی تحریک کا آغاز کیا بلکہ اسے عروج تک پہنچایا۔ عروج پر پہنچنے کے بعد کیا ہوا؟ یہ ہم آگے دیکھتے ہیں، پہلے اس کی بنیادی خصوصیات دیکھ لیتے ہیں۔ حسن عسکری صاحب نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ خصوصیات ذکر کی ہیں، اگر آپ تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو اس کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہیومنزم (Humanism) کی بنیادی خصوصیات

1. Greek sciences over religious sciences
2. Centralization of human
3. Faith in God? (Humanist Manifesto II 1973: No deity will save us; we must save ourselves.)
4. Denial of next life?
5. Study of nature
6. Observation based study of nature
7. Power is goal
8. Morality is power-bound (Next Slide)
9. Nationalism

(1) (Greek sciences over religious sciences):

ہیومنزم کے آغاز کے بعد یونانی علوم کو مذہبی علوم پر ترجیح دی جانے لگی۔ ہیومنزم سے پہلے دینی علوم کو تو ترجیح حاصل تھی اور اسے بنیاد سمجھا جاتا تھا، یونانی علوم ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ جس مطلب یہ تھا کہ اگر کسی جگہ پر یونانی علوم مذہبی علوم کے خلاف آرہا ہے تو پھر مذہبی علوم کو ہی ترجیح دی جاتی تھی۔ لیکن ہیومنزم کے بعد اسے تبدیل کر دیا گیا، اب یونانی علوم کو مذہبی علوم پر ترجیح دی جانے لگی۔

یہ تحریک ہمارے یہاں بھی چلی ہے معتزلہ کے دور سے۔ انھوں نے کہا "عقل بڑی ہے، بھینس نہیں" (از راہ مزاح فرمایا)۔ چلیں ٹھیک ہے؛ عقل بڑی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ ہر چیز کو عقل کی بنیاد پر سمجھیں اور جو چیز عقلی بنیاد پر ثابت نہ ہو اس کو مسترد کر دیں، لہذا نقل (وحی پر مبنی علوم) کو عقل کے تابع بنایا گیا اور اس بنیاد پر بہت سی باتوں کا انکار کیا گیا۔ یہاں تک کہ معتزلہ نے خدا کی صفات کا انکار کیا اسی بنیاد پر، یعنی اپنے عقلی علوم کے نتیجے میں۔ تو ہیومنزم کی تحریک ہمارے یہاں پہلے ہی آچکی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء یونانی علوم کا ترجمہ پہلے ہی کر چکے تھے تو وہاں جو جراثیم تھے وہ ہمارے یہاں پہلے ہی آچکے تھے۔ فرق یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے متکلمین اور علماء نے ان جراثیم

کا اس طریقہ سے مقابلہ کیا کہ آج معتزلہ کا کوئی نام لینے والا نہیں ہے۔ معتزلہ کا اگر نام لوگوں کو معلوم ہے تو وہ اس لیے کہ ہم ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طریقے سے ماتریدی، اشعری اور اثری (سلفی) علماء نے معتزلہ اور ان کے عقائد کو بالکل دفن کر دیا۔ لیکن اس طرح کے علماء عیسائی دنیا کو فراہم نہیں تھے۔ اس لئے عیسائیت نے مکمل طریقہ سے ہیومنزم اور عقلیت پسندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

(2) (Centralization of human):

اس سے مراد ہے انسان پرستی؛ یعنی اس دنیا میں جتنی بھی موجودات ہیں ان میں سب سے اہم انسان ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی شئے ہو، چھوٹی ہو یا بڑی ہو، اب اگر کوئی شخص مذہب پر یقین رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ موجود ہے تو اس سے بھی اہم انسان ہے۔ کوئی شخص مذہب پر یقین رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ فرشتے موجود ہیں تو اس سے بھی اہم انسان ہے۔ تو انسان پرستی، دوسری خصوصیت ہے ہیومنزم کی۔

(3) (Faith in God?):

خدا پر ایمان؟ تیرہویں صدی ہیومنزم کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور اس وقت تک عیسائیت نے ہیومنزم کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے تھے، پوپ کی حاکمیت تھی، اور ابھی جھگڑے شروع ہوئے تھے، اس لئے ہیومنزم نے خدا کے تعلق سے عقیدے کا واضح طور پر انکار نہیں کیا۔ البتہ کچھ اس طریقہ سے معاشرہ میں زہر گھولا کہ لوگ خدا کے تعلق سے شبہات کا شکار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ یہ زہر پوری عیسائیت کو نگل گیا اور ہیومنزم کے حامی اتنی بڑی تعداد میں ہو گئے کہ انھوں نے پھر ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہا:

No deity will save us; we must save ourselves

(Humanist Manifesto II 1973)

کوئی خدا ہمیں بچانے آنے والا نہیں ہے، ہمیں خود ہی اپنے آپ کو بچانا ہے۔

بلکہ یہاں تک لکھا ہے: (God is Dead) خدا کی موت ہو چکی ہے العیاذ باللہ۔ تو ہیومنزم کے ابتدائی دور میں خدا کے تعلق سے ان کا عقیدہ واضح نہیں تھا، کھل کر انکار نہیں کر رہے تھے، لیکن بڑھتے بڑھتے 2-3 سو سال کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ گزشتہ صدی میں بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں العیاذ باللہ گستاخیاں تک کرنے لگے۔

(4) (Denial of next life?):

یعنی آخرت کا انکار۔ اس کی بھی صورت حال ویسی ہی تھی کہ ہیومنزم کے ابتدائی دور میں آخرت کے تعلق سے ان کا عقیدہ واضح نہیں تھا، اس لیے کہ عیسائیت ابھی زندہ تھی، پوپ کی حاکمیت باقی تھی، اس لیے کھل کر انکار نہیں کیا۔ لیکن انھوں نے ایک دوسرے طریقہ سے لوگوں کے اندر سے آخرت کے عقیدہ کو متزلزل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس طریقہ سے کہ قرون وسطی کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اصل حقیقت آخرت ہے جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ ہم حقیقی سعادت آخرت کی کامیابی کو سمجھتے ہیں لیکن ہم دنیا کی زندگی کا بھی انکار نہیں کرتے، دنیا اللہ تعالی نے ہمارے استعمال کے لیے بنائی ہے، لیکن اصل حقیقت آخرت کی ہے، یہی عیسائیوں کا بھی عقیدہ تھا۔ لیکن عیسائی ساتھ میں یہ کہتے تھے کہ دنیا محض ایک فریب ہے، ایک دھوکہ ہے، اس میں خود کو نہ الجھاؤ۔ یہ بہت اچھی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہیومنزم کے نتیجہ میں عیسائیوں کا عقیدہ بدلا اور یہ کہا جانے لگا کہ آخرت بھی ایک حقیقت ہے اور دنیا بھی ایک حقیقت ہے، دنیا دھوکہ نہیں ہے، فریب نہیں ہے، دنیا بھی حقیقی ہے، آخرت بھی حقیقی ہے، لہذا دنیا سے جتنا فائدہ اٹھانا ہے اٹھایا جائے گا، آخرت سے بھی اٹھایا جائے گا۔ لیکن پھر بعد میں یہ کہا جانے لگا کہ آخرت کی فکر میں گھلنا بے کار ہے۔ اس لیے کہ آخرت اگرچہ حقیقی ہو لیکن بظاہر نظر تو نہیں آ رہی ہے، دنیا سامنے ہے، جو چیز سامنے ہے پہلے اس سے تو فائدہ اٹھایا جائے۔ اس طریقہ سے لوگوں کے آخرت کے عقیدے کو کمزور کیا گیا۔

(5) (Study of Nature):

فطرت کا مطالعہ۔ اس زمانہ میں ہیومنزم نے یہ خیال پیش کیا کہ اللہ نے دو کتابیں نازل کی ہیں، ایک انجیل اور دوسری کتاب ہے Nature (فطرت)۔ اسی سے ملتی جلتی بات ہمارے دور کے بعض ان مفکرین نے کی ہے جو تحریکِ تنویر (Enlightenment) سے متاثر تھے جن میں سر فہرست ہیں سر سید احمد خان، ان حضرات نے بھی یہی کہا کہ خدا کی دراصل دو کتابیں ہیں۔ بہرل حال عیسائیوں کے نزدیک دو کتابیں کون سی تھیں ؟ ایک کتاب تو انجیل ہے ور دوسری ہے Nature (فطرت)۔ جس طریقے سے انجیل کا مطالعہ فرض ہے بالکل اسی طرح فطرت (Nature) کا مطالعہ بھی فرض ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا جانے لگا کہ فطرت (Nature) کی روشنی میں انجیل کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہی ساری خصوصیت اگے چل کر لبرلزم اور سائنٹزم کی بنیاد بنیں۔ سائنٹزم یہی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو سائنس کی اور Nature کی روشنی میں طے کریں۔ تو ہیومنزم نے **Study of Nature** کے ذریعے اس کی بنیاد ڈال دی تھی۔

(6) (Observation based study of nature):

اس کا مطلب یہ ہے کہ **Study of Nature** صرف عقل کی بنیاد پر نہیں ہوگی بلکہ فرانسس بیکن (Francisco Bacon) نے بتایا کہ چیزوں کی حقیقت کو ہم صرف مشاہدے اور تجربہ سے ہی جان سکتے ہیں۔ مشاہدے کے علاوہ کوئی دوسرا

طریقہ نہیں ہے فطرت کو سمجھنے کا۔ اگر کسی چیز کو سمجھنا ہے تو وہ چیز جیسی نظر آرہی ہے اسے مشاہدہ کی بنیاد پر بالکل ویسا ہی سمجھنا پڑے گا، عقل کی بنیاد پر یا وحی کی بنیاد پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہذا اب نتیجہ یہ نکلا کہ نیچر کو مشاہدہ کی بنیاد پر سمجھا جائے گا اور وحی کو سمجھا جائے گا نیچر کی بنیاد پر، تو لازمی نتیجہ نکلا کہ وحی کو سمجھا جائے گا مشاہدے کی بنیاد پر۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہم وحی کو اپنے مشاہدے و تجربے کی بنیاد پر سمجھیں گے۔

(7) (Power is Goal):

طاقت کا حصول مقصد ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک نظریہ تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے مطالعے کا اور فطرت کو سمجھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے پاس طاقت ہو۔ انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کے پاس طاقت ہو، چاہے وہ کسی بھی شعبے میں ہو۔ بعض مرتبہ پوری قوم اگر کسی مقصد کو پانے کے لیے پیچھے پڑ جائے تو آخر کار وہ اس کو پالیتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مغربی دنیا بہت طاقتور ہے، لیکن یہ خیال ان کے ذہنوں میں ہیومنزم نے پیدا کیا کہ تمہاری زندگی کا اصل مقصد طاقت کا حصول ہے۔ تو انھوں نے اس مقصد کو تھام لیا اور طاقت کے حصول کو ہی انھوں نے اپنی زندگی کا مطمح نظر بنایا۔

(8) (Morality is Power-bound):

اخلاقیات طاقت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ یعنی اخلاقیات کوئی چیز نہیں ہے، جو آدمی طاقت حاصل کرلے وہ اچھا ہے۔ آپ طاقتور ہیں آپ اچھے ہیں، آپ کا طریقہ کار بھی اچھا ہے لیکن اگر آپ کمزور ہیں آپ طاقت حاصل نہ کرسکے تو آپ برے ہیں اور آپ کا طریقہ کار بھی برا ہے۔ اب طاقت حاصل کرنے کا کوئی بھی طریقہ ہو، چاہے اس کو عام آدمی غلط سمجھتا ہو، چاہے طاقت حاصل کرنے کا طریقہ قتل ہو، چاہے جھوٹ ہو، جب تک آپ طاقت حاصل کررہے ہیں سب کچھ اچھا ہے۔ اسی بنیاد پر مغربی دنیا نے پوری دنیا کے اوپر لشکر کشی کی ہے۔ دور استعماریت (Colonialism) کی شروعات دراصل اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ ہمیں طاقت حاصل کرنی ہے۔ اور طاقت ہم کسی بھی طریقے سے حاصل کریں گے، چاہے انسانیت کو مار کر حاصل کریں، چاہے تمام افریقیوں کو غلام بنا کر حاصل کریں، چاہے تمام ایشیائیوں کو اپنے ماتحت لاکر حاصل کریں، جس طریقہ سے بھی طاقت حاصل ہوسکے گا ہم حاصل کریں گے اور یہ اخلاقی اعتبار سے بھی کوئی بری بات نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جب کوئی شخص کوئی جرم کرتا ہے، بار بار کرتا ہے اور جرم کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے جرائم کو جواز فراہم (Justify) کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا جرم ٹھیک ہے۔ آپ بڑے بڑے بادشاہوں اور لیڈروں کو دیکھ لیں جنھوں نے لاکھوں لوگوں کو قتل کیا، کیا انہیں کوئی احساس جرم تھا؟ نہیں! بالکل بھی نہیں۔ بلکہ وہ اپنے جرم کو جائز ٹھہراتے (Justify) تھے کہ ان لوگوں کو مارنا بالکل ٹھیک ہے کیونکہ یہ لوگ ہمارے نیشنلزم کے خلاف ہیں، ہماری روایات و اقدار کے خلاف ہیں۔

ابھی چند دنوں پہلے گجرات سے کچھ تصویریں آئیں جس میں ایک مذہبی ڈانس میں کچھ مسلمانوں کو پکڑا گیا (اس کی کیا حقیقت ہے، اللہ اعلم) اور باقاعدہ ستون سے باندھ کر ان کو مارا گیا اور عوامی انداز سے مارا گیا۔ اور انڈین میڈیا نے اس کو بہت اچھالا کہ یہ دیکھیں گربا کھیلا جارہا ہے، پولس نے گربا کھیل دیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ دیکھ کر مجھے انڈونیشیا کی وہ تصویر بھی یاد آگئی جس میں ایک لڑکی کو بر سر راہ کوڑے مارے گئے تھے لیکن وہ صرف تصویر تھی کوئی ویڈیو نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایک سٹیج شو ہے، ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اور ایک شخص کے ہاتھ میں کوڑا ہے، اور سب لوگ ارد گرد کھڑے ہوئے ہیں، بس یہ تصویر ہے۔ اسے پوری دنیا نے خوب اچھالا تھا کہ دیکھو اسلامی سزائیں کیسی ہوتی ہیں، سڑک پر ایک شخص کو مارا جارہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک لابی (Lobby) تھی جو اس طرح کی تصویریں اور ویڈیوز بناتی تھی، اسلام اور اسلامی نظام کو بدنام کرنے کے لئے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اسلام میں یہ سزائیں نہیں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا کا یہ رویہ بدل کیوں جاتا ہے؟ مسلمانوں کو سزائیں دی گئیں جبکہ وہ قانون کے خلاف تھیں۔ انڈونیشیا میں جو سزا دی گئی یا افغانستان میں جو سزا دی گئی تو وہ وہاں کے قانونی کے مطابق تھی، آپ کو کوئی حق نہیں ہے قانون کے خلاف بولنے کا۔ لیکن انڈیا میں جو سزا دی گئی وہ قانون کے خلاف تھی، پھر بھی اس کو جائز ٹھہرایا گیا۔ اور Justify اس طرح کیا گیا کہ انصاف تو بہت تاخیر سے ملتا ہے، ان لوگوں کو سبق سکھانا اور عوام کے سامنے لے کر آنا اس لئے ضروری تھا چونکہ گربا کا سیزن چل رہا ہے تاکہ دوسری جگہوں کے جو پتھر باز ایسی جگہوں پر جارہے ہیں وہ باز آجائیں، اس طریقہ سے اسے جائز کہا گیا۔ ہر زمانے کا ظالم اور جابر اپنے ظلم کو اسی طرح کی بے تکی دلیلوں سے جائز ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہ فلسفہ دے دیا گیا کہ طاقت کا حصول اصل ہے اور طاقت آپ جس طریقہ سے بھی حاصل کریں وہی اخلاق ہے، وہی اچھائی ہے۔ اگر آپ کمزور ہیں تو آپ غلط ہیں اور آپ کا طریقہ غلط ہے۔

(9) :(Nationalism)

قومیت۔ آج کے زمانہ میں قوم اور قومیت کا جو تصور ہے وہ در اصل اسی دور میں پیدا ہوا ہے۔ قوم اور وطن کو وہ جگہ دی گئی جو در اصل خدا کی تھی۔ وطن کی پرستش کی جانے لگی، وطن اور قومیت کو خدا کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ اور مسلمانوں کے اندر بھی ایک موضوع حدیث رواج پاگئی "حب الوطن من الایمان" یعنی وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ معلوم نہیں کہاں سے یہ حدیث نکال کرلے آئے۔ ابھی چند دنوں پہلے ہم نے اسی موضوع کے اوپر ایک اسٹریم (Stream) کی تھی، جس کا عنوان تھا Yes to God, No to Nationalism (خدا کو ہاں کہیے اور قومیت کو نا کہیے)۔ اس موقع پر جتنے غیر مسلموں سے ہماری بات چیت ہوئی ان میں بہت ہی کم ایسے لوگ تھے جنھوں نے خدا کو ترجیح دی ہو، اکثر نے وطن کو ہی ترجیح دی۔ ہم نے جب پوچھا کہ Nation firs or god first? خدا پہلے ہے یا قومیت پہلے ہے؟ تقریباً سب نے کہا! Nation firs وطن پہلے ہے۔ تو! Nation firs کا تصور کہاں سے آیا؟ یہ تصور یورپ سے چلا ہے، یورپ سے آیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ

لوگ بہت زیادہ یورپ پسند ہیں، لیکن ان کو لگا کہ ہمارے پاس مذہب تو ہے نہیں جس کی بنیاد پر ہم اسلام کو نیچا دکھا سکیں اور اسلام کا مقابلہ کر سکیں۔ اور آر ایس ایس کے بانی کوئی مذہب پسند نہیں تھے، یہ لوگ ہٹلر اور میسولینی کے مداح تھے اور اس لٹریچر کو پڑھے ہوئے تھے، وہاں سے نکال کر لائے اور مذہبی رنگ میں ان نظریات کو پیش کیا اور پوری قوم کو یہ سبق پڑھادیا کہ Nation firs!۔ اور چونکہ مسلمان کے نزدیک Religion firs! ہے، اللہ پہلے ہے، لہذا مسلمان دیش دروہی ہے، مسلمان دیش کا دشمن ہے۔ اور سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ ہمارے علماء یہ کہنے لگے کہ ہماری دو آنکھیں ہیں ایک مذہب اور دوسرا وطن۔ اس طرح کے جواب اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ ہیومنزم کی پوری تاریخ سے واقفیت نہیں ہے۔ جس شخص کو اس کی پوری تاریخ معلوم ہوگی وہ ایک لمحے کے لئے بھی نیشنلزم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ نیشن (Nation) کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ نیشن کا ذکر تو قرآن میں ہے۔ اصل مسئلہ نیشنلزم (Nationalism) کا ہے۔ اسلام ہر طرح کے ازم (Ism) کے خلاف ہے۔ ازم کا تصور یورپ کا ہے۔ جتنے بھی ازم (Ism) ہیں وہ سب کے سب ہیومنزم کے بطن سے نکلے ہیں۔ یہ چند بنیادی خصوصیات ہیں ہیومنزم کی۔

اخلاقیات (Ethics)

ہیومنزم مینو فسٹو (1973) میں اخلاقیات کے تعلق سے ایک عبارت لکھی ہوئی ہے کہ ہمارے نزدیک اخلاقیات کیا ہے؟ یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ہیومنزم کا اصل مسئلہ اخلاقیات ہے۔ ہم اپنے اخلاق کہاں سے لیں؟ کونسی چیز صحیح ہے اور کونسی چیز غلط، یہ ہمیں کون بتائے گا؟ اسلام کے نزدیک اچھائی اور برائی کو بتانے والی چیز وحی ہے۔ جس چیز کے کرنے کا اللہ نے حکم دے دیا وہ چیز اچھی ہے اور جس چیز سے روک دیا وہ چیز بری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس پر بحث کی ہے اور معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف کو بھی نقل کیا ہے۔ آپ اگر مفتی سعید پالنپوریؒ کی شرح "رحمۃ اللہ الواسعۃ" پڑھیں تو اس کی پہلی جلد میں یہ بحث دیکھیں گے کہ **"مامور بہ عقلی اعتبار سے حسن لعینہ ہے یا نہیں ہے"** یعنی بحث یہ ہے کہ وہ پہلے سے حسن لعینہ ہے اس لیے اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا یا اللہ تعالی نے حکم دیا اس لیے وہ حسن لعینہ ہے؟ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے اچھا ہے عقلی اعتبار سے، اس لیے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے۔ اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اچھا اس لیے ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے۔ یہ بحث اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان پہلے ہی ہو چکی تھی۔ لیکن معتزلہ نے باوجود یہ کہ عقل کو ترجیح دی، لیکن خدا کا انکار نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پ پوری اسلامی تاریخ پڑھ لیں کہیں

بھی معتزلہ کی تکفیر نہیں کی گئی۔ لیکن ہیومنزم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے بھی اسی موجوع پر بحث کی جس پر ہم آج سے ہزار سال پہلے کر چکے تھے، مگر انھوں نے جو نظریہ قائم کیا وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

Ethics

THIRD: We affirm that moral values derive their source from human experience. Ethics is autonomous and situational needing no theological or ideological sanction. Ethics stems from human need and interest. To deny this distorts the whole basis of life. Human life has meaning because we create and develop our futures. Happiness and the creative realization of human needs and desires, individually and in shared enjoyment, are continuous themes of humanism. We strive for the good life, here and now.

اخلاقیات

تیسرا: ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اخلاقی اقدار اپنا ماخذ انسانی تجربے سے حاصل کرتی ہیں (اخلاق کی بنیاد انسانی ترجبہ ہے اور تجربہ کی بنیاد پر ہم جہاں جہاں پہنچ رہے ہیں وہی دراصل ہمارا اخلاق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل ہمارا تجربہ غلط ہو اور آج ہمارا تجربہ اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کے 50 سال پہلے پوری مغربی دنیا اس بات پر متفق تھی کہ ٹرانسجینڈرازم ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو لڑکا ہے وہ اپنے آپ کو لڑکی بنا لے یا لڑکی لڑکا بن جائے، یہ اخلاقی اعتبار سے غلط ہے۔ لیکن آج کے دور میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ٹرانسجینڈرازم بالکل اخلاقی ہے۔ تو اس 50 سال میں ایسا کیا ہوا کہ ایک چیز جو غیر اخلاقی تھی وہ اخلاقی بن گئی؟ ہوا کچھ یوں کہ ہمارا انسانی تجربہ بدل گیا)۔ اخلاقیات بالکل آزاد ہیں اور حالات پر مبنی ہیں، (ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز بری ہے تو بس ہمیشہ کے لیے بری ہے بلکہ ایک ہی چیز مثلاً جھوٹ بولنا اگرچہ بری بات ہے لیکن موقع پڑنے پر وہ بھی صحیح اور خلاقی بن جاتا ہے۔ طاقت کے حصول کے لئے اگر جھوٹ بولنا پڑے یا کسی کا قتل کرنا پڑے تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے)۔ اخلاقیات کو کسی مذہبی یا نظریاتی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔ اخلاقیات کی بنیاد انسانی ضرورت اور انسانی مفاد ہے۔ (جس وقت جو ضرورت ہو گی اس کے مطابق آپ اخلاقیات کو طے کریں گے) اس سے انکار دراصل پوری زندگی کے لیے تباہ کن ہے۔ انسانی زندگی کا اگر مقصد ہے تو وہ اس لیے ہے کہ ہم ہی اپنے مستقبل کو بناتے ہیں اور اس کو ترقی دیتے ہیں۔ (خدا نہیں بناتا، ہمیں بنانا ہے) خوشی اور انسانی ضروریات اور خواہشات کا تخلیقی اعتراف، انفرادی یا اجتماعی طور پر، یہ ہیومنزم کے مسلسل موضوعات ہیں۔ ہم ایک اچھی زندگی کے لیے یہاں اور ابھی محنت کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔ (یعنی اچھی زندگی کوئی آگے آنے والی نہیں ہے۔ ابھی ہے، اور اس کے لیے ابھی محنت کرنی ہے)

یہ ہے ان کے اخلاقیات۔ تو ہیومنزم سے اگر ہمیں مسئلہ ہے تو اس کے اخلاقیات کی وجہ سے ہے۔ اس کے ایک ایک جملے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتنا کھلا کفر ہے اور کس شد و مد کے ساتھ انھوں نے وحی اور خدا کا انکار کیا ہے۔

جب کبھی آپ کسی ہیومنسٹ (Humanist) سے بات کریں گے تو وہ اخلاقیات پر بہت زیادہ زور دے گا اور کہے گا انسان کو بااخلاق ہونا چاہئے۔ انسانیت نوازی اور مساوات وغیرہ پر بہت زور دے گا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ پال کرٹز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

Myth(افسانہ)

چنانچہ کونسل فار سیکولر ہیومن ازم کے بانی پال کرٹز اپنی حالیہ تحریر میں لکھتے ہیں کہ:

"ہمیں تیسری طرف جو جنگ لڑنا ہے وہ انسانی اخلاقیات کی جنگ ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقی انقلاب ہی انسانیت کے مستقبل کی ضمانت دیتا ہے۔ یہی آخرت کی نجات یا جنت کے عقیدے کے بغیر انسانی زندگی کو بہتر بناتا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اخلاقی اقدار کو مشاہدے اور دلائل کی بنیاد پر پرکھیں اور نتائج کی روشنی میں اپنی اخلاقی اقدار میں تبدیلی کرنے پر تیار رہیں۔ ہمارا طریقہ عالمی (پلینیٹری) ہے، جیسا کہ Humanist Manifesto2000 میں زور دیا گیا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سیارے زمین پر ہر انسان بالکل برابر حیثیت رکھتا ہے۔ اخلاق کے ساتھ ہماری وابستگی یہ ہے کہ عالمی برادری میں ہر فرد کو اس کے حقوق ملیں اور ہم اپنے مشترکہ گھر یعنی اس زمین کی حفاظت کریں۔ انسانی اخلاقیات فرد کی آزادی، پرائیویسی کے حق، انسانی آزادی اور سماجی انصاف کی ضمانت دیتے ہیں۔ اس کا تعلق پوری نسل انسانیت کی فلاح وبہبود سے ہے۔

Paul Kurtz, The Secular Humanist Prospect: In Historical Perspective, Free Inquiry Magazine, US: 2003 Vol. 23, No. 4, May 2003

آخری جملے میں کتنی اچھی بات کہی گئی ہے یہ تو بڑا اچھالگ رہا ہے، انسان آزاد ہے، اس کی پرائیویسی محفوظ ہے، اس کو انصاف مل رہا ہے، اس میں ہمیں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟ اسے دیکھ کر ہر ایک شخص ہیومنسٹ بننا چاہے گا۔ لیکن اس حقیقت کچھ ہے جیسا کہ میں نے اس کا عنوان لگایا ہے کہ یہ ایک (Myth) افسانہ ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ نیچے کی عبارت دیکھیں:

Reality(حقیقت)

ہیومنزم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ایک مغربی ناول نگار ڈین کونز اپنی مشہور کتاب Intensity novel، میں لکھتا ہے: "ہمارے وجود کا واحد مقصد خواہش نفس اور اپنی ہیجانی کیفیت کی تسکین ہونا چاہیے، یہاں اخلاقی قدر کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی نیکی وبدی اور غلط و صحیح کے تخیل کی گنجائش رکھنی چاہیے، مارکس اور انگلس کے مینو فیسٹو میں خاص طور پر

کہا گیا کہ " قانون، اخلاق اور مذہب سب اقتصادی آسودگی کی فریب کاری ہے ، جس کی آڑ میں اس کے بہت سے مفاد چھپے ہوئے ہیں"۔

Dean Koontz, Intensity, US: Random house publishing Group 161 Page.2007

یعنی آج مغرب میں جو قوانین اور اخلاقیات آپ دیکھ رہے ہیں ان لوگوں کے نزدیک یہ سب اقتصادی آسودگی کی فریب کاری ہے، یعنی یہ سب اقتصادی اعتبار سے اچھی زندگی گزارنا چاہتے ہیں، بس مقصد یہ ہے۔ تو ہیومنزم کا بھی مقصد یہی ہے کہ ہماری خواہشات کیسے پوری ہوں؟ ہماری ہیجانی کیفیات کی تسکین کیسے ہو؟ یہ ہے ہیومنزم کی حقیقت۔

آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ باقی اگلے ہفتے ان شاء اللہ

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدہ

درس نمبر :02

آٹھواں موضوع: لبرلزم

22/اکتوبر 2022

محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب داست برکاتہم

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظر ثانی: محمد احمد نور والا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحمدُ للہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ علیٰ سَیِّدِ الاَنبیاءِ وَ المُرسلینَ وَعلیٰ آلہ وَ صحبِہ اَجمعینَ۔ اَمَّا بعدُ!

گذشتہ درس میں ہم نے ہیومنزم کے چند مبادیات سے متعلق گفتگو کی تھی۔ کسی بھی نظریہ کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پس منظر (Background) ہمارے سامنے ہو تب ہی ہم اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جس طرح قرآن کریم میں کی تفسیر میں شام نزول کی اہمیت ہے، علم حدیث میں سبب ورود کی اہمیت ہے اسی طرح دنیا میں جتنے بھی فلسفے ہیں ان کا کوئی نا کوئی پس منظر ہے، اس پس منظر کو جاننا ضروری ہے تب ہی آپ اس فلسفے کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ لبرلام کا لفظ آپ نے بہت سنا ہو گا اور اس کا غلط استعمال بھی سنا ہو گا۔ بہت سے مسلمانوں کے لیے بھی لوگ یہ لفظ استعمال کر لیتے ہیں، مثلا کسی عالم کو آپ نے غیر عالمانہ لباس میں دیکھا تو لوگ فورا کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو لبرل ہو گیا۔ جبکہ ایسا نہیں ہے، لبرلزم کا ایک خاص پس منظر ہے، اس پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔

گزشتہ درس میں ہم نے ہیومنزم کے مبادیات سے متعلق جو گفتگو کا آغاز کیا تھا، آج اسی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں ایک تصحیح کرنا چاہتا ہوں، گذشتہ درس میں جو نقشہ پیش کیا گیا تھا اس میں تصحیح کر لیجیے:

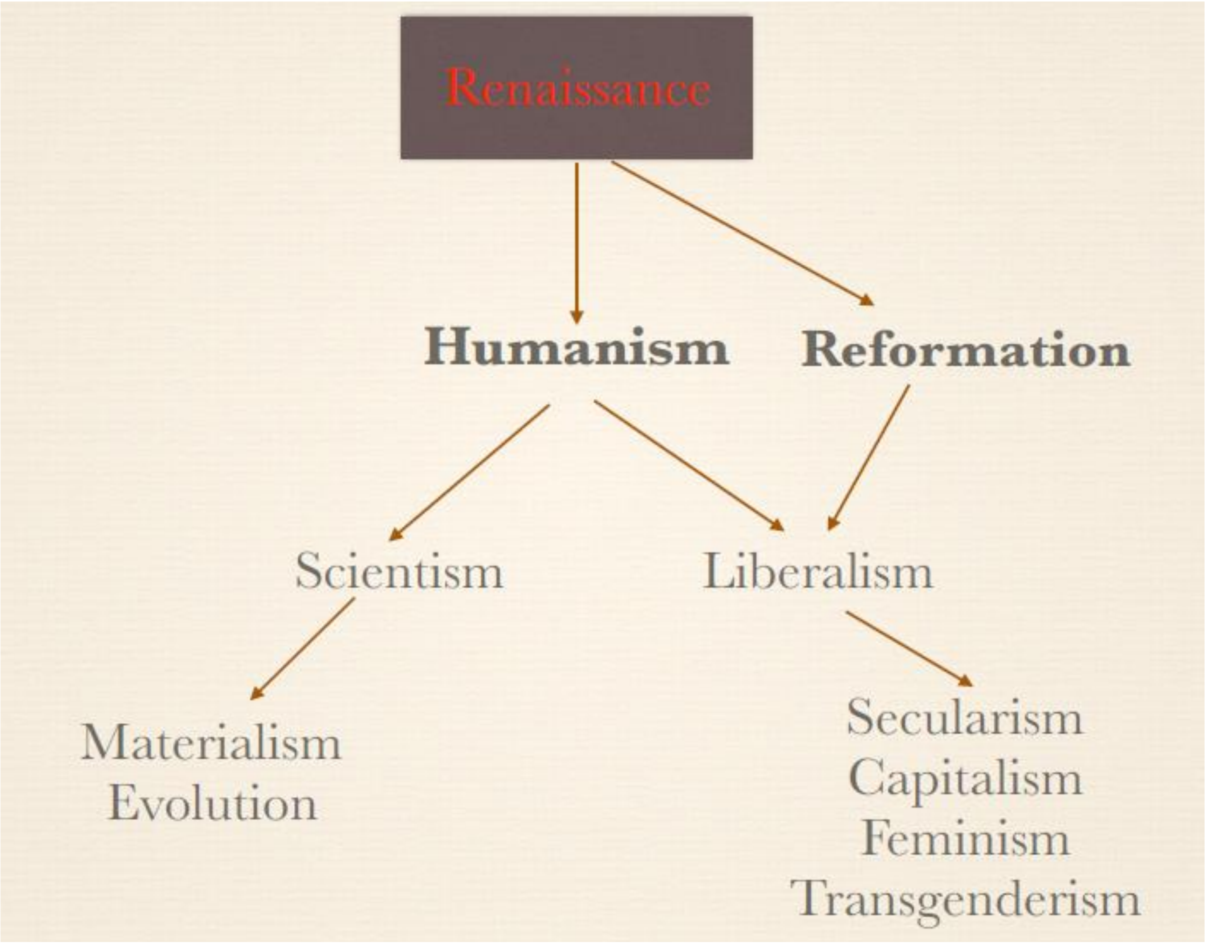

گذشتہ درس میں بتایا گیا تھا کہ Renaissance (نشات ثانیہ) کی کوکھ سے ہیومنزم نے جنم لیا تھا۔ یہ 1400 سے 1600 کے درمیان کازمانہ ہے۔ اسی دور میں ہیومنزم کاغاز ہوا ہے اور اسی دور میں Reformation کا بھی آغاز ہوا ہے۔ یہ بات میں نے ذکر کی تھی لیکن چارٹ میں اس کو واضح نہیں کیا تھا، آج اس کو چارٹ میں شامل کر دیا ہے۔ Reformation کو اردو میں کہتے ہیں "تحریک اصلاح"۔ یعنی چرچ کی اصلاح کے واسطے جو اقدامات ہوئے، جس کے نتیجے میں عیسائیت دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی، کیتھولک اور پرٹسٹنٹ، یہ بھی Renaissance (نشات ثانیہ) کے بعد ہی ہوا ہے۔ پھر ہیومنزم کی کوکھ سے دو چیزوں نے جنم لیا ہے لبرلزم اور سائنٹزم۔

اصل اصلاح اس بات کی کرنی ہے کہ لبرلزم نے صرف ہیومنزم کی کوکھ سے ہی جنم نہیں لیا ہے بلکہ اس کی بنیاد Reformation (تحریک اصلاح) بھی ہے۔ یعنی لبرلزم کی ایک نہیں، دو بنیادیں ہیں۔ گویا کہ یہ دونوں نظریات لبرلزم کے والدین ہیں۔ اور یہ یاد رکھیے گا کہ ریفارمیشن (تحریک اصلاح) دراصل پروٹسٹنٹ سے جڑی ہوئی ہے، یعنی جن لوگوں نے چرچ میں اصلاح کی تحریک چلائی ان لوگوں نے آگے چل کر پروٹسٹنٹ کی بنیاد رکھی جو اِس وقت عیسائیوں میں بہت بڑا گروہ ہے اور امریکہ میں جن لوگوں کا غلبہ ہے وہ زیادہ تر پروٹسٹنٹ ہیں۔ تو ان دونوں تحریکوں (ہیومنزم اور ریفارمیشن) کے نتیجے میں لبرلزم وجود میں آئی ہے۔ پھر لبرلزم کی کوکھ سے دیگر کئی ازم وجود میں آئے جن کی تفصیلات آگے آجائیں گی۔

ہیومنزم کے عناصر ستہ (Key Elements of Humanism)

ہیومنزم اس وقت تک مکمل نہیں ہے جب تک درج ذیل چھ چیزیں اس کے اندر نہ پائی جائیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسلام بھی ہیومنزم میں یقین رکھتا ہے اور بطور ثبوت صوفیا کے کچھ نظریات واقوال ذکر کرے چونکہ آجکل دنیا میں ایک نیا چلن ہے کہ صوفی اسلام انسانیت بواز ہے صوفی اسلام سب سے اچھا اسلام ہے اور پولیٹیکل اسلام خراب ہے۔ بعض لوگوں کو آپ اس طرح کی بات کہتے ہوئے دیکھیں گے۔ کچھ عرصے پہلے مودی نے ایک کانفرنس میں شرکت کی تھی "صوفی کانفرنس" اس کا نام تھا، اس میں اس نے صوفی اسلام کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ دراصل اس وقت پوری دنیا میں ایک نظریہ چلا ہوا ہے کہ اسلام کا صوفی ورجن انسانیت نواز ہے، اس کے علاوہ جو دوسرے ورجن ہیں وہابی وغیرہ اس کو وہ کبھی پولیٹیکل اسلام کہہ دیتے ہیں، کبھی کچھ اور۔ دراصل یہ وہی ہیومنزم ذہنیت ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام بھی کسی نہ کسی درجہ میں ہیومنزم کو بڑھاوا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ درج ذیل چھ چیزوں کو اپنے سامنے رکھیں کہ تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ ہیومنزم کا اسلام سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ صوفی اسلام کو بھی آپ ہیومنزم کی شاخ قرار نہیں دے سکتے۔ ہاں ممکن ہے کہ کچھ صوفیا ایسے رہے ہوں جو تصوف کے لبادے میں ظاہر ہوئے لیکن درپردہ وہ کچھ اور ہی تھے، تو ایسے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

1۔Reason and Science

اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنس اور عقل یہ دو ہی فیصلہ کن کسوٹیاں ہیں۔ زندگی کے جتنے بھی تجربات، مظاہر اور چیزیں ہیں ان سب کو عقل اور سائنس کی روشنی میں پرکھا جانا چاہیے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں کہتے ہیں ریشنل اسکروٹنی (Rational Scrutiny)یعنی عقل کی کسوٹی پر کسی چیز کو جانچنا اور پرکھنا۔لہذا اگر کوئی چیز عقل میں آرہی ہے تو وہ قابل قبول ہے اگر عقل میں نہیں آرہی تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ اور عقل بھی کس کی؟ ہر انسان کی اپنی اپنی عقل۔

عقل دو طرح کی ہوتی ہے؛ عقل کلی اور عقل جزئی۔ عقل کلی پوری سوسائٹی کی ایک عقل اور ایک سوچ کو کہتے ہیں جس کو آبجیکٹیو ریالٹی(Objective reality) بھی کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر انصاف، پوری دنیا کے لوگ انصاف کو پسند کرتے ہیں، کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو انصاف کے خلاف ہو یا انصاف کو خراب چیز کہتا ہو۔ تو یہ ایک Objective reality ہے، اسے کہا جاتا ہے کہ انصاف عقل کلی کی بنیاد پر ایک بہت اچھی صفت ہے۔ دوسرا ہے عقل جزئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز آپ کے نزدیک معقول ہے لیکن وہی چیز میرے نزدیک خلاف عقل ہے یا میرے نزدیک تو معقول ہے لیکن آپ کے نزدیک خلاف عقل ہے۔ یہاں Reason سے مراد عقل جزئی ہے۔یعنی اگر امریکہ والے کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہیں تو وہ ان کے نزدیک اچھا ہے، انڈیا والے اگر کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہیں تو وہ ان کے لیے اچھا ہے اور چائنا والے کسی تیسری چیز کو اچھا سمجھتے ہیں تو وہ ان کے لیے اچھا ہے۔ تو ہر چیز کے اچھا اور برا ہونے کا معیار سائنس اور عقل ہے۔ یہ ہے پہلا عنصر۔

2۔Atheism and Agnosticism

اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی ہیومنسٹ(Humanist) ہوتے ہیں وہ یا تو دہریہ ہوں گے، خدا کے منکر ہوں گے، وہ یہ کہیں گے کہ خدا موجود نہیں ہے اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہوگی بلکہ وہ دلیل کا مطالبہ اہل مذہب سے کریں گے۔ یا اگناسٹک(Agnostic) ہوں گے۔ ہم علم کلام میں ''لاادریہ'' کے بارے میں پڑھتے ہیں یعنی وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں ہے، اگناسٹک آپ ''لاادریہ'' کہہ سکتے ہیں۔ ''ہمیں معلوم نہیں ہے'' کیا نہیں معلوم؟ کیا دنیا میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے؟ ایسا نہیں ہے! دنیا میں جو چیزیں نظر آرہی ہیں وہ ہمیں معلوم ہیں لیکن چونکہ خدا نظر نہیں آرہا ہے اس لیے خدا کے بارے میں ہمیں شک ہے۔ ایسے بھی دلائل ہیں جن سے لگتا ہے کہ خدا موجود ہے اور ایسے بھی دلائل ہیں جن سے لگتا ہے خدا موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جو تشکیکی زندگی گزارتے ہیں وہ دراصل ہیومنسٹ ہوتے ہیں۔ تو ہیومنسٹ یا تو ملحد ہوگا یا پھر اگناسٹک ہوگا۔ وہ مذہب پر یقین رکھنے والا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ہیومنسٹ ہو اور وہ مسلمان ہو، کوئی ہیومنسٹ ہو اور وہ پکا عیسائی ہو، چونکہ پکا مسلمان اور پکا عیسائی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اخلاقیات کا معیار وحی ہوگی۔ مسلمانوں کے نزدیک اخلاقیات معیار قرآن و سنت ہے اور عیسائیوں کے نزدیک اخلاقیات کا معیار بائبل ہے۔ جبکہ ہیومنسٹ

کے نزدیک اخلاقیات کا معیار عقل اور سائنس ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ مذہب پر یقین رکھنے والا ہیومنسٹ ہو؟ یہ دوسرا عنصر ہے۔

3۔Life is all you have

یہی زندگی ہے آپ کے پاس سب کچھ کرنے کے لیے۔ اس کا مفہوم قرآن کریم میں بہت ہی عمدگی کے ساتھ بیان کیا گیاہے: "مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا" (الجاثیۃ-۲۵) کہ بس یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم ابھی جی رہے ہیں اور پھر مر جائیں گے۔ یعنی ہمارے پاس یہی پہلا اور آخری موقع ہے لہذا اسے جی بھر کر جی لو، جتنے مزے کرنے ہیں کر لو۔ نہ تو اس کے آگے کچھ ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے کچھ تھا۔ چنانچہ ہیومنسٹ کے نزدیک سب سے اہم بات یہی ہے کہ اسے اس دنیا میں مزہ اور لذت حاصل ہو۔ چاہے وہ مزہ کہیں سے بھی کسی بھی طرح سے حاصل ہو جائے دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر۔ دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر کسی بھی طرح کا مزہ لینا چاہے وہ جائز ہے، لیگل ہے اور اخلاقی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مذہبی شخص ہیومنسٹ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ ہے تیسرا عنصر۔

4۔Morality

اخلاقیات۔ ہیومنسٹ اخلاقیات اور اخلاقی اقدار کی اہمیت کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اخلاقیات ایک اچھی چیز ہے، اسے پسند کیا جانا اور معاشرہ میں لانا چاہئے۔ لیکن ساتھ میں وہ یہ بھی مانتے ہی کہ اخلاقیات کی بنیاد عقیدہ اور مذہب نہیں ہے، بلکہ ہم خود اس بات کو طے کریں گے کہ کون سی چیزیں اخلاقیات کے دائرہ میں آتی ہیں اور کون سی چیزیں نہیں آتیں۔ گویا کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہماری زندگی کسی خدائی مداخلت کے بغیر بھی بامعنی ہو سکتی ہے۔ وہ مثال دیتے ہیں کہ آئنسٹائن (Einstein) کی زندگی میں کون سی خدائی مداخت تھی؟ لیکن پھر بھی وہ بھرپور اور کامیاب زندگی گزار کر گیاہے۔ تو آئنسٹائن کی طرح دوسرے لوگ بھی بغیر کسی خدائی مداخلت کے کامیاب اور بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ان کا اخلاقیات کا تصور ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مذہب پسند انسان ہیومنسٹ نہیں ہو سکتا۔

5۔Individualism

اردو میں اس کا ترجمہ ہے انفرادیت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری یہ انفرادی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اخلاقیات کا دائرہ خود طے کریں۔ ہم خود یہ طے کریں کہ کون سی چیز اخلاقی ہے اور کون سی غیر اخلاقی ہے۔ مثال کے طور پر ایک انسان خود طے کرے کہ ٹرانسجینڈرزم اخلاقی چیز ہے یا نہیں، یعنی اپنی جنس کو تبدیل کر کے مرد کا عورت بن جانا یا عورت کا مرد بن جانا، اسی طرح ہم جنس پرستی یعنی اپنی ہی جنس کے لوگوں کی طرف پائل ہونا، یہ ساری چیزیں اخلاقیات کے اندر آتی ہیں یا نہیں

آتیں یہ ایک انسان کا اپنا فیصلہ ہو گا۔ حکومت یا مذہب کون ہوتے ہیں اس چیز کو طے کرنے والے؟ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں خصوصاً مغربی تہذیب کے تحت ہم جنس پرستی اور ٹرانسجینڈرزم جتنا پھیل رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ Individualism آپ کا بنیادی حق ہے۔ آپ خود طے کریں گے کہ کیا چیز اخلاقی ہے اور کیا چیز غیر اخلاقی ہے۔ آپ کی سوسائٹی، معاشرہ، مذہب و حکومت کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ یہ چیزیں طے کرے۔Individualism لبرلزم کے اندر بھی بہت بنیادی کردار ادا کرتا ہے جس کو ہم آگے پڑھیں گے۔

6۔Secularism

جتنے بھی ہیومنسٹ ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ سیکیولر ہو اور معاشرے کے اندر جمہوریت ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب اور ریاست دو الگ الگ چیزیں ہیں، دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو مذہبی آزادی حاصل ہے آپ اپنی مسجد جانا چاہیں جاسکتے ہیں، اپنے مندر یا چرچ میں جانا چاہیں جاسکتے ہیں، ریاست کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آپ کے مذہب پر پابندی لگائے، نہ ہی یہ حق ہے کہ وہ کسی مذہب کو پرموٹ کرے۔ اسی طرح سے ہر فرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی کے مذہب کے اوپر تنقید کرے، ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی شخص کے الحاد کے اوپر تنقید کرے۔یعنی جیسے مذہبی لوگوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ الحاد کے اوپر تنقید کریں ویسے ہی ملحدین کو یہ اختیار ہے کہ وہ مذہبی لوگوں کے اوپر تنقید کریں۔

یہ چھ عناصر ہیں ہیومنزم کے۔ اگر ان چھ عناصر میں سے کوئی ایک بھی نہیں پایا جاتا تو ہیومنزم موجود نہیں ہے۔ اس لئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام ہیومنزم میں یقین رکھتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یا تو وہ جھوٹ بول رہے ہیں یا انہوں نے ہیومنزم کو صحیح طریقہ سے سمجھا نہیں ہے۔ آپ نے بڑے بڑے مقررین کو دیکھا ہو گا اور سنا ہو گا، وہ کہتے ہیں کہ اسلام انسانیت یعنی ہیومنزم کا مذہب ہے۔ وہ انسانیت کا ترجمہ ہومنزم سے کرتے ہیں حالانکہ ہیومنزم انسانیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ ہیومنزم ایک الگ فلسفہ ہے۔ انسانیت کا ترجمہ ہیومنیٹی (Humanity) یا ہیومن نیس (Humanness) ہے۔ لیکن ہیومنزم نہیں ہے۔ ہیومنزم کا ترجمہ اردو میں انسان پرستی ہے۔ کچھ لوگ آجکل "انسان دوستی" کا ترجمہ کرنے لگے ہیں، یہ بھی صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ "انسان پرستی" صحیح ترجمہ ہے۔ الفاظ اور اصطلاحات کا صحیح استعمال کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ ہیومنزم کے چھ بنیادی عناصر ہیں۔

Humanism and other ideologies

اب دیکھتے ہیں کہ اس وقت جو دیگر نظریات ہیں ان سے ہیومنزم کا کیا تعلق ہے۔ ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "لبرلزم اور انسان دوستی"۔ یہ کتاب آپ کو مشعل کی ویب سائٹ پر مل جائے گی https://mashalbooks.org/۔ درج ذیل اقتباس اسی کتاب کا ہے۔ مشعل پر بہت سی اردو انگریزی کتابیں مل جاتی ہیں۔ بہت سے انگریز مفکرین کی کتابوں کے

انہوں نے ترجمے بھی کیے ہیں مگر ترجمے کا معیار اچھا نہیں ہے۔ رچرڈ ڈاکنز کی کتاب کا ترجمہ بھی یہاں موجود ہے۔ بہر حال درج ذیل اقتباس میں مصنف نے چار باتیں لکھی ہیں:

جدید دور میں "انسان دوستی" (ہیومن ازم کا آج کل ترجمہ "انسان دوستی" سے کیا جا رہا ہے، تا کہ اردو خواں یہ سمجھیں کہ "انسان دوستی" تو بہت اچھی چیز ہے۔ مسئلہ "انسان دوستی" میں نہیں ہے، مسئلہ "انسان پرستی" میں ہے۔) کی اصطلاح کو مندرجہ ذیل نظریوں کی صراحت کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔(یعنی آنے والے نظریات کا ہیومن ازم سے تعلق ہے):

1۔ کمیونزم .... میں اس حوالے سے کہ انسان دوستی انسان کی اپنی ذات سے برگشتگی کو ختم کر دے گی جو نجی ملکیت اور سرمایہ دارانہ معاشرے کی پیداوار ہے۔

مصنف کہنا یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم میں بھی ہیومنزم پائی جاتی ہے۔ وہ اس طریقہ سے کہ کمیونزم دراصل کیپیٹل ازم کا جواب ہے۔ کیپیٹل ازم یعنی سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں بہت سارے سرمایہ دار ہوتے ہیں جو اپنے سرمایہ کی بنیاد پر پوری قوم کو غلام بنالیتے ہیں۔ تو کیپیٹل ازم کے جواب کے طور پر ایک تحریک شروع ہوئی جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ہر آدمی چونکہ پیدائشی طور پر آزاد ہے لہٰذا وہ کسی سرمایہ دار کے سرمایہ کا غلام نہیں ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت رہنے والے لوگ اپنے آپ سے ہی نفرت کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سرمایہ داروں کے لیے محنت کرتے ہیں، 9 سے 5 تک جو لوگ نوکریاں کرتے ہیں، وہ کن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہیں؟ بڑی بڑی کمپنیوں کے لیے! اور بڑے ہی Tense environment (کشیدہ ماحول) کے اندر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل ایک طرح سے غلام ہی تو ہیں اس نظام اور کمپنی کے جسے ایک سرمایہ دار نے تیار کیا ہے۔ تو کمیونزم نے دراصل اسی کا جواب دینے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ خود بھی ایک ناکام نظام ہے، اس پر ہم تفصیل سے آگے بات کریں گے ان شاء اللہ۔ تو کمیونزم میں اس حوالے سے کہ انسان دوستی کی بات ہوتی ہے چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کو جو نفرت ہو جاتی ہے اپنے آپ سے، کمیونزم اس نفرت کو ختم کر دیتا ہے، اس طریقے سے کمیونزم کا ہیومنزم سے تعلق ہے۔

2۔ پریگمیٹزم .... میں اس حوالے سے کہ یہ فلسفہ پروٹاگورس کی طرح انسان کو تمام چیزوں کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔

پریگمیٹزم ایک نیا نظریہ ہے جس کا آغاز بیسوی صدی میں امریکہ میں ہوا۔ اس کے تین معمار تھے جن میں سے ایک شکاگو یونیورسٹی میں تھا۔ اِس وقت امریکہ ہی کی بدولت پریگمیٹزم پوری دنیا میں سب سے طاقتور نظریہ ہے۔ اس نظریے کا خلاصہ چند لفظوں میں یہ ہے کہ **عمل عقیدہ سے زیادہ راجح ہے۔** یعنی عقیدہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، عمل ہی کی اہمیت ہے۔ جو

تجربہ، جورائے، جو خیال اور جو نظریہ قابل عمل (Practical) ہو گا اسی کی اہمیت ہے، ناقابلِ عمل نظریات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ ہے پریگمیٹزم۔ مثلاً جنت اور جہنم کا تصور، ایک ناقابل عمل نظریہ ہے، اس دنیا میں نہ جنت ہے نہ جہنم ہے، یہ محض ایک عقیدہ ہے، لہٰذا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ قانون بنایا جائے اور مجرموں کو اس قانون کے ذریعہ جرم کرنے سے روکا جائے۔ جیلیں بنائی جائیں، اور مجرموں کو جیلوں میں ڈالا جائے، چونکہ یہ ایک Practical چیز ہے۔ ہمیں جنت اور جہنم سے کیا لینا دیا۔ جو لوگ پریگمیٹزم کے قائل ہیں وہ دراصل عقیدے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور عمل کو آگے لیکر آتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک عمل عقیدے کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور زیادہ راجح ہے۔ اس کو پریگمیٹزم کہا جاتا ہے۔ تو ہیومن ازم کا پریگمیٹزم سے بھی تعلق ہے۔

3۔ روحانیت .... میں کیوں کہ یہ نظریہ ادبی سچائیوں پر غور و فکر کرنے یا ماورائی حقیقت کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کی انسانی صلاحیت میں یقین رکھتا ہے۔

مگر بی مفکرین اور فلاسفہ اس طرح کی عبارتیں لیکر آتے ہیں کہ آدمی سوچتا رہے کہ کیا لکھا ہے۔ آپ اگر ان کی انگریزی کی کتابیں پڑھیں گے تو سر کھجانے لگیں گے کہ انگریزی تو مجھے آتی ہے لیکن یہ بات مجھے سمجھ کیوں نہیں آ رہی۔ اس لیے کہ ان مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ سمجھ میں نہ آئے۔ خصوصاً فلسفیانہ کتابوں میں آپ کو یہ بات نظر آئے گی۔ مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہیومنزم آپ کو روحانیت میں بھی نظر آئے گی، لیکن کس کی روحانیت؟ اسلامی روحانیت میں آپ کو ہیومن ازم کبھی نظر نہیں آئے گی۔ یہ آپ کو ہندوازم میں نظر آئے گی، بدھ مت میں نظر آئے گی کیونکہ ہندوازم اور بدھ ازم کے اندر بھی روحانیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ ان کے یہاں یہ ہے کہ اگر آپ کو خدا پر یقین نہیں رکھنا، نہ رکھیں، اگر آپ کو آخرت پر یقین نہیں رکھنا، آپ نہ رکھیں، اگر آپ کو جنت جہنم میں یقین نہیں رکھنا، نہ رکھیں، اگر آپ کوئی عبادت نہیں کرنی، کہیں ماتھا نہیں ٹیکنا، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ Meditation (مراقبہ) کر لیں۔ یہ ہے ان کے نزدیک روحانیت۔ تو ایک انسان ہیومنسٹ رہتے ہوئے روحانی ہو سکتا ہے۔

4۔ وجودیت .... میں کیونکہ اس فلسفہ کی رو سے انسانی کائنات یعنی انسانی داخلیت کی کائنات کے سوا اور کوئی کائنات نہیں ہے۔

انگریزی میں اس نظریے کا نام ہے **Existentialism**، اردو میں اس کا ترجمہ وجودیت سے کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ 50-1940 کے درمیان پیش کیا گیا۔ اس نظریے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایک ایسا وجود ہے کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو ہمیں بس اسی وجود کو اہمیت دینی چاہیئے۔ اس سے پہلے

کیا تھا، کیا نہیں تھا، خدا ہے یا نہیں ہے، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ ملحدین کا سب سے مضبوط نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے ماننے والوں کے نزدیک انسان کا انفرادی وجود ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک سوسائٹی اور معاشرہ یا کوئی بھی دوسرا انظام فرد کی آزادی کے دشمن ہیں۔ لہذا انسان کو کسی بھی نظام کے تحت غلامی قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ انسان کو کوئی بھی کام اس لئے نہیں کرنا چاہیئے کہ معاشرہ اس کا قائل ہے۔ انسان کو کوئی بھی کام اس لئے نہیں کرنا چاہیئے کہ کلچر اس کا قائل ہے۔ کلچر اور معاشرے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ کسی معاشرہ کے پابند نہ بنیں، کسی کلچر کے غلام نہ بنیں، کسی حکومت کے غلام نہ بنیں۔ ہاں! وہ حکومت جو آپ کی انفرادی آزادی کو اہمیت دے آپ اس حکومت کے تحت رہ سکتے ہیں۔ لیکن جو حکومت آپ کی انفرادی آزادی کو اہمیت نہ دے ایسی حکومت کو اکھاڑ پھینکنا چاہیئے۔ یہ مختصراً میں نے وجودیت کا تعارف پیش کردیا۔

بہرحال ہیومنزم کا ان سارے نظریات سے تعلق ہے۔ یہ ہیومنزم کی مختصر تاریخ اور نظریہ ہے۔ اور کون کون افراد اس نظریہ کے پیچھے تھے اور کیسے اس نظریہ کا غاز ہوا، یہ تمام باتیں آپ کے سامنے آگئیں۔ لیکن ہم ہیومنزم پر گفتگو اس لئے کی ہے کہ ہمیں لبرلزم کو سمجھنا ہے۔ کیونکہ ہیومنزم لبرلزم کی ماں ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں لبرلزم چھائی ہوئی ہے۔ پریگمیٹزم اور وجودیت وغیرہ توسب لبرلزم کی شاخیں ہیں۔ اصل ہمیں لبرلزم پر گفتگو کرنی ہے۔

لبرلزم کی مختصر تاریخ

درس کی ابتدا میں جہاں میں نے نقشے کی اصلاح کی تھی وہاں عرض کیا تھا کہ **Renaissance** (نشاتِ ثانیہ) سے دو چیزیں وجود میں آئیں، **Humanism** اور **Reformation**، پھر ان دونوں سے لبرلزم وجود میں آیا۔ ہیومنزم کے اوپر ابھی بات ہوگئی ہے اور **Reformation** کے اوپر ہم اپنے پہلے موضوع "مغربی تہذیب کا تعارف" میں تفصیل سے گفتگو کرچکے ہیں۔ ابھی ہم مختصراً لبرلزم کی تاریخ دیکھ لیتے ہیں۔

The Marrano Movement

مرانو کی تحریک

شاید آپ میں سے بہت سارے لوگوں نے مرانو کے بارے میں پہلی بار سنا ہو۔ جب آپ تاریخ کو کھنگالتے ہیں تو آپ کو بہت ساری دلچسپ باتیں مل جاتی ہیں اور کس چیز کا کس سے تعلق ہے یہ آپ جوڑتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں پورے یورپ میں رومیوں کے بعد عیسائیوں کی حکومت تھی لیکن اسپین ایک ایسا علاقہ تھا جو

مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ اور یورپ کے مختلف علاقوں میں جہاں جہاں یہودی آباد تھے، ان پر بہت زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہودیوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ یہاں ہم پر اس لئے ظلم کیا جاتا ہے کہ کیتھولک عیسائی یہ مانتے تھے کہ ان یہودیوں نے ہی حضرت عیسی علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا ہے اور چونکہ یہودی سولی پر چڑھائے جانے کو صحیح سمجھتے ہیں لہذا یہ بھی ذمہ دار ہیں، لہذا اس وجہ سے یہودیوں کو عیسائیوں نے نشانہ پر لیا ہوا ہے۔ اس وجہ سے انھوں نے اسلامی حکومت میں آکر رہنے کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ اسپین میں ایک بڑی اقلیت یہودیوں کی تھی جو عزت کے ساتھ وہاں رہتے تھے۔ وہ مسلمان جو اسپین میں تھے ان کا بڑا گہرا تعلق مراقو سے تھا جسے عربی میں "المغرب الاقصی" کہتے ہیں۔ اور "المغرب الاقصی" کے تحت صرف مراقو نہیں تھا بلکہ لیبیا، الجزائر، موریتانیا وغیرہ آس پاس کے تمام ممالک اس میں داخل تھے۔ جب اسرائیل کی ناجائز حکومت قائم ہوئی تو یہاں کے یہودیوں نے بھی بڑی تعداد میں اسرائیل ہجرت کی ہے۔ یہاں بہت بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے اور آج بھی کسی حد تک پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ یہودی تھے کہ جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت لٹی اور مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کی تو ان یہودیوں نے بھی وہاں سے ہجرت کی، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عیسائیوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، لہذا بھاگو یہاں سے۔ وہ یہودی جو یورپ میں رہتے تھے اور اسپین منتقل نہیں ہوئے تھے ان پر ظلم و ستم کیا گیا اور کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے بادل ناخواستہ یا ظاہر داری کے طور پر عیسائیت کو قبول کر لیا تھا۔ یہودیوں کی فطرت میں ہمیشہ سے سازشیں رہی ہیں تو انھوں نے سازش کے طور پر ہی عیسائیت کو اختیار کر لیا اور عوام کے درمیان ایسا ظاہر کیا کہ ہم تو سچے پکے عیسائی ہیں اور ہم مذہبی تعلیم پر زیادہ توجہ دیں گے اور اس طرح عیسائیوں کے مذہبی اداروں کے اندر وہ داخل ہو گئے۔ اس راستہ سے انھوں نے اپنی ایک حیثیت بنالی لیکن خفیہ طور پر وہ سارے یہودی ہی رہے۔ ان لوگوں کی باقاعدہ خفیہ میٹنگیں ہوتی تھیں، وہ اپنے مذہبی احکام پر عمل کرتے تھے، لیکن عوام کے سامنے وہ عیسائی بنے ہوئے تھے۔ اور اس حیثیت سے وہ ترقی کرتے کرتے شاہی خاندانوں کے قریب ہو گئے، شاہی خاندانوں میں ان کی شادیاں ہو گئیں۔ پھر وہ چرچ کے نظام میں داخل ہو گئے اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ اس تحریک کو دراصل تاریخ میں دی مرانو مومنٹ (**Marrano Movement**) کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ جب اسپین سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو کچھ یہودی تو مراقو چلے آئے تھے لیکن کچھ یہودی وہیں رہ گئے تھے۔ تو جو لوگ وہاں رہ گئے تھے، یہ تحریک دراصل انھوں نے ہی شروع کی تھی۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

The Marrano Movement

Marrano, in Spanish history, a Jew who converted to the Christian faith to escape persecution but who continued to practice Judaism secretly. In the late 14th century, Spanish Jewry was threatened with extinction at the hands of mobs of fanatical Christians. Thousands of Jews accepted death, but tens of thousands found safety by ostensibly converting to Christianity**.**

The Marranos began to grow rich and to rise to high positions in the state, the royal court, and the church hierarchy.
https://www.britannica.com/topic/Marrano

ترجمہ: اسپین کی تاریخ میں، مرانو اس یہودی کو کہا جاتا ہے جس نے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کیا لیکن خفیہ طور پر اس نے یہودیت پر عمل جاری رکھا۔ 14ویں صدی کے آخر میں، اسپین کے یہودیوں کو متعصب عیسائیوں کے گروہوں کے ہاتھوں ختم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ہزاروں یہودیوں نے موت کو قبول کیا (اپنے مذہب کو نہیں چھوڑا) لیکن دسیوں ہزار یہودیوں نے بظاہر عیسائیت کو قبول کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ پھر یہ مرانو زمالدار ہونے لگے اور پھر ان کو ریاست میں، شاہی دربار میں اور چرچ کے نظام میں اعلیٰ عہدے ملنے لگے۔

جب یہ مذہبی عہدوں پر فائز ہو گئے پھر اپنا اصل رنگ دکھانا شروع کیا۔ انھوں نے عیسائیوں کے اندر مذہب کے خلاف اعتقاد پیدا کرنا شروع کیا، پوپ کے کلچر کے خلاف بولنا شروع کیا کہ اس نظام میں یہ خرابی ہے وہ خرابی ہے۔ عیسائیوں کو مذہب سے بیزار کرنے کی کوشش شروع کر دی اور عیسائیت کو اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔ عام عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہبی رہنما ہیں، ہمارے پادری ہیں، جب پادری ہی مذہب کے خلاف بول رہے ہیں اور اس پر تنقید کر رہے ہیں تو واقعی مذہب کے اندر ہی خرابیاں ہیں۔ اس سے پہلے کسی میں ہمت نہیں تھی کہ مذہب کے اوپر تنقید کرے لیکن مرانو مومنٹ سے لوگوں کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہوا اور مذہب کے اوپر تنقید کی جانے لگی۔ یہ واقعہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے، اسپین میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد کا ہے۔

تحریکِ اصلاح (Reformation)

اس کے بعد تحریک اصلاح شروع ہوئی۔ اس کے بارے میں چونکہ ہم اس کورس کے پہلے سبجیکٹ میں تفصیل سے بات کر چکے ہیں اس لیے یہاں زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ جن لوگوں نے تحریکِ اصلاح شروع کی تھی انہیں دراصل حوصلہ مرانو کی تحریک (**Marrano Movement**) سے ملا تھا، چونکہ اس تحریک نے لوگوں نے اندر یہ بات پیدا کر دی تھی کہ مذہب پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے مذہب کے اوپر تنقید کرنے کا کسی میں حوصلہ نہیں تھا۔ پھر یہ سلسلہ اندر ہی اندر چلتا رہا یہاں تک کہ 3 لوگ منظر عام پر آئے، مارٹن لوتھر (**Martin Luther**) متوفی 1546، جان کیلون (**John Calvin**) متوفی 1564، جان نوکس (**John Knox**) متوفی 1572۔ ان

تینوں میں سے مارٹن لوتھر سب سے اہم ہے اور باقی دونوں اسی کے شاگرد اور مرید ہیں؛ ان تینوں نے الگ الگ علاقوں کے اندر کیتھولک عیسائیت کے خلاف مورچہ کھولا، پوپ پر تنقید کرنے لگے، گویا کہ مرانو مومنٹ نے جو چیز خفیہ طور پر شروع کی تھی اسے ان تینوں نے علانیہ طور پر کرنا شروع کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تینوں عیسائی تھے، لیکن دراصل یہ ان عیسائیوں سے متاثر تھے جو حقیقت میں یہودی تھے۔ یہیں سے پروٹسٹنٹ کا آغاز ہوا۔

Protestantism

پروٹسٹنٹ ازم کیا ہے؟ اس کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے، تفصیل پہلے آچکی ہے:

> Protestantism, Christian religious movement that began in northern Europe in the early 16th century as a reaction to medieval Roman Catholic doctrines and practices.

پروٹسٹنٹ ازم، ایک ایسی عیسائی مذہبی تحریک ہے جس کا آغاز شمالی یورپ میں 16 ویں صدی کے اوائل میں ہوا، یہ تحریک دراصل قرون وسطی کے رومن کیتھولک عقائد اور نظریات کے رد عمل کے طور پر شروع ہوئی۔

اس تحریک کی بنیادی چیزوں میں ایک یہ بات تھی کہ چرچ کی طرف سے جو مغفرت نامے جاری کئے جاتے تھے کہ آپ کچھ پیسے چرچ کو دے کر مغفرت نامہ خرید سکتے تھے۔ پادری لکھ کر دیتا تھا کہ خدا نے تمہیں معاف کر دیا اب تم جو چاہو کرو۔ اس کے رد عمل کے طور پر یہ تینوں (مارٹن لوتھر، جان کیلون، جان نوکس) کھڑے ہوئے اور انہوں نے بہت ساری چیزوں میں اصلاحات بھی کیں جو کیتھولک عیسائیوں میں ممنوع تھیں۔ مثلاً مارٹن لوتھر نے سب سے پہلے شادی کی، جبکہ کیتھولک عیسائیت میں راہب یا کوئی بھی مذہبی شخصیت شادی نہیں کر سکتا، نہ **Father**(راہب) کر سکتا ہے نہ **Nun**(راہبہ) کر سکتی ہے۔ ان کی آپس میں شادی نہیں ہو سکتی، وہ حرکتیں چھ بھی کریں لیکن شادی نہیں ہو سکتی۔ لیکن پروٹسٹنٹ میں عیسائی پادری شادی کر سکتا ہے۔ تو ماٹن لوتھر نے یہ اصلاح کی۔

اسی طرح اس نے یہ بھی تحریک چلائی کہ طلاق بھی جائز ہونی چاہیے۔ جبکہ کیتھولک عیسائیت میں طلاق کی ترغیب نہیں دی جاتی تھی، لیکن پروٹسٹنٹ میں طلاق کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اگر کسی جوڑے میں نبھاؤ نہیں ہو پارہا ہے تو وہ طلاق کے ذریعہ علاحیدگی اختیار کر سکتے ہیں۔ جیسے ہندوازم میں طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے، ان کے مذہبی قانون میں طلاق کا قانون ہے ہی نہیں اوراسے بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو بعد میں ہندو میرج ایکٹ آیا اور اس میں طلاق کی شق رکھی گئی ہے، اس میں بھی ہندوؤں کو بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ عیسائی کیتھولکس کے یہاں بھی ایسا ہی تھا، پروٹسٹنٹ نے اس میں اصلاح کی۔

اسی طرح پروٹسٹنٹ نے ایک اصلاح یہ کی کہ جس طرح عام لوگوں پر قانون لاگو ہوتا ہے بالکل اسی طرح مذہبی لوگوں پر بھی قانون لاگو ہونا چاہیے۔ کیتھولک عیسائیت جو قرون وسطی میں تھی ان کے یہاں دستور تھا کہ چرچ سے جڑے

افراد قانون سے مستثنیٰ تھے۔ قانون عوام کے لیے تھا، چرچ سے وابستہ لوگوں کے لیے کوئی قانون نہیں تھا۔ لیکن پروٹسٹنٹ نے کہا کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اسی طرح ایک اور چیز جو بہت اہم ہے جس کی پروٹسٹنٹ نے اصلاح کی وہ یہ کہ مذہبی افراد اور عام افراد بالکل برابر ہیں۔ جو اسٹیٹس ایک عام افراد کا ہے وہی چرچ کے پادری کا بھی ہے، اسٹیٹس میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی مساوات۔

اب آپ یہ دیکھیں کہ لبرلزم میں کس قدر مساوات کی بات کی جاتی ہے۔ آج ساری دنیا میں مساوات کا نعرہ لگایا جارہا ہے۔ اس چیز کا آغاز ہیومنزم میں بھی ہوا اور اس کا آغاز تحریک اصلاح میں بھی ہوا۔ اور مارٹن لوتھر نے اس کا آغاز کیا ہے۔

سولہویں صدی کے کچھ حالات

16 ویں صدی میں جب تحریک اصلاح کا آغاز ہو رہا تھا اور ہیومنزم ترویج پا رہا تھا، اس زمانہ میں یورپ کے باشندگان تین طرح کی غلامی میں گرفتار تھے:

۱۔ مذہبی غلامی (Religious Slavery):

اس زمانہ کا پوپ اور چرچ کے پادریوں نے عوام کو مکمل طریقہ سے مذہبی غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ چاہیں تو مذہبی اتعبار سے کسی کو مغفور اور معصوم قرار دے دیں کہ اس کی مغفرت کر دی گئی اور جسے چاہیں اسے معذب قرار دے دیں کہ اس کو تو عذاب دیا جانا چاہیے۔ نہ صرف یہ کہ آخرت کا عذاب بلکہ دنیا کا عذاب بھی دیا جانا چاہیے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے مکمل طریقہ سے عوام کو اپنی غلامی میں لیا ہوا تھا۔

۲۔ سیاسی غلامی (Political Slavery):

اس زمانہ کے حاکم اور نواب عوام کو مکمل طور پر اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ ہر زمانے میں عام طور پر بادشاہت کا یہی رواج رہا ہے۔ لیکن جب حال یہ ہو کہ عوام نہ صرف بادشاہ کے بلکہ نوابوں کے بھی غلام بن جائیں تو غلامی در غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اگر عوام ایک بادشاہ کے غلام ہوں جیسے سعودی عرب میں بادشاہت ہے، سب لوگ ایک بادشاہ کے تابع ہیں۔ لیکن اگر بادشاہ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں نواب بھی متعین کر دے، تو مطلب یہ ہو گا کہ آپ نواب صاحب کے غلام ہیں اور نواب صاحب بادشاہ کے غلام ہیں لہذا آپ اس واسطے سے بادشاہ کے بھی غلام ہیں۔ تو یورپ کے اندر اس طرح تہہ بتہ غلامی چھائی ہوئی تھی۔

۳۔ اقتصادی غلامی (Wage Slavery):

ان نوابوں کے تحت زمیندار ہوا کرتے تھے جن کے زیر ملکیت بڑی بڑی زمینیں ہوا کرتی تھیں۔ ان زمینوں اور کھیتوں پر کام کرنے والوں کا مکمل طور پر استحصال ہوتا تھا۔ اگر زمیندار چاہتا تو ان غریب مزدوروں کو مزدوری دیتا ورنہ نہیں۔ اور اکثر و بیشتر انہیں ان کی مزدوری نہیں ملتی تھی بلکہ کھانے کے روٹی یا گندم وغیرہ اناج دے دیا جاتا تھا۔

آخر کی دونوں غلامیاں سیاسی غلامی اور اقتصادی غلامی انڈیا میں رہی ہے، بلکہ مسلمانوں میں بھی رہی ہے۔ مذہبی غلامی الحمدللہ مسلمانوں میں نہیں رہی ہے لیکن سیاسی و اقتصادی غلامی مسلمانوں کے اندر رہی ہے اور حد تو یہ ہے کہ مسلم زمینداروں نے مسلمانوں کو ہی اس طرح سے اقتصادی غلام بنایا ہوا تھا کہ اگر آپ تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ لوگ اس طرح بھی کیا کرتے تھے۔

بہر حال یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یورپ کے لوگ اس وقت مذکورہ بالا تین طرح کی غلامیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ ایک طرف تحریک اصلاح چل رہی تھی جو مذہبی غلامی کے خلاف تھی یعنی وہ یہ کہتے تھے کہ ہم مذہبی غلامی کے خلاف ہیں اور چرچ ہمارا مالک نہیں ہے۔ چرچ ہماری زندگی کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ بائیبل کو ہم براہ راست سمجھیں گے چرچ کے اور پوپ کے واسطے سے نہیں سمجھیں گے۔ دوسری طرف کچھ پڑھے لکھے مفکرین تھے تو سیاسی غلامی اور اقتصادی غلامی کے خلاف بھی تھے۔ ایسے مفکرین کے لئے ایک لفظ استعمال ہوتا تھا لائپر (Liper) جو کہ ایک لاطینی زبان کا لفظ ہے یعنی لبرل (Liberal)۔ یہاں سے دراصل اس لفظ (لبرل) کا آغاز ہوا ہے۔ اور ان کے اس نظریہ کو لپرٹی (Liperty) جسے انگریزی میں لبرٹی (Liberty) کہا جاتا ہے، ان کے نظریے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ یہ سیاسی اور اقتصادی غلامی کے خلاف تھے۔

انھوں نے جب دیکھا کہ ہماری سوسائٹی میں اس طرح کی غلامیاں رائج ہیں تو ہر وہ چیز جو اس غلامی کے خلاف ہے وہ سر آنکھوں پر، چاہے وہ اچھائی ہو یا برائی ہو، بس اس غلامی کے خلاف ہونی چاہیے۔ اس نظریہ نے آگے چل کر نہ صرف یہ کہ معاشروں کو بلکہ قوموں کو تباہ کیا ہے۔

Liberty/Liperty کی بنیاد

یہ لپرٹی (Liperty) یا لبرٹی دراصل ایک بہت ہی کھوکھلی اصطلاح ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ خالی گلاس ہو، خالی گلاس کو اگر اسے پانی سے بھر دیں تو یہ پانی سے بھر جائے گا، شراب بھر دیں تو شراب سے بھر جائے گا، اگر دودھ ڈال دیں تو دودھ سے بھر جائے گا۔ لیکن بھرے ہوئے گلاس میں کچھ نہیں بھر جاسکتا، پہلے اسے خالی کرنا ہوگا پھر جو چاہے آپ اس میں بھر دیں۔ تو

لبرٹی دراصل ایک خالی گلاس ہے۔ اس کے اندر آپ جو کچھ بھی ڈالیں گے وہ گلاس بھر جائے گا۔ اس سے کیا مراد ہے؟ تھوڑا آگے چل کر سمجھ لیں گے۔

اس نظریہ کی بنیاد سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل چند چیزوں کو سمجھ لیں:

۱۔ (Slavery Against Human Nature)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسانوں کی غلامی ایک غیر فطری چیز ہے۔ آپ کسی بھی انسان کو غلام بنا کر نہیں رکھ سکتے اس کی خوشی کے ساتھ۔ ہاں بہت سے علاقوں میں نسل در نسل غلامی چلی آتی ہے، لیکن وہ غلام کبھی خوش نہیں رہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی طریقے سے ہم آزادی حاصل کر لیں۔ ہر نسل یہی چاہتی ہے کہ وہ غلامی سے نجات حاصل کرے اور آخر کار وہ غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں جو غلامی رہی ہے وہ نسلوں پر محیط رہی ہے لیکن آخر کار وہ لوگ بھی 150 سالوں کے بعد آزاد ہو گئے۔ تو غلامی انسانی فطرت اور انسانی طبیعت کے خلاف ہے۔

۲۔ (Natural Practice)

اگر کوئی عمل فطری ہے تو محض اس وجہ سے کہ وہ ایک فطری عمل ہے اسے درست نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ فطری عمل کا محض فطری ہونا اس کے درست ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بہت سی مرتبہ ہم ایک فطری عمل کر رہے ہوتے ہیں لیکن غلط طریقہ سے کر رہے ہوتے ہیں تو وہ چیز ناجائز اور غیر اخلاقی ہوتی ہے۔ بہت سی مرتبہ فطری عمل درست طریقہ سے کرتے ہیں تو وہ چیز اخلاقی اور درست کہلاتی ہے۔ اب ہوا یہ کہ اس نظریہ کے لیڈروں نے لوگوں کو سیاسی، اقتصادی اور مذہبی غلامی سے آزادی دلا کر اپنے نفس کا غلام بنا دیا۔ اس لیے ہر فطری چیز ضروری نہیں ہے کہ درست ہو۔ عربی میں ظلم کی تعریف یہ ہے وضع الشیٔ فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو غلط طریقے سے رکھنا یا کرنا، یہ ظلم ہے۔ اس کے مقابلہ میں عدل ہے کہ کسی چیز کو صحیح اور درست طریقہ سے رکھنا یا کرنا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "ان الشرک لظلم عظیم" کہ شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ کیوں شرک کو ظلم کہا گیا؟ کیا اللہ تعالی مظلوم ہے؟ العیاذ باللہ، ہرگز نہیں! شرک کو ظلم اس لیے کہا گیا کہ ظلم کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، عبادت تو اللہ کی ہونی چاہئے تھی لیکن وہ عبادت کر رہا ہے کسی بت کی، اپنے نفس کی، اپنی خواہشات کی، اس لیے اسے ظلم کہا گیا۔ لہذا اگر آپ نے آزادی حاصل کر لی سرمایہ داروں سے، اور مذہبی لوگوں سے اور پھر غلام بن گئے اپنے نفس کے اپنی خواہشات کے تو یہ بھی ظلم ہے۔ یہ فطری عمل درست نہیں ہے۔ وہاں سے آزادی حاصل کر کے اپنے آپ کو خالق کی غلامی میں دینا تھا نہ کہ نفس کی غلامی میں۔ اس لیے ہم نے کہا کہ ہر فطری چیز درست ہو یہ ضروری نہیں ہے۔

اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً اپنی جنسی تسکین پوری کرنا؛ یہ ایک فطری چیز ہے۔ لیکن اگر صحیح طریقہ سے کی جائے تو درست ہے، ورنہ غلط ہے۔ ایک شخص اگر شادی کرکے یہ عمل کرے گا تو بالکل درست ہے اور نہ صرف یہ کہ کسی سوسائٹی کے لئے قابل قبول ہے بلکہ ہر مذہب اور ہر قانون کے لئے یہ چیز قابل قبول ہے۔ لیکن یہی کام جب بغیر شادی کے کیا جائے تو اگرچہ یہ عمل فطری ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کھانا کھانا ایک فطری ضرورت اور عمل ہے لیکن اگر کھانے کے نام پر آپ خنزیر کا گوشت کھالیں تو یہ فطری عمل غلط ہو جائے گا۔ برتن میں کھانا کھانا ای فطری عمل ہے لیکن اگر سونے چاندی کے برتن میں کھائیں گے تو یہ فطری عمل غلط ہو گا۔ اسی طریقہ سے غلامی سے آزادی حاصل کرنا فطری چیز ہے لیکن اگر کسی انسان سے آزادی حاصل کرکے آدمی اپنے نفس کا غلام بن جائے تو یہ فطری عمل غلط ہو جائے گا۔ ہاں اگر انسان دوسرے کی غلامی سے نجات حاصل کرکے اپنے پروردگار کی غلامی میں آتا ہے تو پھر یہ ایک بالکل درست ہو گا۔ اس لیے لوگ اگرچہ کہتے ہیں کہ لبرلزم ایک فطری چیز ہے لیکن اگر ہم اسے فطری مان بھی لیں تو ہر فطری چیز کا درست ہونا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ (Interest of Human nature):

انسان کے کچھ مفادات ہیں، وہ ان مفادات میں سے کچھ کو تو ترجیح دیتا ہے اور کچھ کو ترجیح نہیں دیتا ہے۔ انسان کی فطرت کے مفادات 2 طرح کے ہوتے ہیں:

(الف)Reclaiming the Lost کھوئی ہو چیز کو دوبارہ حاصل کرنا:

(ب)Claiming the New نئی چیز کو حاصل کرنا:

آپ نے دیکھا ہو گا کہ انسان نئی چیز کو حاصل کرنے کے مقابلہ میں کھوئی ہوئی چیز کو دوبارہ حاصل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ مثلاً آپ کے پاس 1 لاکھ روپے ہیں جو آپ کی ضرورت سے زائد ہیں، اس میں سے 10 ہزار روپے گم ہو گئے، تو ایک عام انسان کو فطری طور پر اس 10 ہزار کے گم ہونے کی وجہ سے تکلیف ہو گی، اور وہ غم اس کو کھائے جائے گا حالانکہ نوے ہزار جیب میں ہیں، اور وہ مکمل تگ و دو کرے گا کہ کسی طریقہ سے میرے دس ہزار روپے واپس مل جائیں۔ اگر وہ گم شدہ مال اسے دوبارہ مل جائے تو اسے اتنی خوشی ہو گی جو اسے اگلے 20 ہزار کمانے میں بھی نہیں ہو گی۔ یہ ایک انسانی فطرت ہے اور اس کا تجربہ ہر ایک شخص کر سکتا ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ میری کھوئی ہوئی چیز مجھے واپس مل جائے، چاہے وہ کسی بھی طریقے سے ملے، صحیح طریقے سے ملے یا غلط طریقے سے ملے، حق طریقے سے ملے یا باطل طریقے سے ملے، بس مجھے ملنی چاہیے۔ نئی چیز کو حاصل کرنے میں ایسا شوق و رغبت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مغربی اقوام جب غلامی کی زندگی گزار رہی تھیں تو انھیں اپنی آزادی یاد آرہی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ایک زمانہ میں ہم آزاد ہوا کرتے تھے لہذا ہمیں اپنی آزادی حاصل کرنی ہے۔ جو

چیز ہم کھو چکے ہیں وہ ہمیں حاصل کرنی ہے، اب اسے ہم چاہے تو صحیح طریقہ سے حاصل کریں اور چاہیں تو غلط طریقہ سے حاصل کریں، چاہے کسی کو مار کر حال کریں یا چاہے ہم اپنے آپ کو اپنے نفس کا غلام بنا کر حاصل کریں۔

قرآن کریم ایک معجزانہ کلام ہے اور اللہ تعالی نے کسی مسئلہ کو نہیں چھوڑا۔ انسان کے ہر مسئلے کو اور ہر فطرت کو بیان کر دیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "إن الإنسان لربه لكنود" انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ "الکنود" کا معنی تفسیر طبری میں حسن بصریؒ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ: "عن الحسن البصری علیہ السلام: هو الكفور الذي يعد المصائب وينسى نعم ربه" یعنی ایسا ناشکرا جو مصیبتوں کو تو یاد رکھے لیکن اپنے رب کی نعمتوں کو بھول جائے، ایسے شخص کو کنود کہا جاتا ہے۔ اور یہی انسانی فطرت ہے کہ وہ مصیبتیں یاد رکھتا ہے اور خوشی و نعمت کو بھول جاتا ہے۔ اسی فطرت کے تحت ان مغربی لوگوں نے غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کہ ہمیں لبرلزم چاہئے۔ ہمیں ہر چیز سے آزادی چاہئے، ہر نظام سے آزادی چاہئے۔ ہمیں یہ قبول ہے کہ ہم اپنے نفس کے غلام بن جائیں، لیکن یہ قبول نہیں ہے کہ ہم کسی نظام کے تحت زندگی گزاریں۔

John Locke (1632-1704)

جب یہ سب تحریکیں (تحریک اصلاح، ہیومنزم وغیرہ) چل رہی تھیں اس وقت کچھ لوگ اس نقشے کے اوپر ابھرتے ہیں کہ جنھوں نے لبرلزم کی عمارت تعمیر کی ہے۔ یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ اس وقت کا ماحول کیا تھا، لوہا جس وقت گرم ہوتا ہے اس وقت آپ جس بھی صورت میں ڈھالنا چاہیں ڈھال سکتے ہیں۔ لہذا ایسے وقت میں جب لوگوں کے اندر غلامی کے خلاف جذبات جاگ رہے ہیں، لوگ اس نظام سے عاجز آگئے ہیں، ایسے وقت میں جو لوگ اٹھتے ہیں وہ انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ جب لوگ نظام سے خوش ہوں، ٹھنڈے پڑے ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کو نظام کے خلاف ابھارنا بہت مشکل کام ہے، تقریبا ناممکن ہے۔ جب لوگ اندر سے بھرے ہوئے ہوں تو آپ بہت آسانی کے ساتھ ان کو اپنے کام کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ ابھی چند سالوں پہلے ایک تحریک شروع ہوئی "بہارِ عرب" ملکوں ملکوں تحریکیں چل رہی ہیں لوگ سڑکوں پر نکل رہے ہیں، تو کیا ہوا تھا؟ ہوا یہ تھا کہ لوگ اپنی حکومتوں سے تنگ آئے ہوئے تھے، ان تمام ممالک میں جہاں بادشاہتیں تھیں لوگ عاجز تھے، نسلوں سے عاجز آئے ہوئے تھے، اور اندرون خانہ کچھ لوگ کام کر رہے تھے، جب موقع ملا وہ لوگوں کو سڑکوں پر لانے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن پہلے لوگوں کی پریشانی ظاہر ہوئی اس کے بعد پھر انقلابات آئے۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب اس طرح کا نہیں تھا، کہ لوگ شرک سے بڑے پریشان ہوگئے ہوں، یا مشرکین سے اور بتوں سے بہت عاجز آگئے ہوں، اب اچانک ایک آدمی اٹھا اس نے توحید کی دعوت دیدی اور سب لوگ اس کے پیچھے چل پڑے، ایسا نہیں ہوا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جگایا۔ سب لوگ شرک و بت پرستی میں مست تھے، کوئی شرک سے عاجز

نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے شرک کی نفرت ان کے اندر بٹھائی اور اس کے بعد توحید کا پیغام دیا۔ یہ ایک اضافی بات عرض کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ عام طور سے جس طرح انقلابات آیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا انقلاب ویسا نہیں تھا۔ اس لیے تاریخ کا سب سے کامیاب انقلاب ہے۔

لیکن عام لوگ چاہے وہ اپنی ذاتی زندگی میں کتنے ہی ذہین ہوں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ عوام ایک نظام سے عاجز آچکی ہے تو پھر وہ گرم لوہے پر ہتھوڑا مار دیتے ہیں۔ چنانچہ لبرلزم پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم 3 فلسفیوں کا تذکرہ کریں گے۔ ان میں سے پہلا فلسفی ہے جان لاک John Locke، اس کا تعارف تو ہم اپنے پہلے کورس میں بیان کر چکے ہیں، آج صرف اس کے افکار بیان کرتا ہوں۔ یاد رکھیں کہ جان لاک آج کے دور کا سب سے اہم مفکر ہے۔ جان لاک کو اگر آپ نے سمجھ لیا تو سمجھ لیں کہ لبرلازم کو آپ نے سمجھ لیا، معمارِ لبرلزم یہی شخص ہے:

> ‘John Locke (1632-1704) Locke adhered to the Protestant doctrine of "sola Scriptura," according to which the Scriptures contain all that is needed for salvation.’

https://www.cambridge.org/core/books/abs/john-lockes-christianity/introduction/

جان لاک (1632-1704)۔ تاریخ اس لیے لکھی ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ جان لاک اور مارٹن لوتھر میں تقریباً سو سال کا فرق ہے۔) یہ ایک پروٹسٹنٹ عیسائی تھا۔ (آپ پڑھ چکے ہیں کہ نشاتِ ثانیہ کی کوکھ سے جس طرح ہیومنزم نے جنم لیا ہے ایسے ہی تحریک اصلاح نے بھی جنم لیا ہے اور تحریک اصلاح سے مراد پروٹسٹنٹ ہے، جان لاک بھی پروٹسٹنٹ تھا) اس نظریے (پروٹسٹنٹ) کا بنیادی عقیدہ ہے سولہ اسکرپچرا (یہ ایک لاطینی لفظ ہے، اس کا مطلب ہے) یعنی صرف کتاب۔ (مطلب یہ کہ ہم صرف بائبل کو مانیں گے اور بائبل کو ہم خود ذاتی طور پر اپنے اعتبار سے سمجھیں گے۔ ہمیں کسی پوپ، کسی پادری، کسی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنی عقل سے کتاب کو سمجھیں گے۔) کتاب میں نجاتِ اخروی کے لئے جن چیزوں کی بھی ضرورت ہے وہ تمام چیزیں موجود ہیں۔ (جب سب کچھ لکھا ہوا ہے تو خود سمجھ لیں گے، آپ کی کیا ضرورت ہے؟)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جان لاک کا مذہبی پس منظر کیا تھا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کے من حیث المجموع (Over All) نظریات کیا تھے؟ ہمیں در اصل وہ دیکھنا ہے۔ نیچے کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور اس عبارت کا سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ بات واضح طور پر سامنے آجائے کہ لبرلزم کا آغاز کون کر رہا ہے اور کون اس کا معمار ہے۔

> ‘In the ***Two Treatises of Government***, he defended the claim that men are by nature free and equal against claims that God had made all people naturally subject to a monarch. He argued that people have rights, such as the right to life, liberty, and property that have a foundation independent of the laws of any particular society. Locke used the claim that men are naturally

free and equal as part of the justification for understanding legitimate political government as the result of a social contract where people in the state of nature conditionally transfer some of their rights to the government in order to better ensure the stable, comfortable enjoyment of their lives, liberty, and property. Since governments exist by the consent of the people in order to protect the rights of the people and promote the public good, governments that fail to do so can be resisted and replaced with new governments. Locke is thus also important for his defense of the right of revolution. Locke also defends the principle of majority rule and the separation of legislative and executive powers.'(https://plato.stanford.edu/entrie/locke-political/)

جان لاک کی ایک مشہور کتاب ہے (*Two Treatises of Government*) اس میں لکھتا ہے: واضح رہے کہ لبرلزم کی تحریک تین غلامیوں (سیاسی غلامی، اقتصادی غلامی، مذہبی غلامی) کے خلاف تھی۔ اس کتاب میں اس نے سیاسی غلامی کے خلاف لکھا ہے کہ بادشاہت کا اب کوئی مطلب نہیں ہے۔ اس کا یہ اقتباس بہت ہی اہم ہے اور اس کا سمجھنا بھی نہایت ضروری ہے۔:

"جان لاک نے اس کتاب میں اپنے اس نظریے کا دفاع کیا ہے کہ تمام انسان فطری طور پر آزاد ہیں اور برابر ہیں، اور اس نے اس نظریہ کا رد کیا ہے کہ خدا نے تمام لوگوں کو فطری طور پر کسی بادشاہ کا تابع بنایا ہے۔ (کیتھولک عیسائیوں نے یہ نظریہ چلایا تھا کہ تمام انسان فطری طور پر بادشاہ کے غلام بن کر پیدا ہوتے ہیں)۔ اس نے دلیل دی کہ لوگوں کے بھی حقوق ہیں، جیسے کہ زندہ رہنے کا حق، آزادی کا حق، اور ملکیت کا حق، اور یہ حقوق کسی نظام کے تابع ہو کر نہیں ملے بلکہ نظام سے آزاد رہنے کی بنیاد پر ملے ہیں، یعنی فطری طور پر ملے ہیں۔ جان لاک نے ایک اصلاح استعمال کی تھی جسے معاشرتی معاہدہ (**Social Contract**) کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کے تحت عام لوگ ایک قانونی سیاسی حکومت کا حصہ ہیں۔ (یعنی سیاسی حکومت جب قائم ہوتی ہے تو عام لوگوں کا اس میں حصہ ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ عوام کا کوئی کردار نہیں ہے، عام لوگ ایک معاشرتی معاہدہ کرتے ہیں) اس معاہدہ کے تحت عام لوگ اپنے کچھ حقوق مشروط طور پر حکومت کو منتقل کرتے ہیں تاکہ حکومت ہمیں ایک مستحکم، آرام دہ اور لذت سے بھرپور زندگی دے، اور آزادی وملکیت کے حقوق ہمیں فراہم کرے۔ (لہذا مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں جس کو چاہے مار دوں، میں اپنا یہ حق حکومت کو دے رہا ہوں تاکہ میں سکون سے رہوں اور میرا پڑوسی بھی سکون سے رہے۔ مجھے یہ حق نہیں ہے کہ جہاں میں اپنا سامان رکھ دوں وہ علاقہ میرا، بلکہ میں یہ حق بھی حکومت کو دے رہا ہوں تاکہ میں بھی سکون سے رہوں کوئی میری جائداد پر قبضہ نہ کرے اور میں کسی دوسرے کی جائداد پر قبضہ نہ کروں۔ یہ ہے معاشرتی معاہدہ۔ یہ نظریہ جان لاک نے پیش کیا۔ اس سے پہلے یہ نظریہ موجود نہیں تھا۔ یورپ کا نظام یہ تھا کہ ساری زمینیں بادشاہ کی ہیں یا نواب کی ہیں۔ عوام کی اپنی کوئی زمین نہیں ہوتی تھی کوئی آزادی نہیں ہوتی تھی۔ اور یہی بات اسلام اس سے بہت پہلے کہہ چکا تھا۔ فرق یہ ہے کہ اسلام نے مطلق آزدی نہیں دی ہے، س پر تفصیلی گفتگو آگے آئے گی) چونکہ حکومتیں لوگوں کی رضامندی سے وجود میں آتی ہیں تاکہ وہ عوام کے حقوق کے تحفظ اور عوامی بھلائی کو فروغ دیں، اس لیے جو حکومتیں ایسا کرنے میں ناکام

رہتی ہیں ان کی مزاحمت کی جاسکتی ہے اور ان کی جگہ نئی حکومتیں تشکیل دی جاسکتی ہیں۔ یہ بات کہہ کر جان لاک نے انسان کے انقلاب لانے والے حق کا دفاع کیا۔ لاک نے یہ بھی کہا کہ اکثریتی کی حکومت ہو گی۔ اسی طرح اور قانون سازی کرنے والے اور انتظامات چلانے والے الگ الگ ہوں گے۔ (یعنی حکومت قانون نہیں بنائے گی اور پارلیمنٹ قانون نافذ نہیں کرے گیبلکہ قانون بنانا پارلیمنٹ کا اور نافذ کرنا حکومت کا کام ہے) گویا کہ اس وقت پوری دنیا میں جو جمہوریت کا نظام ہے وہ در اصل جان لاک کا ہی دیا ہوا نظریہ ہے۔

نیچے کی عبارت سے اس بات کا اندازہ لگائیں کہ مغربی کے نزدیک جان لاک کی کتنی اہمیت ہے:

The American revolutionary generation drew many of its ideas from the English philosopher John Locke (1632-1704). Often credited as a founder of modern "liberal" thought, Locke pioneered the ideas of natural law, social contract, religious toleration, and the right to revolution that proved essential to both the American Revolution and the U.S. Constitution that followed. (THE FIRST AMENDMENT ENCYCLOPEDIA)

https://www.mtsu.edu/first-amendment/article/1257/john-locke

امریکی انقلابی نسل (جنہوں نے برطانیہ کے خلاف جنگ لڑ کر امریکہ کو آزاد کرایا ہے) نے اپنے بہت سے نظریات انگریز فلسفی جان لاک (1632–1704) سے اخذ کیے تھے۔ (چونکہ اس نے انقلاب کے حق میں دلائل دیے تھے)۔ جان لاک کو اکثر جدید "لبرلزم" کا بانی کہا جاتا ہے، لاک نے بہت سے نظریات پہلی مرتبہ پیش کیے ہیں، جیسے فطری قانون، سماجی معاہدہ، مذہبی رواداری، (ہم اپنے مذہب پر آپ اپنے مذہب پر عمل کریں۔ ہم ایک دوسرے پر تنقید کا بھی حق رکھتے ہیں) اور انقلاب لانے کا حق، ان نظریات کے نتیجے میں سب سے پہلے امریکی انقلاب آیا (اور برطانیہ کے خلاف حکومت قائم ہوئی)، اس کے بعد امریکہ کا دستور بنا۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جان لاک ایک فرد کتنا اہم ہے اس وقت دنیا کی تاریخ میں کہ امریکہ کا دستور اسی کے نظریات کے اوپر قائم ہوا ہے۔ اور اس وقت امریکہ پوری دنیا میں لبرلزم بھیلاتا ہے۔ ایک اور شخص ہے جس کے نظریات کی بنیاد پر فرانس میں انقلاب آیا ہے۔ پھر فرانس اور امریکہ دونوں مل کر ساری دنیا میں لبرلزم کو پھیلا رہے ہیں۔ آج کی گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ لبرلازم کی ماں اگر ہیومنزم ہے تو اس کا باپ پروٹسٹنٹزم ہے جہاں سے جان لاک نکلا ہے۔ باقی دو افراد میں سے بھی ایک پروٹسٹنٹ ہے دوسرا ہیومنسٹ ہے۔ بقیہ آئندہ کلاس میں ان شاء اللہ۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدہ

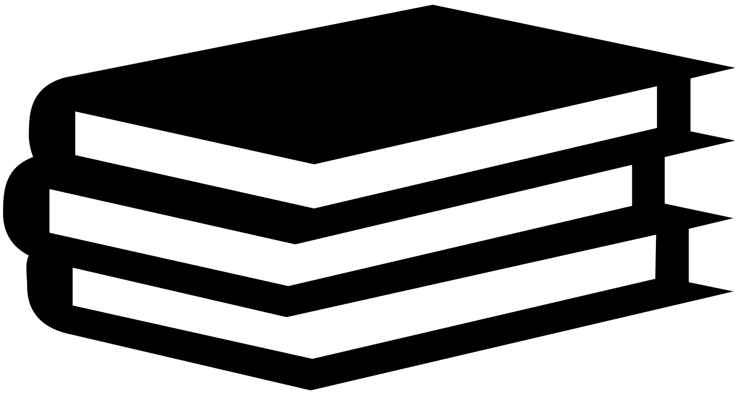

درس نمبر: 03

آٹھواں موضوع: لبرلزم

05/ نومبر 2022

محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب دامت برکاتہم

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

سبق شروع کرنے سے پہلے ایک بات ذکر کرنا چاہوں گا کہ جب ہم کسی چیز کی تاریخ پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کے ضمن میں بہت سے نام آجاتے ہیں اور بہت سی باتیں ایسی آجاتی ہیں کہ مخاطبین یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اصل موضوع کب شروع ہو گا؟ تو آج انشاء اللہ اصل موضوع شروع ہو جائے گا۔ اصل موضوع سے مراد یہ ہے کہ ہم لبرلزم کا مقابلہ کیسے کریں؟ ان کے دلائل کا جواب کیسے دیں؟ جب تک آپ یہ نہیں سمجھیں گے کہ لبرلزم کا آغاز کہاں سے ہوا کن لوگوں نے کیا، تب تک ممکن نہیں ہے کہ آپ ان سب چیزوں کا جواب دے سکیں۔

پہلی کلاس میں میں نے یہ بتایا تھا کہ نشاۃ ثانیہ (**Renaissance**) جب یورپ میں ہوئی 1400ء کے بعد، تو اس کی کوکھ میں سے دو چیزیں نکلیں: ہیومنزم اور تحریک اصلاح (**Reformation**)۔ پھر ہیومنزم اور **Reformation** ان دونوں نے لبرلزم کو جنم دیا ہے۔ **Reformation** ایک مذہبی تحریک ہے۔ اس تحریکِ اصلاح کے نتیجے میں عیسائیوں میں ایک بہت بڑا فرقہ وجود میں آیا، جس کو پروٹیسٹنٹ (**Protestant**) کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ تمام لوگ کیتھولک تھے۔ پروٹسٹنٹ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہم تمام مذہبی چیزوں پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔ ہم کسی بھی چیز کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کریں گے اور براہ راست بائبل سے استفادہ کریں گے۔ مذہب کے خلاف بولنا یا تنقید کرنا ان کے یہاں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ہیومنزم کے بارے میں بھی ہم نے تفصیل سے بات کی ہے۔ تنقید کا رجحان کیسے پیدا ہوا، اس پر بھی بات ہو چکی ہے "دی مرانو مومنٹ" آپ کو یاد ہو گی، لیکن پروٹیسٹنٹ کا بانی ہے مارٹن لوتھر، جس نے یہ نظریہ دیا کہ ہم مذہب کے خلاف بول سکتے ہیں۔ پھر اس سے متاثر ہونے والا شخص ہے جان لاک (1632-1704) اس کے افکار پر میں نے گذشتہ درس میں تفصیل سے بات کی تھی۔ یہ بھی بتایا تھا کہ امریکہ کے بانی جیسے جارج واشنگٹن وغیرہ سب اس کے افکار سے متاثر تھے اور امریکی دستور (**constitution**) میں اس شخص کے افکار کی جھلک ملتی ہے۔ اس کے افکار کی تین بنیادی محور ہیں: جینے کا حق، آزادی اور ملکیت کا حق۔ آپ دیکھیں گے کہ ان سبھی کے افکار میں آزادی ایک مرکزی نکتہ ہے، اہم ترین چیز ہے۔

آج ہم دو شخصیات کے بارے میں گفتگو کریں گے، پہلی شخصیت جس کو ساری دنیا روسو کے نام سے جانتی ہے۔ یہ بھی پروٹیسٹینٹ نما کیتھولک تھا۔ دوسری شخصیت ہے والٹئیر جو ہیومنسٹ (**Humanist**) تھا۔ ان تین لوگوں یعنی دو پروٹیسٹینٹ اور ایک ہیومنسٹ نے مل کر لبرلزم کے حق میں نہ صرف لکھا ہے بلکہ اسے جس طرح سے پروموٹ کیا ہے وہ میں آپ کو آگے بتانے والا ہوں۔

Jean-Jacques Rousseau (1712-1778)

A Swiss Enlightenment with some radical ideas. He had often been attracted by the Catholic faith at different periods of his life, Rousseau never forgot the protestant upbringing he had received as a young child.

He argued passionately for democracy, equality, liberty, and supporting the common good by any means necessary.

His alternative is to create a social contract that will allow all members of the society to be as free as they were in the state of nature, that is, to enable them to follow their own will all the time while still living in a society. It will remove the unnatural inequalities that degrade both the rich and the poor. It will ensure that everyone is equal before the law that they create.

یہ سوئزرلینڈ کا ایک فلسفی تھا۔ اس کے نام کا تلفظ تھوڑا الگ ہے، جو لکھا ہے ویسا نہیں ہے بلکہ ژان ژاک روسو ہے۔ سب سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ اگر آپ اس کی سوانح پڑھیں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ شخص بداخلاقی کے دلدل میں پڑا ہوا تھا۔ یہ پیدا تو ایک پروٹیسٹنٹ فیملی میں ہوا تھا مگر پھر پندرہ سولہ سال کی عمر میں اس نے کیتھولک مذہب اختیار کیا۔ لیکن کیتھولک مذہب اختیار کرنے کے باوجود بھی یہ اپنے پروٹیسٹینٹ عقائد نہیں بھولا۔ یعنی نام کا کیتھولک بن گیا تھا یا ہو سکتا ہے کسی دنیاوی غرض سے بنا ہو۔ اس کے سوانح نگار اس کے بہت سے بداخلاقی کے قصوں کا واضح طور پر ذکر کرتے ہیں۔ اس کے افکار کیا ہیں اور اس نے ایسا کیا پیش کیا؟ اس کے لیے درج بالا اقتباس ہے، اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ شخص کیا تھا۔

ترجمہ: روسو تحریک تنویر یا رومانوی تحریک (**Enlightenment**) کا ایک مشہور فلسفی ہے۔ اس کے کچھ بنیاد پرست افکار تھے۔ اگرچہ وہ اپنی زندگی کے مختلف مواقع پر کیتھولک مذہب سے متاثر ہوا ہے، لیکن روسو اپنی بچپن میں حاصل کی گئی پروٹیسٹنٹ تربیت کو کبھی نہیں بھول پایا۔

اس نے بہت ہی جوشیلے انداز میں جمہوریت (**Democracy**)، مساوات (**Equality**)، آزادی (**Liberty**) اور اجتماعی بھلائی (**Common good**) کے حق میں دلائل دیئے کہ ان چیزوں کو حاصل کرنا ضروری ہے چاہے کسی بھی طریقہ سے ہو۔ (اب یہ اجتماعی بھلائی کیا ہے؟) اس کا مطلب ہے کہ پورے معاشرے کے حق میں کیا چیز مفید ہے؟ وہ حقوق جو

پورے معاشرے کے حق میں مفید ہیں ان کو چاہے کسی بھی طریقہ سے، زبردستی یا سامنے والے کی مرضی سے، اس کو زندہ رکھ کر یا اس کو مار کر، کسی بھی طریقے سے ان حقوق کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

یہی ساری لبرلزم کی بنیادیں ہیں جمہوریت، آزادی، مساوات، تو ان سب کے حق میں اس نے دلائل دیئے ہیں۔

His alternative۔۔۔اس اقتباس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ "State of Nature" کی اصطلاح کو سمجھیں۔ اسٹیٹ آف نیچر (فطری صورتحال) ایک ایسی صورتحال کو کہتے ہیں جس میں ماضی میں کبھی انسان رہ رہے ہوں گے جس کا اگرچہ کوئی ثبوت نہیں ہے، لیکن سوسائٹیز اور حکومتیں بننے سے پہلے انسانی معاشرے کی جو ایک فطری صورتحال تھی چاہے وہ اتحاد کی کوئی بھی صورت ہو، قبائل کی صورت ہو یا جو بھی صورت ہو، جس میں انسان رہتے تھے اس فطری صورت حال کو اسٹیٹ آف نیچر کہا جاتا ہے۔ اس فطری صورتحال میں روسو کے نزدیک انسان زیادہ بااخلاق تھا اور اس کے پاس زیادہ اختیارات تھے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا، کیوں کے وہ کسی نظام یا حکومت کا تابع نہیں تھا۔

چنانچہ وہ کہتاہے: ایک ایسا social contract (معاہدہ عمرانی) بنایا جائے جس کے تحت آنے والے سوسائٹی کے تمام افراد اتنے ہی آزاد ہوں جتنے کہ وہ اس فطری صورتحال (State of Nature) میں آزاد تھے۔ اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ایک سوسائٹی بنائی جائے جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی مرضی کے مالک ہوں۔ (یعنی روسو کی فکر کا مرکزی نکتہ اپنی مرضی اور مکمل آزادی ہے۔) جب ایسا معاہدہ عمرانی وجود میں آئے گا تو معاشرہ کے اندر جو عدم مساوات ہے اس کا خاتمہ ہو گا اور اسی عدم مساوات نے سوسائٹی کے اندر ہر کسی کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب، ہر ایک کو ذلیل اور رسوا کیا ہوا ہے۔ اس معاہدہ عمرانی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر شخص اس قانون کے سامنے برابر اور یکساں ہو گا جو قانون انسان خود بنائے گا۔ (ترجمہ مکمل ہوا)

اس اقتباس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ ہمیں آزادی چاہئے، کتنی آزادی چاہیے؟ ہر طرح کی آزادی چاہئے، جو مرضی ہم کریں! اس سے تو پھر ہم ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے، ظاہر ہے نقصان کوئی نہیں چاہتا، لہذا ایک معاہدہ عمرانی بنے۔ اس معاہدہ عمرانی کے تحت ہر ایک کے حقوق محفوظ رہیں۔ آپ دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ نہ دالیں، بس اپنے حقوق حاصل کرتے رہیں چاہے جس طریقے سے کریں۔ اور قانون کیسے بنے گا؟ قانون آپ خود بنائیں گے، خدا قانون نہیں بنائے گا، کوئی نبی یا رسول قانون نہیں بنائے گا، آپ خود قانون بنائیں گے اور اپنے بنائے قانون کے سامنے آپ مکمل طور سے آزاد ہوں گے۔ یہ روسو کا بنیادی فلسفہ ہے۔ آگے میں نے اس کی کچھ مزید وضاحت ذکر کی ہے اور ساتھ میں اس کا حوالہ بھی موجود ہے:

The key to Rousseau's social contract theory, and his biggest idea, is a take on the "general will." All laws and actions the state undertakes must be in line with it.

The general will is also very expansive, and a government based on it can do many things that others couldn't justify. While this means a Rousseauan government can do many good things others can't, it also means that it can be uniquely oppressive. The general will could call for abolishing or redistributing private property, press censorship, or mandatory attendance at morality plays among a variety of other harsh mandates. In principle, it could even call for ending democracy if that is in the best interests of the whole.

https://bigthink.com/thinking/rousseau-philosophy-explained/

ترجمہ: (General Will بھی ایک اصطلاح ہے، اس کا مطلب ہے عام مرضی یا عمومی رضامندی، یعنی سب لوگوں کی رضامندی کیا ہے؟) روسو نے جو معاہدہ عمرانی کا نظریہ پیش کیا، اس کی بنیاد یہی General Will ہے۔ یعنی ہم کیسے ایک معاہدے پر متفق ہوں؟ ہم یہ دیکھیں گے کہ عام لوگوں کی کیا مرضی ہے، اسی حساب سے یہ معاہدہ عمرانی طے پانا چاہئے۔ جتنے بھی قوانین یا پالیسیاں حکومت بنائے وہ اس عمومی رضامندی کے مطابق ہونی چاہئے۔

لیکن یہ عمومی رضامندی کبھی کبھی بہت مہنگی بھی پڑتی ہے۔ اس عمومی رضامندی کے اوپر جو مبنی حکومت ہوتی ہے وہ ایسے بہت سے کام کر سکتی ہے جو دوسرے نہیں کر پائیں گے۔ روسو کے حکومتی ماڈل کے مطابق حکومت بہت سی اچھی چیزیں کر سکتی ہے، لیکن دوسری طرف وہ ایک ظالم اور جابر حکومت بھی ہو سکتی ہے۔ اس عمومی رضامندی کے مطابق کسی انسان کی ذاتی ملکیت کو ختم کیا جا سکتا ہے، ذاتی زمینوں کو دوبارہ تقسیم کیا جا سکتا ہے، میڈیا کے اوپر پابندی لگائی جا سکتی ہے، لوگوں کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اخلاقی جلسوں میں آئیں اور شرکت کریں، اور اس طرح کی بہت ساری سخت پالیسیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ حکومت جمہوریت کو بھی ختم کر سکتی ہے، اگر جمہوریت کا خاتمہ تمام لوگوں کے حق میں ہو۔ (ترجمہ ختم شد)

اس سے پتا چلتا ہے کہ روسو کے نزدیک آزادی سب سے بنیادی چیز ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہر طرح سے آزادی کو ظاہر ہے کوئی بھی مذہب تسلیم نہیں کر سکتا۔ اور آزادی کے لئے چاہے ظلم کرنا پڑے یا سخت سے سخت پالیسیاں بنانی پڑے، ہم وہ آزادی لے کر رہیں گے۔ یہ ہے روسو کے فلسفے کا خلاصہ ۔ روسو کے فلسفے کا نتیجہ ہے **اٹلی میں میسولینی** (Benito Mussolini)۔ جس نے فاشزم (Fascism) کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح سے **جرمنی میں ہٹلر**، جس نے لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا

اور ہولوکاسٹ (Holocaust) ہوا۔ اسی طرح اس کے فلسفے کا نتیجہ ہے **روس میں کمیونزم** (Communism) جہاں کروڑوں لوگوں کو قتل کیا گیا۔ چین میں اور جہاں جہاں بھی کمیونزم ہوا ہے وہ روسو کے افکار کا نتیجہ ہے۔ اور یہ جتنے بھی **کمیونسٹ ممالک** ہیں سارے آزادی کے نام پر ہی چلتے ہیں کہ ہمیں آزادی چاہیئے، ہمیں ترقی چاہیئے، لیکن ہم ترقی اپنے طریقے سے حاصل کریں گے۔

نارتھ کوریا نے بھی روسو کا ہی کمیونسٹ ماڈل اپنایا ہے۔ نارتھ کوریا کی کبھی کوئی ویڈیو آجاتی ہے یوٹیوب پر، ایک زمانے میں میں بہت دلچسپی لیتا تھا نارتھ کوریا کے بارے میں، بہت ساری ویڈیوز میں نے اس تعلق سے دیکھیں۔ وہاں Moral plays) اور (Moral parades) ہوتی ہیں، اخلاقیات کو پروموٹ کرنے کے لئے۔ اور اس میں ہر ایک کا آنا ضروری ہے۔ اسی طرح سے وہاں کا جو سپریم لیڈر رہے جس نے نارتھ کوریا کی بنیاد رکھی ہے، جب اس کی برسی ہوتی ہے تو ہر سال لوگ جمع ہوتے ہیں اور باقاعدہ پریڈ ہوتی ہے اور سب لوگ روتے ہیں، رونا ضروری ہے، چاہے رونا نہ آرہا ہو۔ ابھی جو پچھلا صدر مرا تھا تو اس کے سوگ میں پانچ دنوں تک پورا ملک رویا تھا۔ اور اس طرح کے مضحکہ خیز مناظر ہیں کہ آپ دیکھیں گے تو ہنسیں گے کہ ان کو رونا نہیں آرہا پھر بھی زبردستی روئے جارہے ہیں، کیوں کہ اگر آپ اس پریڈ میں شامل ہیں اور رو نہیں رہے ہیں تو سزائے موت ہے۔ یہ ماڈل روسو نے دیا ہے۔ تو روسو نے آزادی اور مساوات دونوں کے نعروں کو اس طریقے سے بلند کیا کہ ہمیں ان دونوں کو ہر قیمت پر حاصل کرنا ہی کرنا ہے۔ یہ شخص کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں تھا۔

Voltaire (1694-1778)

A humanist and the father-figure of the Enlightenment.

اب دوسری شخصیت ہے والٹئیر۔ روسو اور والٹئیر دونوں ہم عصر تھے اور دونوں 1778 میں مرے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت خلاف تھے، معاصرانہ چپقلش دونوں میں بہت تھی۔ والٹئیر فرانس میں تھا اور اس کا تعارف یہ ہے کہ یہ ہیومنسٹ تھا اور تحریک تنویر (Enlightenment) کا لگ بھگ کا یہ ایک بانی (founder) تھا۔ حالانکہ اور بھی لوگ تھے، لیکن اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیا یہ مرتد تھا یا مذہبی تھا؟ اس تعلق سے کوئی بات واضح نہیں ہے۔ مذہب کی اس نے خوب برائی کی ہے اور ہر مذہب کی برائی کی ہے، اس نے عیسائیت کی برائی کی ہے، اسلام پر بے جا تنقید کی ہے، اسی طرح دیگر تمام مذاہب کی تنقید کی ہے۔ لیکن ساتھ میں اس نے کبھی الحاد کی بھی تنقید کی ہے، اس لیے اس کے بارے میں پتا نہیں ہے کہ یہ تھا کیا؟ اس

کے مذہبی افکار پر ہمیشہ بحث ہوتی رہی ہے۔ اس کا ایک مشہور اقتباس ہے جو اس کی ڈکشنری میں موجود ہے۔ 1764 میں اس نے فلاسافکل ڈکشنری (Philosophical Dictionary) لکھی تھی اس میں یہ ایک بڑا دلچسپ اقتباس ہے:

"Atheism is the vice of a few intelligent people. There are no sects in geometry.

The truths of religion are never so well understood as by those who have lost the power of reasoning.

Sect and error are synonymous. Common sense is not so common."

(Philosophical Dictionary, 1764)

کہتا ہے: Atheism (الحاد) کچھ عقلمند لوگوں کی کمزوری ہے۔ (چونکہ وہ ہر چیز کو سائنس کی نظر سے دیکھتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ سائنس بالکل صحیح ہے، اس لیے یہاں لکھتا ہے) جیومیٹری (Geometry) میں کوئی فرقہ بندی نہیں ہے۔ (یعنی جیومیٹری جیومیٹری ہے، اس میں کوئی کیتھولک کوئی پروٹیسٹینٹ نہیں ہے۔) آگے کہتا ہے کہ مذہب کی حقیقت ان لوگوں کے ذریعہ کبھی سمجھی ہی نہیں جاسکتی جو عقلیت پسندی کی طاقت (Power of Reasoning) کھو چکے ہوں۔ (یعنی جن کے پاس عقل نہ ہو یا جو عقلی دلائل اور استدلال نہ رکھتے ہوں، وہ کبھی مذہب کی حقیقت سمجھ ہی نہیں سکتے۔ کیوں کہ جیسے ہی عقلی دلائل آپکے سامنے آئیں گے، مذہب کی حقیقت آپ کے سامنے کھل جائے گی اور مذہب کتنی خراب چیز ہے یہ بالکل واضح ہو جائے گا۔) آگے کہتا ہے کہ فرقہ (Sects) اور غلطی (Error) ایک دوسرے کے مترادف لفظ ہیں۔ (یعنی ہر فرقہ غلط ہے۔) کامن سینس (Common sense) اب اتنا کامن (عام) نہیں رہا۔ (یعنی کامن سینس کی بات ہے کہ فرقے غلط ہیں، لیکن لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔)

یہ اقتباس بہت مشہور ہے اور اس سے تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا سوچتا تھا۔ لیکن اس کا جو فلسفہ ہے اس میں تین چیزیں بہت اہم ہیں جسے آج سارے ملحد لئے پھر رہے ہیں:

Voltaire's Philosophy

1- Liberty

"I disagree with what you say, but I will defend to the death your right to say it."

2- Hedonism (Only pleasure has worth or value and only pain or displeasure has disvalue)

One vehicle for this philosophy was Voltaire's salacious poetry, a genre that both reflected in its eroticism and sexual innuendo the lived culture of libertinism that was an important feature of Voltaire's biography. (Plato. Stanford)

(Libertinism is a disregard of authority or a rejection of moral boundaries)

والٹئیر کا فلسفہ

والٹئیر کے فلسفے کی تین بنیادیں بہت اہم ہیں:

1۔ آزادی

اس کے فلسفے میں بھی پہلا پوائنٹ آزادی ہے۔ اس کا ایک جملہ جو اس کی طرف منسوب ہے، لیکن اگر آپ تحقیق کریں گے تو پتا چلے گا کہ یہ اس نے نہیں کہا بلکہ اس کے ایک سوانح نگار نے یہ جملہ اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ البتہ اس کے تمام افکار کا خلاصہ یہی جملہ ہے، اور جملہ اتنا مشہور ہے کہ والٹئیر کا نام آئے اور یہ جملہ زبان زد نہ ہوا ایسا نہیں ہوتا۔ حالانکہ تحقیق سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ بات اس نے نہیں کہی۔ یہ جملہ ہے: "میں آپ کی بات سے اختلاف رکھتا ہوں، لیکن میں آپ کے اس بات کے کہنے کے حق کا مرتے دم تک دفاع کروں گا۔" یعنی آپ کو یہ کہنے کا حق ہے اگرچہ مجھے آپ سے اختلاف ہے، لیکن جو بھی بات آپ کہہ رہے ہیں آپ کو یہ کہنے کا حق ہے۔ یہ مطلب ہے اس کی آزادی کا۔ یہ افکار اس وقت مسلمانوں کے اندر اس طرح سے گھر کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ حیرت ہوتی ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ ان افکار سے متاثر ہیں۔

امریکہ میں ایک شخص ہے "جوناتھن براؤن"۔ اس کا نام آپ گوگل کریں گے تو بہت آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ ایک نومسلم ہے اور حدیث میں اس نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت باصلاحیت انسان ہے، بہت پڑھا لکھا ہے، بہت معلومات ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ علم دین کو حاصل کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ اگر اس طریقہ سے علم دین حاصل نہ کیا جائے تو پھر وہی علم جس کو دین کی خاطر حاصل کیا، بعض مرتبہ انسان اس کو پڑھ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ؛ (اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو اس قرآن کی وجہ سے عزت دیتا ہے اور بہت سی قوموں کو اس کی وجہ سے ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔)" تو

علم دین حاصل کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ سندِ متصل کے ساتھ علم حاصل کریں اور آپ کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ اگر یہ طریقہ نہیں ہے تو پھر وہ طریقہ غلط ہے اور عام طور سے یہی دیکھا گیا ہے۔ "جوناتھن براؤن" مشہور شخصیت ہیں، ان کا یوٹیوب پر اپنا چینل ہے اور ٹویٹر پر بھی ہیں۔ ان کا بڑا گہرا تعلق ہے امریکہ کی ایک مشہور شخصیت "عمر سلیمان" سے۔ عمر سلیمان کا ایک انسٹیٹیوٹ ہے یقین انسٹیٹیوٹ۔ یہ ایک ریسرچ انسٹیٹیوٹ ہے، جس میں اسی طرح کے مسائل کے اوپر تحقیقی مقالے پیش کئے جاتے ہیں۔ جوناتھن براؤن (Jonathan Brown) اس ادارے کے ذمہ داروں میں سے ایک ذمہ دار ہیں۔ ان کا ایک مکالمہ ہے غالباً محمد حجاب کے ساتھ، اور یہ ویڈیو محمد حجاب کے چینل پر ہے۔ دانیال حقیقت جو (Daniel Haqiqatjou) نے بھی اس مکالمہ کو بطور اقتباس اپنی ایک ویڈیو میں پیش کیا ہے۔ اس مکالمے میں محمد حجاب نے جوناتھن براؤن سے پوچھا کہ آپ ہم جنس پرستوں کی شادی (Gay Marriage) کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں ؟ جوناتھن براؤن نے کہا کہ **میرے نزدیک ہم جنس پرستوں کی شادی غلط ہے، لیکن میں ان کے اس شادی کرنے کے حق کا دفاع کروں گا۔** یعنی ان کو یہ حق ملنا چاہیے، اگرچہ یہ شادی غلط ہے۔ یہ وہی رویہ اور راستہ ہے جسے والٹر نے اختیار کیا تھا اور کہا تھا کہ ("میں آپ کی بات سے اختلاف رکھتا ہوں لیکن میں آپ کی اس بات کے کہنے کے حق کا مرتے دم تک دفاع کروں گا۔") بالکل یہی بات مسلمان اسکالر جو حدیث میں پی ایچ ڈی کر چکے ہیں اور اس طرح کے موضوعات پر گفتگو کر رہے ہیں، وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اس جملہ کا اثر کہاں تک گیا ہے۔ بہر حال لبرٹری (Liberty) فلسفہ کی پہلی بنیاد ہے۔

2۔ ہیڈونیزم (Hedonism):

"Only pleasure has worth or value and only pain or displeasure has disvalue"

ہیڈونیزم کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ جس چیز میں مزہ آرہا ہے بس اسی کی قدر و قیمت اور اہمیت ہے اور جس چیز میں تکلیف ہو رہی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تو انسان اس چیز کو اہمیت دے جس میں مزہ آرہا ہے، اب چاہے وہ مزہ زنا کے ذریعہ آئے یا ہم جنس پرستی کے ذریعہ آئے یا پھر کوئی اور طریقہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک کہ اس کام کو کرنے میں سامنے والے کی رضامندی شامل ہے، یہ انسان کی زندگی کا مقصد ہونا چاہئے۔ یہ ہیڈونیزم ہے۔ والٹر نے اپنے اس فلسفہ کو شاعری کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں سٹینفرڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

One vehicle for this philosophy was Voltaire's salacious poetry, a genre that both reflected in its eroticism and sexual innuendo the

lived culture of libertinism that was an important feature of Voltaire's biography. (Plato. Stanford)

والٹئیر کا اپنا فلسفہ تشہیر کرنے کا ایک ذریعہ فحش شاعری تھی۔ یہ شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جس سے جنسی اور ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ جنسی اور ہیجانی اشارات و تلمیحات اس کی شاعری میں ہیں وہ دراصل لبرٹیزم کے کلچر کی بنیاد ہیں۔ (افلاطون، سٹینفورڈ)

لبرٹیریزم اور لبرلزم میں فرق ہے۔ لبرٹیریزم کی تعریف یہ ہے:

لبرٹیریزم "(Libertinism is a disregard of authority or a rejection of moral boundaries)" کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اوپر کسی طرح کی کوئی پابندی اور کسی طرح کے قانون کی پاسداری کا بوجھ نہ ہو اور اگر ہو بھی تو کم سے کم ہو، اور جتنی بھی اخلاقی حدود مذہب بتاتا ہے، اسے ختم کر دینا چاہئے۔ ہم کسی بھی اخلاقی حدود کے پابند نہ بنیں۔ یہ ہے لبرٹنیزم۔

چنانچہ والٹئیر کے ہیجانی اور جنسی کیفیت کو ابھارنے والے جو اشعار تھے وہ دراصل لبرٹیریزم کی بنیاد ہیں۔ اور یہی والٹئیر کی پوری زندگی کا خلاصہ ہے۔ تو اس نے ان اشعار کے ذریعے اپنے فلسفہ ہیڈونیزم کو پرموٹ کیا۔ آج پوری دنیا کے ملحدین کا مقصد صرف اور صرف ہنڈونیزم (Hedonism) ہے۔ ہر ملحد ہیڈونسٹ ہوتا ہے۔ آپ کسی ملحد سے پوچھیں کہ تمہارے نزدیک اخلاق کیا ہے؟ تو وہ آخر کار اس بات کا اعتراف کرے گا کہ میرے نزدیک اخلاق کی بنیاد یہ ہے کہ جو چیز مجھے مزہ دے گی، جو مجھے اچھی لگے گی وہ میں اسے اختیار کروں گا اور جو چیز مجھے اچھی نہیں لگے گی یا مجھے تکلیف دے گی وہ میں اختیار نہیں کروں گا، وہ میرے لیے بہتر نہیں ہے۔ یہ فلسفہ والٹئیر سے آیا ہے۔

3۔ اسکیپٹسزم (Skepticism)

یعنی تشکیک پسندی، ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھنا خصوصاً مذہب کو۔ مندرجہ ذیل عبارت بھی سٹینفرڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی کا ایک اقتباس ہے، ملاحظہ فرمائیں:

It often acted as bulwark for Voltaire's defense of liberty since he argued that no authority, no matter how sacred, should be immune to challenge by critical reason. (Plato. Stanford)

تشکیک پسندی والٹر کا ایک حفاظتی شیلڈ (Shield) ہے، جس سے وہ اپنی آزادی کا دفاع کرتا ہے۔ کوئی بھی اتھارٹی چاہے وہ کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو؛ (چاہے وہ مذہب ہو، پوپ ہو، خدا کا کلام ہو یا کچھ بھی ہو) وہ چیلنج دیئے جانے اور عقلی طور سے تنقید کئے جانے سے محفوظ نہیں ہے۔ (افلاطون سٹینفورڈ)

ہر اتھارٹی پر تنقید ہوگی اور تنقید کی بنیاد یہ ہوگی کہ ہم عقلی طور سے دیکھیں گے کہ وہ بات جو مذہب یا کوئی اتھارٹی کہہ رہی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ ہم ہر چیز کو شکی نگاہ سے دیکھیں گے اور اپنی عقلی ترازو پر تولیں گے۔ اگر ہمیں صحیح لگے گا تو قبول کریں گے، ورنہ قبول نہیں کریں گے۔ اسی کو اسکیپٹسزم کہا جاتا ہے۔

یہ والٹئیر کے فلسفے کی تین بنیادیں ہیں۔ لبرٹی، ہیڈونیزم اور اسکیپٹزم۔ آج بھی آپ بہت سے ملحدین کو دیکھیں گے وہ اپنے نام کے آگے اسکیپٹک (Skeptic) لگاتے ہیں۔ یہ ٹائٹل دراصل والٹئیر کے اسی اسکیپٹسزم سے آیا ہے۔ بہر حال ابھی تک تین شخصیات کا تذکرہ آچکا ہے؛ جان لاک، روسو اور والٹئیر۔ جن میں اول کے دونوں پروٹسٹنٹ ہیں اور والٹئیر ہیومنسٹ ہے۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ لبرلزم کی ماں دو تحریکیں ہیں؛ تحریک اصلاح جس کے بطن سے پروٹسٹنٹزم نکلا ہے اور دوسری ہے ہیومنزم۔

فرانسیسی انقلاب (1789-1799)

روسو اور والٹر نے جو فلسفہ دیا ہے اس کے نتیجہ میں فرانسیسی انقلاب وجود پذیر ہوا۔ فرانسیسی انقلاب موجودہ دنیا کی تاریخ کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ اس نے پوری دنیا کے دھارے کو بدل دیا ہے اور یہ بے انتہاء کامیاب اور سب سے زیادہ ذکر کیا جانے والا ایک انقلاب ہے۔ یہ انقلاب1799 سے 1789 تک یعنی 10 سالوں تک جاری رہا۔ اگرچہ روسو اور والٹر دونوں مرچکے تھے لیکن چونکہ وہ اپنا فلسفہ اپنی قوم کو دے گئے تھے، ان کے فلسفے کی بنیاد پر قوم بیدار ہوئی اور اس زمانے میں جو بادشاہت تھی، زمیدارانہ اور جاگیردارانہ نظام تھا، ان سب کے خلاف یہ لوگ کھڑے ہوگئے۔ ہمیں اس وقت فرانسیسی انقلاب کی تفصیل میں نہیں جانا ہے، ہمارا موضوع یہ ہے کہ فرانسیسی انقلاب کی بنیاد روسو اور والٹر کا فلسفہ ہے اور پھر فرانسیسی انقلاب کے نتائج درج ذیل آٹھ چیزیں ہیں۔ آج ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں، چاہے آپ انڈیا میں ہوں، پاکستان میں ہوں، انگلینڈ میں ہوں، امریکہ میں ہوں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں، یہاں تک کہ اگر آپ سعودی عرب، قطر یا امارات میں ہی کیوں نہ ہوں، کسی نہ کسی حد تک آپ فرانسیسی انقلاب کے اثرات سے متاثر ہیں۔ وہ کس طریقے سے؟ آپ فرانسیسی انقلاب کے نتائج دیکھ لیں:

1۔ نظریہ عملداری (Domino effect):

یعنی فرانسیسی انقلاب کا اثر دوسری جگہوں پر بھی ہوا۔ امریکہ تک انقلاب پہنچا، جنوبی امریکہ تک انقلاب پہنچا اور ملکوں ملکوں آزادی کے نعرے لگنے لگے۔ 1830ء تک آدھا سے زائد لاطینی امریکہ آزاد ہو چکا تھا۔ بہر حال جو فرانسیسی کالونیاں تھیں، چاہے وہ لاطینی امریکہ میں تھیں یا کہیں اور، اسی طریقہ سے اسپینی کالونیاں تھی ان سب جگہوں پر اس انقلاب کا اثر دکھنے لگا۔ یہ تو ایک اچھا نتیجہ تھا کہ ملک آزاد ہو رہے تھے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر نتیجہ خراب ہو۔

2۔ جمہوریت (Democracy):

دنیا میں جہاں جہاں ممالک آزاد ہو رہے تھے وہاں وہاں جمہوریت نافذ ہو رہی تھی۔ صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ بہت سے ممالک میں جمہوریت کو نافذ کیا جانے لگا اور جو بڑے بڑے اختیارات بادشاہ کو حاصل تھے وہ اب قوم کو حاصل ہونے لگے۔ اور قوم کو اس طریقہ سے حاصل ہوئے کہ قوم نے جمہوریت نامی ایک نئے شیطان کو پوری دنیا پر مسلط کر دیا اور اس جمہوریت نے پھر قوانین بنانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ فرانس میں 1792 تک باقاعدہ طور پر جمہوریت کا اعلان ہو گیا تھا۔

3۔ نیا آئین (New constitution):

چونکہ بادشاہت کا تسلط ٹوٹ گیا تھا، اب یہ ضروری تھا کہ دنیا کو یا ملک کو ایک نیا قانون، نیا دستور اور نیا آئین دیا جائے اور اس نئے آئین کے ذریعے یا تو بادشاہت کو نہایت ہی محدود کر دیا جائے یا بالکل ختم کر دیا جائے۔

4۔ درجہ بندی کے معاشرے کا خاتمہ (End of hierarchical society):

اس زمانہ میں سماج اور معاشرہ الگ الگ طبقات میں تقسیم تھا۔ خصوصاً یورپ کا پورا معاشرہ ہی ایسا تھا۔ سب سے اوپر بادشاہ اور اس کا خاندان، پھر اشرافیہ جس کے اندر نواب اور بڑے بڑے زمیندار اور جاگیر دار، پھر کسان اور عام لوگ وغیرہ تھے۔ جو اشرافیہ تھے وہ عوام اور کسانوں پر ظلم کرتے تھے، ان کے اوپر ٹیکس لگاتے تھے، پھر جو ٹیکس عوام سے لیتے تھے وہ بادشاہ کو دیتے تھے۔ اشرافیہ کے ساتھ ساتھ وہ طبقات بھی شامل تھے جن کا تعلق انتظامیہ سے تھا، پولس، آرمی اور سرکاری افسران و عہدیداران وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ پورا معاشرہ طبقات میں تقسیم تھا۔ تو فرانسیسی انقلاب کے ذریعے اس طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہوا۔

5۔ چرچ اور ریاست کے درمیان علٰحیدگی (Separation of church and state):

یہ بہت اہم تبدیلی ہے جو آج تک باقی ہے۔ اب ریاست خود مختار ہے، وہ طے کرے گی کہ کون سے قوانین اس دنیا میں لاگو کرنے ہیں اور کون سے نہیں۔ چرچ کے ذریعہ کسی کا قانون نافذ نہیں ہو گا۔ مذہب اور ریاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مذہب

آپ کا اپنا ذاتی معاملہ ہے اور ریاست کے تحت آپ اپنی زندگی گزاریں گے۔ ریاست طے کرے گی کہ آپ کی زنگی کیسے چلنی چاہئے، کون سی چیز آپ کے لئے درست ہے اور کون سی چیز آپ کے لیے درست نہیں ہے۔ یہ باتیں چرچ یعنی مذہب طے نہیں کرے گا۔ یہ چرچ اور ریاست کے درمیان علٰحید گی فرانسیسی انقلاب کا نتیجہ ہے۔ آج اگر انڈیا میں جمہوریت ہے تو اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ ریاست سیکولر ہے اور مذہب آزاد ہے، لوگ ذاتی طور پر اپنے اپنے مذاہب پر عمل کرتے ہیں۔ پاکستان اگرچہ اسلامی جمہوریہ ہے لیکن جمہوریت اس میں بھی لگی ہوئی ہے۔ آپ انگلینڈ میں چلے جائیں، امریکہ میں چلے جائیں، کینیڈا میں چلے جائیں، ہر جگہ چرچ اور ریاست علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔

6۔ انسانی حقوق (**Human rights**):

ہیومن رائٹس کی اصلاح اگرچہ اکا دکا لوگ پہلے استعمال کرتے ہوں، لیکن فرانسیسی انقلاب کے بعد انسانی حقوق کی اصطلاح کو بہت ہی زیادہ شہرت ملی۔ یہاں تک کہ آج اقوام متحدہ میں سب زیادہ زور اگر کسی چیز کے اوپر ہے تو وہ انسانی حقوق پر ہے۔ اور انسانی حقوق ایک ایسی بندوق ہے جو کسی کے اوپر بھی چل جاتی ہے۔ کئی ممالک کو تو محض اس لیے دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے اور وہاں کے وسائل پر قبضلہ کرنے کی اجازت ملی کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعتبار سے وہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا، عراق پر حملہ کیا، شام کے اوپر حملہ کیا، لیبیا کے اوپر حملہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ ان ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی تھی! آج ایران کو دیکھ لیں؛ آج پوری مغربی دنیا ایران کے خلاف کیوں ہے؟ کیونکہ وہاں پردہ کا مسئلہ ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایرانی حکومت بہت اچھی ہے، لیکن بہر حال پردے کا مسئلہ وہاں چل رہا ہے اور دنیا اس کے خلاف ہے، سب یہی کہہ رہے ہیں کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ تو انسانی حقوق کی اصطلاح فرانسیسی انقلاب سے چلی ہے۔

7۔ **From feudal economy to capitalist economy**:

جاگیر دارانہ معیشت کے بجائے سرمایہ دارانہ معیشت

فرانسیسی انقلاب سے پہلے کی معیشت جاگیر دارانہ معیشت تھی۔ اب جاگیر دارانہ معیشت تبدیل ہو کر سرمایہ دارانہ معیشت بن گئی۔ پہلے جاگیر دار اپنے کسانوں کے اوپر ٹیکس لگایا کرتے تھے، اب جاگیر دار کے بجائے سرمایہ دار اپنے ماتحتوں سے کام لیتے ہیں اور ان کے اوپر ٹیکس لگاتے ہیں، اس ٹیکس سے پوری دنیا کی حکومتیں چلتی ہیں۔ یہی کیپیٹل ازم ہے، اس سے متعلق گفتگو آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

8۔ چرچ کے اثاثوں کی قومیائی (**Nationalization of church assets**):

فرانسیسی انقلاب سے پہلے چرچ کے پاس بہت ساری جائداد (Properties) تھی، جب یہ انقلاب آیاتو ان تمام جائدادوں پر ریاست نے قبضہ کرلیااور ان کو قومیا دیایعنی ریاست نے قومی اثاثہ قرار دیا۔ اب وہ قومی اثاثے بن گئے اور حکومت ان کی مالک بن گئی۔ یہ فرانسیسی انقلاب کے 8 نتیجے ہیں۔

یاد رہے کہ فرانسیسی انقلاب کی بنیاد دو فلسفیوں کے اوپر ہے روسو اور والٹئیر۔ مذکورہ بالا 8 نتائج میں سے نمبر 3 پر تھا "نیا آئین"۔ اب میں آپ کے سامنے فرانس کے نئے آئین (Constitution) کے کچھ اقتباسات ذکر کرتا ہوں، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ روسو اور والٹئیر کا فلسفہ کس طریقہ سے فرانس کے نئے آئین میں داخل ہوا:

Declaration of the Rights of Man and of the Citizen 1789

The basic principle of the Declaration was that all "men are born and remain free and equal in rights" (Article 1), which were specified as the rights of liberty, private property, the inviolability of the person, and resistance to oppression (Article 2). All citizens were equal before the law and were to have the right to participate in legislation directly or indirectly (Article 7). Freedom of religion (Article 10) and freedom of speech (Article 11) were safeguarded within the bounds of public "order" and "law)". Britannica

انسان اور شہری کا حقوق نامہ 1789

اس حقوق نامے کا بنیدی اصول یہ ہے کہ تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں اور ان کو مساوی حقوق حاصل ہیں (آرٹیکل-1)۔ وہ حقوق یہ ہیں؛ آزادی، ذاتی ملکیت، شخصی احترام، ظلم کے خلاف جدوجہد۔ (آرٹیکل-2)۔ تمام لوگ قانون کی نظر میں برابر ہیں اور وہ قانون سازی کے عمل میں براہ راست یا بالواسطہ شامل ہو سکتے ہیں (آرٹیکل-7)۔ ہر شخص کو مذہب کی آزادی حاصل ہے (آرٹیکل-10)۔ ہر شخص کو بولنے کی مکمل آزادی ہے (آرٹیکل-11)۔ ان تمام حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے الا یہ کہ یہ حقوق عوامی مفاد اور قانون کے خلاف نہ ہوں۔

یعنی اگر یہ حقوق عوامی مفاد اور قانون کے خلاف ہوں تو یہ حقوق آپ کو حاصل نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں آپ کو قتل کردوں تو یہ حق آپ کو حاصل نہیں ہوگا، چونکہ یہ قانون کے خلاف ہے، اس لیے یہ آپ کی آزادی سے باہر ہے۔ اسی طرح ایسی کوئی بھی بات جو پوری عوام کو مشتعل کردے وہ بھی آپ نہیں کہہ سکتے۔ یہ باتیں فرانس کے دستور میں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آئے دن فرانس میں اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں جو عوام کو

مشتعل کرنے کا کام کرتی ہیں۔ ابھی کچھ سالوں پہلے ہی چارلی ہیڈو (Charlie Hebdo) کا معاملہ پیش آیا، جس نے کئی مرتبہ شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی ہے۔ ابھی دو سالوں پہلے جب کلاس روم میں ایک ٹیچر نے شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی تھی اور ایک مسلمان طالب علم نے اس کو قتل کر دیا تھا تو فرانس کے صدر نے اسے باقاعدہ قومی مسئلہ قرار دیا تھا اور پوری دنیا کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اور بڑی بڑی بلڈنگوں کے اوپر فرانسیس کے جھنڈے لہرائے گئے اور اس گستاخ ٹیچر کو ریاستی اعزاز کے ساتھ وداعی دی گئی۔ ملکی سطح پر اس کے کفن و دفن کا انتظام کیا گیا۔ یہ کیا تھا؟ وہ یہ پیغام دینا چاہ رہے تھے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم چاہے کسی کی بھی توہین کریں ہمیں بولنے کی آزادی حاصل ہے۔ اور چونکہ عوام مشتعل نہیں ہو رہی ہے۔ چونکہ وہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے- لہذا ہمیں اس طرح کی آزادی حاصل ہے اور اس حق کے دفاع کے لیے ہم کسی بھی سطح تک جاسکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے فرانسیسی خراب ہیں، ان میں جو اچھے لوگ ہیں وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری پوری تاریخ جدوجہد سے بھری پڑی ہے، ہم نے 10 سال تک انقلاب کے لیے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور اس انقلاب کی بنیاد ہی آزادی ہے، تو آج ہم اپنی آزادی کو کیسے چھوڑ دیں؟ لہذا ہم تو مذہب کے خلاف بولیں گے۔ یہ دراصل ان لوگوں کا مسئلہ ہے۔ تو اصل مسئلہ ان کی ذہنی خرابی نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ وہ لبرلزم ہے کہ جس کے سایے تلے یہ لوگ صدیوں سے جیتے چلے آرہے ہیں۔ بہر حال اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فرانس میں روسو اور والٹئیر کا اثر کیا ہوا۔ اور آج تک اس کا اثر ہے کہ ساری دنیا پریشان ہے۔

امریکہ میں جان لاک کا اثر ہوا۔ امریکی دستور پر جان لاک (John Locke) کے افکار کا اثر پڑا۔ مندرجہ ذیل اقتباس میں امریکی دستور کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

THE BILL OF RIGHTS TO THE U.S. CONSTITUTION-1791

First Amendment

Congress shall make no law respecting an establishment of religion, or prohibiting the free exercise thereof; or abridging the freedom of speech, or of the press, or the right of the people peaceably to assemble, and to petition the Government for a redress of grievances.

امریکی آئین کے حقوق کا بل

پہلی ترمیم

کانگریس (امریکی پارلیمنٹ) کسی بھی مذہب کے تعظیم، یا اس مذہب پر عمل کی آزادی پر پابندی کا کوئی قانون نہیں بنائے گی۔ اسی طرح سے کانگریس آزادئ اظہار رائے کو اور میڈیا کی آزادی کو محدود نہیں کرے گی۔ اسی طرح لوگوں کو پرامن طریقے سے جمع ہونے (جلسے یا احتجاج کے لیے) کا حق حاصل ہے اور حکومت سے شکایات کے ازالے کے لیے درخواست کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ اس کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

امریکی دستور میں بنیادی چیز ہے "آزادئ اظہار رائے"۔ ہر چیز کی آزادی: کیا پہننا ہے، کیا اوڑھنا ہے، کیا کھانا ہے، کس کے ساتھ رہنا ہے، کیا بولنا ہے، چاہے کسی بھی مذہب کے خلاف ہو یا پھر کسی مذہبی پیشوا اور رہنما کے خلاف بولنا ہو، آپ کو اجازت ہے۔ یہ بات امریکہ کے سب سے پہلے آئین میں آگئی۔ اب اگر ساری دنیا مل کر امریکہ کو مجبور کرے کہ شان رسالت ﷺ پر گستاخی بند ہونی چاہیے، امریکہ کا کوئی بھی شہری آپ ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا، تو امریکہ یہ کہے گا کہ اس کے لئے ہمیں اپنے دستور کو بدلنا پڑے گا۔ براک اوباما جب امریکہ کا صدر بنا تو 2008 میں اس کا مصر کا ایک دورہ ہوا تھا، اس نے قاہرہ یونیورسٹی میں ایک تقریر کی تھی جو یوٹیوب پر موجود ہے۔ میں نے وہ تقریر لائیو دیکھی تھی۔ اس نے بہت ہی زبردست تقریر کی تھی، ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اچھا مقرر تھا۔ اس نے باقاعدہ قرآنی آیات کے حوالے دئے تھے۔ اس تقریر میں اس نے یہ بات بھی کہی تھی کہ ہم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم گستاخی کے اوپر کنٹرول کریں، لیکن ہمارے یہاں یہ پہلی ترمیم (Amendment) ہو گی، ہم س چیز کے اوپر کنٹرول نہیں کر سکتے، ہمارے یہاں ہر شہری کو اپنی مرضی سے کہنے اور کرنے کی آزادی ہے۔ یہ عذر اس نے پوری دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سے کیا ثابت ہوا؟ آپ فرانس میں چلیں جائیں تو آپ کو لبرلزم ملے گی، امریکہ میں چلے جائیں تو یہاں قانونی طور سے لبرلزم ہے۔ امریکہ میں لبرلزم جان لاک کے نتیجے میں ہے اور فرانس میں روسو اور والٹئیر کے نتیجے میں۔

لبرلزم کی تعریف

ان تمام پس منظر اور تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ آخر لبرلزم ہے کیا؟ ذیل میں لبرلزم کی چار تعریفات پیش کی جاتی ہیں، جن میں سے چوتھی تعریف سب سے مختصر اور جامع ہے:

Definition of Liberalism

1. Thomas Hobbes (England, 1588-1679) "absence of external impediments of motion"

تھامس ہوبز (یہ انگلینڈ کا فلسفی تھا) نے لبرلزم کی یہ تعریف بیان کی ہے: ہمارے اعمال اور افعال کے اوپر سے کسی بھی طرح کی بیرونی پابندی کا خاتمہ۔ (یعنی اگر ہم پابندی لگائیں تو خود لگائیں اپنے اوپر، باہر سے کوئی پابندی نہ ہو، یہ ہے لبرلزم)

2. Liberalism is a political and moral philosophy based on the rights of the individual, liberty, consent of the governed and equality before the law.

لبرلزم ایک سیاسی اور اخلاقی فلسفہ ہے جس کی بنیاد انفرادی حقوق پر ہے، جیسے آزادی، عوام کی رضامندی اور قانون کے سامنے مساوات۔ (یہ ہے لبرلزم کا سیاسی اور اخلاقی فلسفہ۔ ملحد اپنی اخلاقیات لبرلزم سے لیتا ہے۔ اس تعریف میں آگیا کہ یہ اخلاقی فلسفہ ہے)

3. liberalism in general, the belief that it is the aim of politics to preserve individual rights and to maximize freedom of choice". (Concise Oxford Dictionary of Politics, Iain McLean and Alistair McMillan, Third edition 2009)

لبرلزم عمومی طور پر ایسے عقیدے کا نام ہے جو کسی بھی سیاسی حکومت کا مقصد ہونا چاہئے اور اس سیاسی حکومت اور اس عقیدہ کے تحت افراد کے ذاتی حقوق محفوظ ہونے چاہئیں اور انھیں زیادہ سے زیادہ اختیار کی آزادی ملے۔

(وہ کیا بولنا چاہتے ہیں، کیا پہننا چاہتے ہیں اور کس طریقے سے رہنا چاہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ حقوق ان کو ملیں۔ سیاسی حکومت کا یہ مقصد ہو، اسی کو لبرلزم کہتے ہیں۔)

4. Moral philosophy that promotes maximizing freedom, liberty, equality, autonomy.

ایک اخلاقی فلسفہ کہ جو آزادی، مساوات اور اختیار کو بڑھانے میں یقین رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس فلسفہ کے ذریعہ انسان کو زیادہ سے زیادہ آزادی ملتی ہے، اس فلسفے کے ذریعے تمام لوگوں میں مساوات آتی ہے اور اس فلسفے کے ذریعے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات ملتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فلسفہ اتنا بڑا اور اتنا مؤثر ہے کہ اس نے آج کی دنیا کی ننانوے فیصد کی آبادی کے اوپر اثر ڈالا ہوا ہے۔ تو اتنا بڑا فلسفہ جو گذشتہ دو سو سالوں سے پوری دنیا

پر رائج ہے اور حکومت کر رہا ہے اور لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے بہتر فلسفہ ہمیں آج تک نہیں ملا، اس کی وجہ اس فلسفے کا ظاہری بیانیہ ہے کہ یہ فلسفہ ہمیں مساوات دیتا ہے ہمیں آزادی دیتا ہے اور ہر انسان آزادی چاہتا ہے، ہر آدمی یہ چاہتا ہے میرے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کیا جائے جو دوسروں کے ساتھ اختیار کیا جارہا ہے۔ تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فطری فلسفہ ہے، ہماری فطرت کے مطابق ہے۔ اور جب یہ ہماری فطرت کے مطابق ہے اور ہمیں ہر طرح کی آزادی ہونی چاہئے، تو ظاہر ہے کہ اس فلسفہ کو مقبول ہونا ہی تھا۔ کہیں تو اس فلسفہ کو زبردستی تھوپا گیا اور کہیں لوگوں نے اس فلسفے کو خود اپنا لیا۔

مثلاً بھارت میں 1947 میں جب آزادی کے بعد انگریز یہاں سے چلا گیا اور دستور سازوں نے دستور کی تیاری شروع کی تو کسی نے تو ان کو مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ لبرلزم کو اختیار کریں، انھوں نے مختلف ممالک (امریکہ، برطانیہ، فرانس، وغیرہ) کے دستور سامنے رکھے اور وہاں سے اچھی اچھی باتیں لیں اور بھارت کا دستور بنا دیا۔ وہ چاہتے تو منوسمرتی کو بطور دستور انڈیا میں لاگو کر سکتے تھے، کیونکہ ان کی اکثریت تھی، مسلمان تو پس رہے تھے، اقلیت میں تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو یہ فلسفہ زیادہ اچھا لگا، کیونکہ یہ لوگوں کے دل و دماغ کو زیادہ اپیل کرتا ہے۔

لبرلزم قرآن کے الفاظ میں

تو جب یہ چیز اتنی زیادہ مؤثر ہے اور لوگوں کے دل و دماغ کو اپیل کرنے والی ہے تو کیا یہ ممکن تھا قرآن کریم میں اس کا ذکر نہ ہوتا؟ کیا قرآن کریم اشارے میں بھی اس تعلق سے بات نہ کرتا؟ ممکن نہیں تھا! قرآن کریم نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن قرآن نے اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ آپ قرآن کریم پر غور کریں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ معجزانہ کلام ہے۔ دنیا کا کوئی فتنہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی طرف صراحۃً یا اشارۃً اللہ تعالی نے قرآن کریم کوئی ذکر نہ کیا ہو۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًىؕ(القیامة-36)

کیا آدمی اس گمان میں ہے کہ اسے یوں ہی مادر پدر آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟

لبرلزم کیا ہے؟ مادر پدر آزادی! لبرلزم کو قرآن کے الفاظ میں آپ کہہ لیں "السُدَوِیة"۔ امام شافعیؒ "سدی" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فلم یختلف اہل العلم بالقرآن فیما علمت، أن السدی: الذی لا یؤمر ولا ینھی" جہاں تک مجھے معلوم ہے علما اور قرآن کریم کا علم رکھنے والے اس تعلق سے کوئی اختلاف رائے نہیں رکھتے ہیں کہ "سدی" وہ شخص ہے جس کو نہ تو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ کسی کام سے روکا جائے، یعنی بالکل آزاد ہو۔ ظاہر ہے کہ جب بھی کوئی حکم دیا جائے گا تو وہ باہر سے دیا جائے گا، حکم دینے والا کوئی دوسرا ہوگا۔ جیسا کہ ما قبل میں لبرلزم کی تعریف نمبر 1

میں گزرا(تھومس ہوبز نے کہا تھا: ہمارے اعمال اور افعال کے اوپر سے کسی بھی طرح کی بیرونی پابندی کا خاتمہ)یعنی انسان کے افعال پر کوئی بیرونی رکاوٹ ڈالنے والا نہ ہو، وہ خود رکاوٹ ڈالے تو اس کی مرضی۔ یہی لبرلزم ہے۔ اور بالکل یہی تعریف امام شافعیؒ نے "سدی" کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے کہ (وہ شخص کہ جس کو نہ کسی کام کا حکم دیا جاسکے نہ کسی کام سے روکا جاسکے)یعنی کوئی بیرونی طاقت اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہ کرسکے، یہ ہے "سدی"۔ اور اللہ تعالی انسان کو چیلنج کررہا ہے کہ اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا تو ایسا نہیں ہو گا۔ تو لبرلزم قرآن کے الفاظ میں ہے "السُدَوِیة" ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

بہت سے ملکوں میں آج سیاست اس طریقے سے ہوتی ہے کہ کئی پارٹیاں ہوتی ہیں جن میں کچھ پارٹیاں لبرل ہوتی ہیں اور کچھ پارٹیاں لبرل نہیں ہوتی ہیں، تو جو پارٹیاں لبرل نہیں ہیں کیا وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہیں؟ مثلا انڈیا میں تاریخی اعتبار سے 2 بڑی پارٹیاں ہیں؛ ایک بی جے پی ہے جو اس وقت اقتدار میں ہے اور دوسری کانگریس ہے جو پہلے اقتدار میں تھی، کانگریس کے افکار و نظریات بی جے پی کے مقابلہ میں زیادہ لبرل ہیں جبکہ بی جے پی کے افکار و نظریات ہندو روایات کے زیادہ قریب ہیں، ہر شخص اس بات کو دیکھتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے، تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بی جے پی لبرل نہیں ہے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کانگریس لبرل ہے؟

اسی طریقہ سے امریکہ میں دو پارٹی نظام ہے؛ ایک ہے ریپبلکنز (Republicans)اور دوسرے ہیں ڈیموکریٹس (Democrats)۔ اس وقت امریکہ میں ڈیموکریٹس کی حکومت ہے اور ٹرمپ ریپبلکنز سے تھا۔ جب ان دونوں پارٹیوں کے افکار و نظریات کو دیکھیں تو واضح طور سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ڈیموکریٹس زیادہ لبرل ہیں جبکہ ریپبلکنز زیادہ روایت پسند ہیں۔ تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ریپبلکنز چونکہ زیادہ روایت پسند ہیں لہذا وہ لبرل نہیں ہیں؟ اور ڈیموکریٹس چونکہ زیادہ لبرل ہیں لہذا انھی کو لبرل کہا جائے، کیا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے؟ نہیں!

جواب:

آپ نے سیاست میں دو اصطلاحات سنی ہوں گی؛ رائٹ ونگ اور لیفٹ ونگ۔ ہر ملک کے اندر لیفٹ ونگ لبرل ہوتا ہے، جبکہ رائٹ ونگ ہر ملک میں روایت پسند ہوتا ہے۔ ترکی میں اس وقت رائٹ ونگ کی حکومت ہے، طیب اردگان رائٹ ونگ سے آتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جو پارٹیاں ہیں وہ لیفٹ ونگ ہیں اور وہ زیادہ تر لبرل ہیں چونکہ وہ لبرلزم کو زیادہ بڑھاوا دیتی ہیں۔ اسی طریقے سے ہر ملک کا حال ہے۔ لیکن اس رائٹ ونگ اور لیفٹ ونگ میں گو کہ ایک زیادہ لبرل ہے اور دوسرا تھوڑا کم لبرل ہے، لیکن لبرل سارے ہی ہیں۔

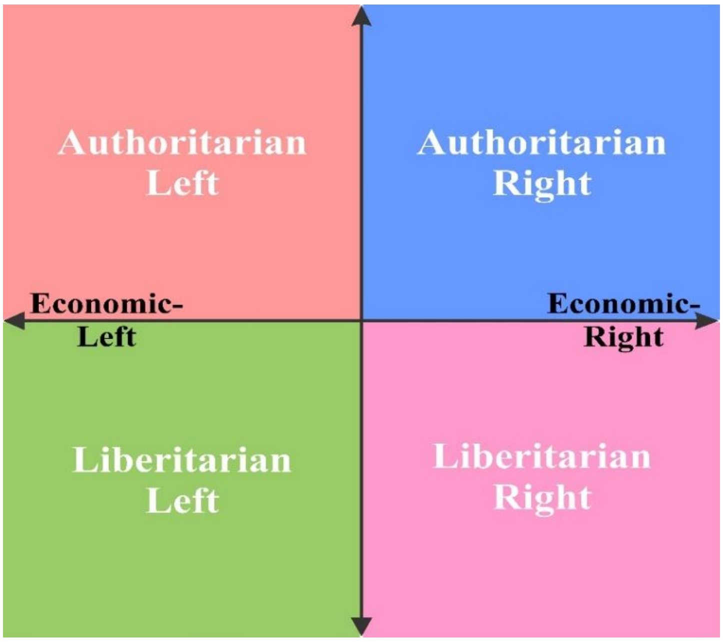

کچھ Political Ideologies (سیاسی نظریات) ہیں جن کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یہ نقشہ جو آپ دیکھ رہے ہیں بہت اہم ہے؛ اگر آپ اسے سمجھ جائیں گے تو پوری دنیا کا جو سیاسی ماحول ہے گزشتہ دو سو سالوں کا وہ آپ کو سمجھ آجائے گا۔ وہ اس طریقہ سے کہ موجودہ دور میں جتنے بھی سیاسی نظریات ہیں چاہے وہ رائٹ ونگ ہوں، لیفٹ ونگ ہوں، سب کے سب لبرل ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو لبرلزم کے خلاف ہو، کچھ کم ہیں کچھ زیادہ ہیں۔

یہ سمجھ لیں کہ ایک میدان ہے، اس میدان میں چار پلاٹ ہیں، اوپر والے دو دیکھیں: بائیں طرف اتھاریٹیرین لیفٹ اور دائیں طرف اتھاریٹیرین رائٹ ہے، پھر نیچے بائیں طرف لبرٹیرین لیفٹ اور دائیں طرف لبرٹیرین رائٹ ہے۔ یہ جو اتھاریٹیرین رائٹ ہے، دنیا میں جتنے بھی نیشنل سوشلسٹ اور فاشسٹ ہیں وہ وہ سارے اتھاریٹیرین رائٹ میں آتے ہیں۔ ہٹلر، مسولینی، لینن اور اسی طرح چائنہ کا ماؤ اور جنوبی کوریا وغیرہ یہ سب اتھاریٹیرین رائٹ میں آئے گا۔ اتھاریٹیرین لیفٹ میں کمیونزم اور سوشلزم ہے۔ مثلاً مصر کا جمال عبد الناصر، انور سادات یا موجودہ ڈکٹیٹر یا لیبیا کا کرنل قذافی، عراق کا صدام حسین، شام کا بشار الاسد، یہ سب کے سب اتھاریٹیرین لیفٹ میں آتے ہیں۔ یہ اتھاریٹیرین حکومت چلاتے ہیں، لیکن یہ لیفٹ ونگ ہیں رائٹ ونگ نہیں ہیں۔ یہ لوگ اتنے زیادہ بڑے قزاق نہیں ہیں جتنے کہ مسولینی اور لینن وغیرہ تھے یا ہٹلر تھا۔

نیچے کے دو پلاٹ لبرٹیرین رائٹ اور لبرٹیرین لفٹ ہیں۔ لبرٹیرین کی تعریف ماقبل میں صفحہ نمبر 9 پر آچکی ہے کہ کم سے کم قانون ہونے چاہئیں اور اخلاقی حدود کوئی حکومت طے نہ کرے، لوگ خود ہی طے کریں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ یہ ہے لبرٹیرینزم۔ تو لبرٹیرینزم لبرلزم سے ذرا مختلف ہے۔ **لبرلزم ایک پورا فلسفہ ہے جبکہ لبرٹیرینزم سیاست کا ایک انداز ہے۔** تو لبرٹیرین رائٹ میں آج کے دور میں بی جے پی حکومت ہے، اسی طرح امریکہ کے ریپبلکنز، ترکی میں رجب طیب اردگان، لبرٹیرین رائٹ میں شامل ہیں- میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے- مقصود صرف یہ سمجھانا ہے کہ آج کے دور میں کس طرح سیاست لبرلزم کے تحت ہی چلتی ہے۔ لبرٹیرین لیفٹ میں امریکہ میں ڈیموکریٹس، انڈیا میں کانگریس پارٹی اور دوسرے ممالک میں جن کو لیفٹ ونگ کہا جاتا ہے وہ سارے لبرٹیرین لیفٹ ہیں۔

لبر ٹیرین چاہے وہ رائٹ ہوں یا پھر لیفٹ ہوں، وہ اس بات میں یقین کر رکھتے ہیں کہ حکومت کی مداخلت کم سے کم ہو، تب ہی ہم آزادی اور مساوات عوام کو دے سکتے ہیں۔ جبکہ اتھاریٹیرین چاہے وہ رائٹ ہوں یا پھر لیفٹ ہوں، وہ اس بات میں یقین کر رکھتے ہیں کہ حکومت کی مداخلت زیادہ سے زیادہ ہو، تبھی ہم آزادی اور مساوات کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ لہذا حکومت کی زیادہ سے زیادہ مداخلت حکومت کو اتھاریٹیرین بناتی ہے اور حکومت کی کم سے کم مداخلت حکومت کو لبر ٹیرین بناتی ہے۔ پھر اتھاریٹیرین اور لبر ٹیرین میں رائٹ ونگ (سخت گیر، روایت پسند) اور لفٹ ونگ (مادر پدر آزاد) ہوتے ہیں۔

اس کی سب سے بہتر مثال امریکہ سے دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ انڈیا میں سیاست کا کوئی اصول نہیں ہے، امریکہ میں آج بھی اصول کی سیات ہوتی ہے، چاہے وہ اصول خراب ہوں۔ وہ مثال ہے **Abortion** (اسقاط حمل)؛ اسقاط حمل امریکہ میں ایک بڑا مسئلہ ہے اور اس کی بنیاد پر امریکہ میں الیکشن ہوتے ہیں، یہ ایک الیکشن کا مدا ہے۔ اس مسئلہ میں ڈیموکریٹس یہ کہتے ہیں کہ ہر عورت کو اختیار ہے کہ وہ ماں بنے یا نہ بنے، اگر وہ اسقاط حمل کا راستہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ ماں نہ بنے اور اسقاط حمل کرالے۔ یہ جو نعرہ ہے "میرا جسم میری مرضی" یہ یہیں لبر ٹیرین لفٹ سے آیا ہے۔ لیکن جو لبر ٹیرین رائٹ ونگ ہے، جو کچھ نا کچھ روایت پسندی پر یقین رکھتا ہے یعنی ریپبلکنز، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم عورت کو عام حالات میں اسقاط حمل کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ اس کے پیٹ میں ایک زندگی پل رہی ہے، اس کا بھی حق ہے۔ یہ اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم **pro-choice** نہیں ہیں بلکہ **pro-life** ہیں۔ یعنی ہم زندگی کے حق میں دلائل رکھتے ہیں اور سامنے والا رضامندی کے حق میں دلائل رکھتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ عام حالات میں اسقاط حمل کا حق نہیں ہونا چاہیے، ہاں مخصوص حالات میں ہو وہ الگ بات ہے۔

ابھی چند دنوں پہلے امریکہ میں یہ بحث اس لیے دوبارہ سے چھڑ گئی ہے کہ سپریم کورٹ نے اپنا 40-50 سال پرانا فیصلہ واپس لینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ ہر عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسقاط حمل کرا سکتی ہے۔ لیکن پھر ہوا یہ کہ اس کے بعد سے امریکی سپریم کورٹ میں ججوں کی اکثریت لبر ٹین لفٹسٹ کی رہی ہے۔ لیکن ٹرمپ کے آنے کی وجہ سے کچھ ایسا ہوا کہ سپریم کورٹ میں لبر ٹیرین راٹ کے ججوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اور جیسے ہی ان کی تعداد زیادہ ہوئی انھوں نے اپنے پرانے فیصلے کو بدل دیا اور ریاستی حکومت کو یہ حق دیا کہ وہ اسقاط حمل کے خلاف قانون بنا سکتی ہے۔ امریکہ کی پچاس ریاستوں میں عوام مکمل طور سے منقسم ہے۔ وہ اس طریقہ سے کہ کچھ ریاستیں خالص لبر ٹیرین لیفٹ کے تحت آتی ہیں اور کچھ ریاستیں خالص لبر ٹیرن رائٹ کے تحت آتی ہیں۔ جب امریکہ میں صدارتی الیکشن ہوتا ہے، اگر کبھی موقع ملے تو ٹی وی پر یا کہیں نیوز چینل پر آپ دیکھیے گا کہ نیوز اینکر یہ بتاتا ہے کہ یہ **Blue State** اور یہ **Red State** ہے۔ جتنے بلو اسٹیٹ ہیں وہ سارے لبر ٹیرین لیفٹ کے تحت آتے ہیں اور جتنے ریڈ اسٹیٹ ہیں وہ سارے لبر ٹیرین رائٹ کے تحت آتے ہیں۔ جتنے بھی ریڈ اسٹیٹ ہیں (امریکہ کی لال ریاستیں) ان سب نے اسقاط حمل کے خلاف قانون سازی شروع کر دی ہے۔ میں جس صوبے میں رہتا

ہوں یہاں آنے والے منگل کو صوبے کے گورنر کا الیکشن ہے، اور صوبے کے گورنر کا بنیادی مدا یہی ہے کہ اگر میں گورنر بنا تو اسقاط حمل پر پابندی نہیں لگاؤں گا۔ اچھا اسقاط حمل اتنا بڑا مسئلہ اس لئے بنا ہوا ہے کہ یہاں کی عوام کو کھلے عام زنا کرنا ہے اور جب زناکاری ہوگی تو حمل کے ٹھہرنے کا بھی امکان ہے اور اگر حمل ٹھہرتا ہے تو پھر اسقاط حمل کا مسئلہ ہے، لہذا انھیں اس معاملہ میں آزادی چاہئے۔

بہرحال آپ کہیں بھی رہ رہے ہوں، چاہئے اتھاریٹیرین میں رہ رہے ہوں یا لبرٹیرین میں رہ رہے ہوں آپ رائٹ ونگ کے تحت ہوں یا لفٹ ونگ کے تحت ہوں، بہر صورت ہیں آپ لبرل آئڈیالوجی میں ہی۔ آپ لبرلزم کے تحت ہی زندگی گزار رہے ہیں، چونکہ ان سب کا بنیادی مقصد آزادی اور مساوات ہے کہ ہم اپنی عوام کو قانون کی نظر میں آزادی اور مساوات دینا چاہتے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ مسلمان ان نعروں سے متاثر ہو جاتے ہیں کہ آزادی اور مساوات تو بہت اچھی چیز ہے۔ اسلام نے بھی یہی کہا ہے انسانی حقوق کا پہلا منشور تو حجۃ الوداع کا خطبہ ہے۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا تھا اس میں انسانی حقوق کا پہلا منشور دے دیا تھا، اقوام متحدہ جو منشور دے رہا ہے وہ تو بہت بعد میں دے رہا ہے۔ اور ہم پھر وہی باتیں جو اقوام متحدہ کہہ رہا ہے اسے اٹھا کر آپ ﷺ کی احادیث میں فٹ کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ اقوام متحدہ کا نظام لبرلزم کی بنیاد پر چلتا ہے جبکہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن میں اس لبرلزم کی مذمت ہے۔ اللہ تو لبرلزم کو چیلنج دے رہا ہے۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں یکساں ہو جائیں؟

اب آپ کو مکمل لبرلزم کا بیک گراؤنڈ اور اس کی تاریخ معلوم ہوگئی ہے کہ لبرلزم کیسے چلا اور یہاں تک کیسے پہنچا۔ آئندہ ہفتے ان کا پہلا اصول جس کی بنیاد پر وہ اپنی اخلاقیات طے کرتے جس پر ہر لبرل عمل پیرا ہے، وہ اصول کیا ہے اور ہم اس پر رد کیسے کریں گے، یہ ان شاء اللہ اگلے درس میں بیان ہوگا۔

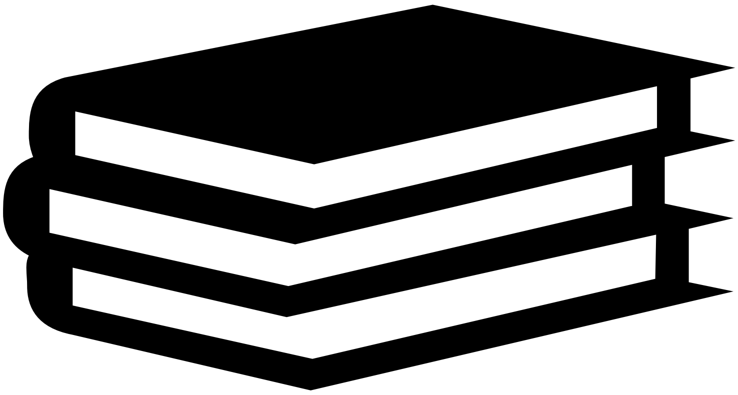

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدہ

درس نمبر :04

لبرلزم (**Liberalism**)

12/نومبر 2022

محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب دامت برکاتہم

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظر ثانی: محمد احمد نوروالا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ و صحبہ أجمعین۔ أما بعد!

ابھی تک لبرلزم سے متعلق جو بھی باتیں آئی ہیں وہ زیادہ تر اس کی تاریخ اور نشرواشاعت کے حوالے سے تھیں۔ اس کے بعد اس کی مختلف تعریفات بھی ذکر کی گئیں اور ان لوگوں کا بھی تذکرہ آیا جنہوں نے دنیا بھر میں لبرلزم کو فروغ دیا۔ گزشتہ سبق میں دو بڑے محرکات یعنی امریکی انقلاب اور فرانسیسی انقلاب کے بارے میں بات آئی تھی کہ امریکی انقلاب کا نتیجہ امریکی دستور ہے اور فرانسیسی انقلاب کا نتیجہ فرانسیسی دستور ہے۔ آج کے سبق میں ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے لبرلزم کرتا کیا ہے؟ یہ نظریہ آخر چاہتا کیا ہے اور ہم اس کا رد کیسے کر سکتے ہیں؟

یہ بات بھی میں آپ کے سامنے واضح کر دوں کہ اگر اس وقت جہاں کہیں بھی لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات ہیں تو اس کی دو ہی بنیادیں ہیں؛ اصل وجہ تو نفسیاتی بیماری ہے اور انسان اس نفسیاتی بیماری کی وجہ سے تشکیکی ذہن کا حامل ہو جاتا ہے، وہ ہر چیز پر شک کرنے لگتا ہے۔ بعض مرتبہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے اوپر بھی شک کرنے لگتا ہے کہ شاید یہ میرے دشمن ہیں۔ کچھ لوگ قریبی رشتہ داروں کے بجائے، مذہب پر، خدا پر، رسول پر شک کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس شک کو دو چیزیں آگے لے کر چلتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب آپ کہیں سفر کریں گے تو آپ کو سواری چاہیئے، ورنہ آپ وہیں کھڑے رہ جائیں گے جہاں پر آپ تھے۔ تو وہ شک کی سواری کون سی ہے؟ شک کی دو سواریاں (بنیادیں) ہیں:

1۔ سائنٹزم (Scientism):

سائنٹزم کے سواری بننے کے لئے سائنس کا تھوڑا بہت جاننا ضروری ہے۔ اگر آپ سائنس بالکل نہیں جانتے تو آپ کو پتہ ہی نہیں ہے کہ سائنٹزم کیا ہے اور وہ کیسے انسان کی غلط رہنمائی کر سکتی ہے۔

2۔ لبرلزم (Liberalism):

البتہ لبرلزم کے سواری بننے کے لئے لبرلزم کا مکمل طور سے جاننا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سی چیزیں جو لبرلزم کے ذریعے معاشرے میں پھیلتی ہیں اسے انسان یہ سمجھ کر قبول کر لیا ہے کہ یہ فطری اور عقلی ہیں، لہذا یہ منصفانہ ہونے کی وجہ سے درست ہیں۔ اور کسی چیز کو فطری، عقلی اور منصفانہ سمجھنے کے لئے کسی اعلی تعلیمی بیک گراؤنڈ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ذرا سی اپنی عقل استعمال کریں بلکہ عقل کو اس کی طرف متوجہ کریں تو بہت ہی آسانی کے ساتھ آپ فطری، عقلی اور منصفانہ چیزوں کا سمجھ سکتے ہیں۔ تو لبرلزم گویا کہ سب سے مضبوط اور سہل الوصول سواری ہے تشکیکی ذہنیت کی یا شکوک وشبہات کی۔ لیکن یہ شکوک وشبہات پیدا کرتی کیسے ہے؟ آج ہم اس کے اوپر گفتگو کریں گے ان شاء اللہ۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ لبرلزم دراصل مغربی اخلاقیات اور Morality کی بنیاد ہے۔ یعنی جو لوگ لبرل ہوتے ہیں وہ لبرلزم سے اپنی اخلاقیات حاصل کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں لبرلزم ہمیں جو کچھ بتارہی ہے وہی اخلاقی ہے اور جس چیز سے یہ نظریہ ہمیں روک رہاہے وہ غیر اخلاقی ہے۔ اب بہت سی مرتبہ لبرلزم کا اسلام کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے، لبرلزم ایک طرف ہے اور اسلام دوسری طرف ہے اور ہم نے لبرلزم کو حق و باطل کا، اخلاقی و غیر اخلاقی قدروں کا پیمانہ اور معیار سمجھا ہوا ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ اسلام کے تعلق سے شکوش وشبہات تو ہونے ہی ہیں۔ آج کے درس میں ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ لبرلزم کے آخر وہ کیا اصول ہیں جن کی بنیاد پر لوگ یہ طے کرتے ہیں کہ کچھ چیزیں اخلاقی ہیں اور کچھ چیزیں غیر اخلاقی ہیں، اور ان اصولوں کے کیا دلائل ہیں اور ہم ان اصولوں کا جواب کیسے دے سکتے ہیں۔

یہ درس اور اس کے بعد والا درس بہت ہی اہم ہے، کیونکہ جب آپ کسی ملحد (Atheist) سے بات کریں گے، کسی تشکیکی ذہن والے (Agnostic) سے بات کریں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ لبرلزم کی تاریخ جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آپ لبرلزم کے اصول جانتے ہیں یا نہیں اور آپ ان کا کیسے جواب دے سکتے ہیں۔ آپ کو اگر یہ بھی نہ پتہ ہو کہ مارٹن لوتھر کون تھا، والٹئیر کون تھا، روسو کون تھا، تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تمام پس منظر اور تاریخی معلومات آپ کو اس لیے دی گئیں تاکہ آپ کے سامنے مکمل پس منظر آجائے کہ چیزیں کہاں سے شروع ہوئیں اور کیسے یہاں تک پہنچی ہیں۔ اصل چیز یہ ہے جو آج ہم درس میں پڑھیں گے۔ آج صرف ایک ہی اصول پر بات ہوگی اور کافی تفصیلی بات ہوگی۔

MOTIVATING LIBERALISM

گزشتہ سبق میں لبرلزم کی سب سے آسان اور مختصر تعریف یہ پیش کی گئی تھی:

LIBERALISM DEFINED: Moral philosophy that promotes maximizing freedom, liberty, equality, autonomy.

لبرزم ایک ایسا اخلاقی فلسفہ ہے جو آزادی، مساوات اور حقِ اختیار کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیتا ہے۔

سوال: لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پوری دنیا لبرل ہو چکی ہے؟ اگر دیکھا جائے تو 99 فیصد لوگ لبرلزم کے شکار ہو چکے ہیں، چاہے وہ اس بات کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ 99 فیصد کچھ زیادہ ہو گیا، چلو ٹھیک ہے آپ 90 فیصد کہہ لیں یا 80 فیصد کہہ لیں، لیکن بہر حال اس دنیا کی اکثریت لبرل ہو چکی ہے، یہ بات تو طے

ہے۔ تو آخر وجہ کیا ہے ؟ کیا چیز لبرل زم کو بڑھاوا دیتی ہے ؟ کیا چیز ہے جو لوگوں کو لبرلزم کے تعلق سے ترغیب دیتی ہے کہ یہی ایک فلسفہ اخلاقیات ہے، اسی سے آپ اپنی اخلاقیات کو سمجھیں؟

جواب:

(الف) اصل میں دو باتیں ہیں جو لوگوں کو لبرلزم کی ترغیب دیتی ہیں۔ **پہلی وجہ درج ذیل ہے:**

A rational approach to morality that does not involve tradition (religious, cultural, etc.)

ترجمہ: اخلاقیات کے لیے ایک ایسا عقلی نقطہ نظر جس میں روایت شامل نہیں ہے (جیسے مذہب، کلچر وغیرہ)۔

اخلاقیات کو سمجھنے کا ایک عقلی طریقہ ہے۔ یعنی عقل کی بنیاد پر ہم طے کرتے ہیں کہ کون سی چیز اخلاقی ہے اور کون سی چیز غیر اخلاقی ہے۔ اس میں مذہب، معاشرہ، تہذیب و ثقافت کی مداخلت نہیں ہوتی۔ لوگ اخلاقیات کو مذہب سے نہیں لیتے۔ چنانچہ جن لوگوں کے لئے مذہب پر چلنا ذرا سا بھی دشوار ہوتا ہے وہ اخلاقیات کو مذہب کے بجائے لبرلزم سے لیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہوئے لیتے ہیں کہ یہ ہی بہتر ہے چونکہ ہم اسے اپنی عقلی بنیادوں پر صحیح طریقہ سے سمجھ پا رہے ہیں۔ ایک عام آدمی کی عقل بہت سی مذہبی باتوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ مثلاً ایک ایسا شخص جس نے علم دین نہیں پڑھا، اس سے آپ یہ کہیں کہ قرآن کریم کا یہ اصول ہے کہ اگر ایک شخص کی موت ہو جاتی ہے اور اس نے اپنے پیچھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑی ہے تو اس کی جائداد کی تقسیم اس طریقہ سے ہو گی کہ لڑکے کو دو تہائی (66٪) اور لڑکی کو ایک تہائی (33٪) ملے گا۔ یہ سن کر اس عام شخص کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ لڑکی کو کم کیوں مل رہا ہے ؟ کیا وہ دونوں اس مرحوم کی اپنی اولاد نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی ماں باپ کی زیادہ خدمت کرتی ہو بلکہ عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ باپ کو اپنی بیٹی سے زیادہ محبت ہو اور بیٹے سے کم ہو، لیکن بیٹے کو زیادہ مال مل رہا ہے اور بیٹی کو کم۔ ایک عام شخص جس کے پاس علم نہیں ہے اسے یہ بات سمجھ نہیں آئے گی، اس کو سمجھانا پڑے گا۔ لیکن وہی عام شخص جب لبرلزم کی طرف دیکھتا ہے تو یہ نظریہ اس عام شخص کو یہ بتایا ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا اگر جائداد کی تقسیم ہو گی تو وہ آدھی – آدھی ہو گی۔ ایسا نہیں ہو گا کہ لڑکے کو زیادہ اور لڑکی کو کم۔ تو وہ فوراً سمجھتا ہے کہ یہ بات تو بالکل صحیح ہے، چونکہ یہی منصفانہ ہے۔ لڑکی بھی اولاد میں وہی درجہ رکھتی ہے جو لڑکا رکھتا ہے، لہذا دونوں کو برابر سرابر ملنا چاہئے۔ تو دیکھیں کہ یہ اخلاقیات کا ایک عقلی نقطہ نظر ہے جس میں کوئی معاشرہ یا مذہب شامل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی عقل چونکہ محدود ہوتی ہے اور مذہب کی تعلیمات کے پیچھے کیا حکمتیں اور علتیں ہیں وہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں، اس لئے وہ بہت جلد لبرلزم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلی وجہ ہے۔

(ب) دوسری وجہ:

Appears to be intuitively appealing and aligned with justice.

ترجمہ: بظاہر پر کشش اور انصاف کے ساتھ منسلک نظر آتا ہے۔

عام طور سے ہمیں ایسا لگتا ہے کہ لبرلزم ہمارے ضمیر کی آواز ہے۔ چونکہ ہر شخص فطری طور پر انصاف پسند ہوتا ہے اور ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس معاشرے میں انصاف لبرلزم کے ذریعہ ہی قائم ہو سکتا ہے۔ وہ اس طریقے سے کہ لبرلزم کی جو تین بنیادیں ہیں؛ آزادی، مساوات اور حق اختیار، بھلا کون ایسا شخص ہے جو یہ تینوں چیزیں اپنے لئے نہ چاہتا ہو؟ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میں خود طے کروں کہ مجھے کیا چاہئے اور کیا نہیں چاہئے، کوئی دوسرا مجھ پر کیوں کچھ بھی مسلط کرے۔ بہر حال ہم یہ سمجھتے ہیں کہ لبرلزم ہمارے ضمیر کی آواز ہے۔ جبکہ مذہب یہ کہتا ہے کہ تم یہ کھاسکتے ہو اور یہ نہیں کھاسکتے، تم یہ پہن سکتے ہو اور وہ نہیں پہن سکتے۔ مذہب یہ بتاتا ہے کہ اگر کسی عورت کی شادی ہو جائے تو خاندان کا سربراہ مرد ہے نہ کہ عورت۔ اب ایک عام شخص سوچتا ہے کہ ایسا کیوں؟ یہ تو مساوات کے خلاف ہے۔ وہ آزادی، مساوات اور حق اختیار کو چونکہ اپنے ضمیر کی آواز سمجھتا ہے، عام طور سے - میں ان لوگوں کی باتیں کر رہا ہوں جن کے پاس مذہب اور مذہبی تعلیمات کی حکمتیں اور علتیں نہیں ہیں - یہی وجہ ہے کہ وہ بہت جلد لبرلزم کا شکار ہو جاتا ہے اور بہت سے مسائل میں وہ لبرلزم کو اسلام کے خلاف پاتا ہے اور اسلام کے تعلق سے وہ شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو یہ دو وجوہات ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ عام لوگوں کو کیسے یقین دلائیں گے کہ اسلام لبرلزم کے مقابلہ میں زیادہ انصاف پسند ہے، زیادہ عقلیت پسند ہے اور ضمیر کی آواز کے زیادہ قریب ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ یقین آپ صرف تعلیم اور بیداری کے ذریعہ ہی دلا سکتے ہیں۔ لیکن اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس بات کی تعلیم دیں کہ وہ قرآن، سنت اور اجماعِ امت کے ساتھ چلیں۔ صرف قرآن و سنت کو لے کر چلنا کافی نہیں ہے۔ چونکہ احادیث اور آیات قرآنی کی سمجھ میں کافی اختلافات بھی ہوئے ہیں لیکن جب کسی آیت کی سمجھ پر اجماع ہو جائے، یا سنت کی کسی تطبیق و فہم پر اجماع ہو جائے تو اب اس سے ہٹ کر چلنا ناجائز ہے۔ تو قرآن، سنت اور اجماع پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے، لوگوں کے اندر اس تعلق سے بیداری پیدا کرنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو آپ یہ بھی بتائیں کہ لبرلزم چند انسانوں کا بنایا ہوا ایک نظام ہے اور انسان بھی وہ جو کامل نہیں تھے، جن کی زندگی کے اندر بہت سارے نقائص تھے۔ ان میں سے بہت سے خدا کو نہیں مانتے تھے، بہت سے دن رات شراب پیتے تھے، لڑکیوں کے پیچھے پڑے رہتے تھے، فحاشی کرتے تھے، معاشرے میں اخلاقی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ایسے انسانوں کا بنایا ہوا نظان ہے۔ اس نظام کے غلط ہونے کا امکان زیادہ ہے بنسبت کسی دوسرے نظام کے۔ لہذا جب بھی لبرلزم اور اسلام کی تعلیمات کے درمیان کو تضاد نظر آئے تو آپ لبرلزم کو شک کی نگاہ سے دیکھیں نہ کہ قرآن و سنت

اور اسلامی تعلیمات کو۔ جب آپ لوگوں کا یہ ذہن بنادیں گے کہ اگر آپ کو شک کرنا ہے تو لبرلزم پر کیجیے نہ کہ قرآن و سنت پر، تو ان کے لئے پھر لبرلزم کو سمجھنا اور اس کو رد کرنا اور قرآن و سنت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

The Golden Rule

سنہرا اصول

یہ ہے سب سے پہلا اصول، لبرلزم کی اخلاقیات کی پہلی بنیاد۔ یاد رکھیں کہ یہ لبرلزم کی پہلی بنیاد تو ہے لیکن یہ کوئی اکلوتی بنیاد نہیں ہے، اس کے علاوہ اور بھی بنیادیں ہیں۔ اور اس کا نام بھی ہے **The Golden Rule** یعنی سنہرا اصول۔ اصل بات یہ ہے کہ مغربی تہذیب کو چلانے والے لوگ خوبصورت نعرے دینے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے جب یہ اصول اس طور پر پیش کریں گے کہ یہ ایک سنہرا اصول ہے **Golden Rule** ہے تو لوگ تو متاثر ہوں گے ہی کہ واقعی یہ بڑا سنہرا اصول ہے، نام ہی گولڈن ہے۔ لیکن یہ کتنا گولڈن ہے؟ یہ آگے پتہ چل جائے گا۔ مغربی تہذیب اور لبرلزم کے اخلاقیات کی بنیاد یہ اصول ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر یہ طے ہوتا ہے کہ کون سی چیز اخلاقی ہے اور کون سی چیز غیر اخلاقی ہے۔

The Golden Rule is the principle of treating others as one wants to be treated.

A- Treat others as you would like others to treat you (positive or directive form)

B- Do not treat others in ways that you would not like to be treated (negative or prohibitive form)

ترجمہ: **Golden Rule** کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جیسا کہ آپ دوسروں سے چاہتے ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ سلوک کریں۔

یہ **Golden Rule** کا مختصر مفہوم ہے۔ لیکن اس کو مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے کہا جا سکتا ہے۔ دونوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جیسا آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کے ساتھ معاملہ کریں۔

(مثبت یا ہدایتی شکل)۔

(ب)دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جو آپ اپنے لیے پسند نہیں کرتے (منفی یا ممنوعہ شکل)۔

اگر ہم اسے اپنے الفاظ میں سمجھنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو آپ اپنے لئے پسند کر رہے ہیں وہی آپ دوسروں کے لئے پسند کریں۔ تبھی تو مساوات ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اصول مساوات کی بنیاد ہے کہ ہم ہر انسان کو اپنے برابر سمجھتے ہیں اور میں دوسرے کے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ مثلاً میں خود کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے انصاف ملے تو میں دوسرے کے لئے بھی یہی پسند کرتا ہوں کہ اسے بھی انصاف ملے۔ میں اپنے کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے آزادی ملے تو میں دوسرے کے لئے بھی یہی پسند کرتا ہوں کہ اسے بھی آزادی ملے۔ اگر ایک مرد آزاد رہنا چاہتا ہے تو اسے یہ بھی پسند کرنا ہوگا کہ عورت بھی آزاد رہے۔ ایک مرد عورت کے برابر آنا چاہ رہا ہے تو وہ عورت کے تعلو سے بھی یہ سوچے کہ وہ بھی مرد کے برابر آئے، اس طریقہ سے مرد و عورت کے درمیان مساوات قائم ہو جاتی ہے۔ بہر حال مساوات کی بنیاد یہ گولڈن رول ہے کہ ہر چیز کے اندر برابری ہونی چاہیئے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ گولڈن رول جو اوپر ذکر کیا گیا، یہ بظاہر ایسے الفاظ ہیں جو ایک حدیث کا ترجمہ بھی ہے۔ اسی لیے بہت سے لوگ اسے یہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں کہ حدیث میں بھی تو اسی طرح کی بات ملتی ہے۔ اور صرف احادیث میں ہی نہیں بلکہ دیگر مذاہب میں بھی یہ بات ملتی ہے۔ اصل تو ہمیں یہ دکھنا ہے کہ حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے، لیکن اس سے پہلے ہم دیگر مذاہب کی تعلیمات بھی دیکھ لیتے ہیں:

<u>Buddhism:</u>

Treat not others in ways that you yourself would find hurtful.

The Buddha, Udana-Varga 5.18

<u>Christianity:</u>

In everything, do to others as you would have them do to you; for this sums up the law and the prophets.

Jesus, Matthew 7:12

<u>Confucianism:</u>

One word which sums up the basis of all good conduct....loving- kindness. Do not do to others what you do not want done to yourself.

Confucius, Analects 15.23

<u>Hinduism:</u>

This is the sum of duty: do not do to others what would cause pain if done to you.
Mahabharata 5:1517

بدھمت: دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جس کو آپ اپنے لیے تکلیف دہ محسوس کریں۔ بدھا، اُداناور گا 5.18

عیسائیت: ہر چیز میں دوسروں کے ساتھ آپ ایسا معاملہ کریں جو آپ دوسروں سے خود اپنے لیے چاہتے ہیں۔ یہی قانون اور تمام انبیاء کی سیرت کا خلاصہ ہے۔ یسوع، متی 7:12

کنفیوشن ازم: (یہ بھی ایک مذہب ہے اور اس کے ماننے والے چین وغیرہ میں موجود ہیں) ایک لفظ جو تمام اچھے اخلاق یا تعامل کی بنیاد ہے؛ محبت اور نرم خوئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ وہ نہ کرو جو آپ اپنے ساتھ ہونا نہیں چاہتے۔

کنفیوشس، اینالیکٹس 15.23

ہندومت: ذمہ داریوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا نہ کرو جو اگر تمہارے ساتھ کیا جائے تو تمہیں تکلیف ہو۔ مہابھارت 5:1517

اس سے اندازہ ہو گیا کہ مختلف مذاہب اسی طرح کی بات کہتے چلے آرہے ہیں۔ اب ان مذاہب میں جو بات کہی گئی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے وہ ان مذاہب والے جانیں۔ ہمیں بحث اس سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔

اسلام:

آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (رواه البخاری ومسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (متفق علیہ)

اب سوال یہ ہے کہ مایحب لنفسه سے مراد کیا ہے؟ میں اپنے لیے کیا پسند کر سکتا ہوں؟ کیونکہ مجھے اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرنا ہے جو میں اپنے لیے پسند کروں گا تو کیا شریعت مجھے بتاتی ہے کہ میں اپنے لئے کیا پسند کر سکتا ہوں؟ جی ہاں! ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ما يحب لنفسه: أي من الخير، والخير كلمة جامعة تعم الطاعات والمباحات الدنيوية والأخروية، وتخرج المنهيات؛ لأن اسم الخير لا يتناولها(فتح الباري)۔

مایحب لنفسه سے مراد ہے **خیر**۔ یعنی میں اپنے لیے صرف خیر کی چیز پسند کر سکتا ہوں، شر کی چیز پسند نہیں کر سکتا۔ شریعت نے ہمیں ایک ضابطہ دے دیا۔ پسند کرنا ہے تو خیر کی چیز ہی پسند کرنا ہے۔ اب خیر سے مراد کیا ہے؟ ابن حجر

عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: والخير كلمة جامعة تعم الطاعات والمباحات الدنيوية والأخروية، وتخرج المنهيات؛ لأن اسم الخير لا يتناولها۔ خیر ایک جامع لفظ ہے جس میں تمام طاعات (عبادات)، تمام مباحات چاہے وہ دنیوی ہوں یا پھر اخروی وہ سب کے سب شامل ہیں اور تمام طرح کی منہیات (جن چیزوں سے شریعت روکتی ہے) اس سے باہر ہیں۔ لہٰذا اس تشریح سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ "ما يحب لنفسه" میں جو "ما" ہے اس سے مراد صرف اعمالِ خیر ہیں۔ یعنی میں اپنے لئے صرف خیر کی چیز پسند کر سکتا ہوں، شر کی چیز پسند نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ وہ چیز میرے لئے خیر ہے تو اس میں میرے دینی بھائی کے لئے بھی خیر ہو گی، لہٰذا وہی چیز میں اس کے لیے بھی پسند کروں۔

حدیث مبارکہ اور سنہرے اصول کے درمیان فرق

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اور گولڈن رول کے درمیان فرق کیا ہے۔

1. Hadith: equal treatment between eligibles with the good.

Golden rule: equal treatment is good.

2. Source of Morality but no guidance of what is good and bad. (Empty cup)

فرق یہ ہے کہ گولڈن رول جو لبرلزم نے دیا ہے وہ ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ کون سی چیز خیر ہے۔ جبکہ حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دو اہل افراد کے درمیان برابری کی سطح پر معاملہ ہو گا وہ دراصل حدیث کی تعلیم ہے۔

اس میں کچھ قیود بھی ہیں؛ ایک یہ کہ دونوں افراد اس خیر کو وصول کرنے کے اہل ہوں۔ دوسرے یہ کہ جو چیز پسند کی جا رہی ہے وہ خیر ہو۔ ہمیں یہ اہلیت کیسے پتہ چلی؟ اس کا علم ہمیں حدیث کے لفظ "لأخيه" سے ہوا۔ "لأخيه" کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ سامنے والا بھی اس خیر کو وصول کرنے کا اہل ہونا چاہیے۔ اگر وہ اہل نہیں ہے تو جو چیز آپ اپنے لیے پسند کر رہے ہیں وہ آپ اس کے لئے پسند نہیں کر سکتے۔ لیکن گولڈن رول یہ بتاتا ہے کہ برابری کا معاملہ ہی خیر ہے۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔ حدیث تو یہ بتاتی ہے کہ خیر کے ساتھ دو اہل افراد کے درمیان برابری کا معاملہ ہونا چاہئے، جبکہ گولڈن رول یہ بتاتا ہے کہ برابری کا معاملہ ہی اچھائی ہے۔ اب وہ برابری کا معاملہ چاہے جیسا بھی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ گولڈن رول نے آپ کو ایک خالی گلاس دیا ہے۔ اب اس خالی گلاس میں آپ جو چاہے بھر لیں، آپ چاہے تو اس میں دودھ ڈالیں، شراب ڈالیں یا پھر پانی، یہ آپ کی مرضی ہے۔ لیکن حدیث آپ کو خالی گلاس نہیں دیتی۔ حدیث آپ کو دودھ سے بھرا ہوا گلاس دیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ دودھ کا گلاس تم دونوں بھائی پس میں مل جل کر پیو، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ جو گولڈن رول ہے یہ وہی بات ہے جو حدیث کے اندر کہی جا رہی ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ حدیث کچھ اور ہی کہہ رہی ہے اور گولڈن رول کچھ اور کہہ رہا ہے۔ گولڈن رول نے اس برابری کو ہی خیر کہا ہے لیکن حدیث مطلقاً ٹریٹمنٹ کو خیر نہیں کہہ رہی ہے بلکہ خیر کے ساتھ ٹریٹمنٹ کو اچھا کہہ رہی ہے بشرطیکہ دونوں افراد اہل بھی ہوں۔ اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

گولڈن رول کے دلائل اور ان پر نقد

اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو لبرلزم کے حق میں دیئے گئے ہیں۔ ایک کتاب ہے **ETHICS 101**، یہ کتاب 2005 آئی ہے۔ اور امریکہ کے مشہور ترین مصنف **JOHN C. MAXWELL** نے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ اتنا مشہور ترین مصنف ہے کہ اس کی 24 ملین سے زائد کتابیں فروخت ہو چکی ہیں، اتنا زیادہ اس شخص کو پڑھا گیا ہے۔ یہ شخص اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ گولڈن رول کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر قبول کیا جانا چاہیے:

IN ETHICS 101 (2005), JOHN C. MAXWELL CLAIMS THAT THE GOLDEN RULE SHOULD BE ACCEPTED FOR THE FOLLOWING REASONS (PP. 18-23):

1 **THE GOLDEN RULE IS ACCEPTED BY MOST PEOPLE.**
2 **THE GOLDEN RULE IS EASY TO UNDERSTAND.**
3 **THE GOLDEN RULE IS A WIN-WIN PHILOSOPHY.**
4 **THE GOLDEN RULE IS A COMPASS WHEN YOU NEED DIRECTION.**

THEREFOR GOLDEN RULE SHOULD BE ACCEPTED.

ا۔ اکثر لوگ گولڈن رول کو قبول کر لیتے ہیں۔

یہ پہلی وجہ ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں کسی سے بھی پوچھ لیں کہ کیا آزادی اچھی چیز ہے؟ جواب ملے گا، ہاں۔ کیا دوسرے کو بھی آزادی دینا چاہو گے؟ ہاں! کیا انصاف اچھی چیز ہے؟ ہاں! ہر آدمی اس کو قبول کرتا ہے، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہے، کسی کو اس سے پریشانی ہے، کسی کو2 اس سے نقصان نہیں ہے۔ اس لیے ہر ایک آدمی اس کو قبول کر سکتا ہے۔

۲۔ گولڈن رول کو سمجھنا بہت آسان ہے۔

اگر آپ کسی سے کہیں گے کہ جو تم اپنے لئے پسند کر رہے ہو وہی دوسرے کے لئے بھی پسند کرلو، یہ تو دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے۔ اس میں کوئی فلسفہ اور پیچیدگی نہیں ہے کہ اس کو سمجھا کیسے جائے۔

۳۔ اس نظریہ میں جس جیت ہی جیت ہے، ہار ہے ہی نہیں۔

اس نظریے کو اپنا کر کوئی بندہ ہارتا نہیں ہے۔ جب آپ کہہ رہے ہیں کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ کیونکہ تم خود اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی دوسرا تمہیں نقصان پہنچائے، ظاہر ہے کہ جب ہر ایک شخص اس بات پر عمل کرے گا تو کوئی بھی کسی کو نقصان نہیں پہچائے گا۔ اس لیے اس نظریے میں ہر کسی کی جیت ہے، کسی کا بھی نقصان نہیں ہے۔

۴۔ گولڈن رول ایک کمپاس (قطب نما) ہے جو آپ کو جہت کی رہنمائی کرتا ہے۔

اگر آپ جنگل میں ہیں اور آپ کے پاس قطب نما موجود ہے، آجکل تو سمارٹ فون میں آجاتا ہے، آپ نے وہ ایپ کھولی قطب نما دیکھا قبلہ دیکھا اور نماز پڑھ لی۔ تو قطب نما یا کمپاس بہت اہم چیز ہے۔ اسی طرح آپ اگر کسی ایسی صورت حال میں ہیں کہ تذبذب میں پڑ گئے ہیں کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں، یہ کام کرنا میرے لیے اچھی بات ہے یا نہیں ہے، ایسی صورت حال میں یہ گولڈن رول آپ کی رہبری اور ہنمائی کرے گا۔ وہ اس طرح کہ آپ یہ سوچیں کہ اگر میں یہ کام کروں گا تو اس سے سامنے والے کو نقصان ہو سکتا ہے، یہی کام اگر سامنے والا کرتا تو مجھے نقصان ہو گا۔ اور چونکہ میں اپنا نقصان پسند نہیں کرتا لہٰذا مجھے دوسرے کو بھی نقصان نہیں پہنچانا چاہئے، تو میں وہ کام نہیں کروں گا۔ یہ دیکھیے! اس گولڈن رول نے قطب نما کا کام کیا اور آپ کو اس کام کے کرنے سے روک دیا۔

ان چار وجوہات کی بنا پر سنہرے اصول کو قبول کیا جانا چاہیے۔ اس تعلق سے لبرلز اور ماہر نفسیات ایک اور لفظ استعمال کرتے ہیں اور وہ ہے (RECIPROCITY) جس کا مطلب ہے "باہمی تبادلہ" باہمی لین دین، ایک ہاتھ لو اور ایک ہاتھ دو۔ یعنی گولڈن رول کو آپ (RECIPROCITY) بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ جیسا میں تمہارے ساتھ معاملہ کروں ویسا ہی تم بھی میرے ساتھ معاملہ کرو۔ یہ لفظ میں نے اس لیے لکھا ہے کہ آگے میں اس پر بات کروں گا۔

CRITICISM

گولڈن رول سمجھ آجانے کے بعد اب ہم اس پر نقد کریں گے کہ کیوں گولڈن رول گولڈن نہیں ہے۔ ایک مضمون ہے THE GOLDEN RULE IN NOT SO GOLDEN ANY MORE اس کے مصنف اسٹیفن انڈرسن نے اس کا عنوان ہی یہ رکھا ہے کہ "گولڈن رول اب اتنا بھی گولڈن نہیں ہے" یعنی اتنا بھی اچھا نہیں ہے کہ ہر آدمی اس کو اچھا سمجھ رہا ہے۔ مصنف نے بڑے تفصیل کے ساتھ اس پر نقد کیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس مصنف کا نقد بیان کیا جائے میں اپنا نقد ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف ابھی میں نے اشارہ کیا تھا(Source of Morality but no guidance (of what is good and bad. Empty cup) وہ یہ کہ گولڈن رول اگرچہ لبرلز کے نزدیک اخلاقیات کی بنیاد ہو لیکن گولڈن رول آپ کو یہ نہیں بتاتا کہ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے۔ مثلاً وہ شخص جو اپنی زندگی میں بہت ہی پریشان ہے اور وہ اپنے لئے خودکشی کو پسند کرتا ہے، تو کیا اسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے لئے بھی خودکشی پسند کرے؟ ہر وہ آدمی جو دنیا سے عاجز آگیا ہو، جس کی زندگی میں پریشانیاں ہوں وہ ہر ایک کو یہ کہے کہ چونکہ میں خودکزی پسند کرتا ہوں لہذا آپ بھی یہی کریں۔ ہو سکتا ہے کہ سامنے والے کی زندگی میں اگرچہ بہت سے مصائب ہوں لیکن وہ شخص مظبوط اعصاب رکھتا ہے، اس کے پاس صلاحیت ہو ان مصائب سے نمٹنے کی، ہو سکتا ہے کہ وہ شخص عقلی اور دماغی اعتبار سے آپ سے زیادہ طاقتور ہو۔ آپ اپنے لئے تو خودکشی پسند کر سکتے ہیں، لیکن دوسروں کے لئے نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر آپ گولڈن رول کو اپنی زندگی کے اندر لے کر آئیں تو جس طرح آپ اپنے لئے خودکشی پسند کر رہے ہیں اسی طرح دوسروں کے لئے بھی کر سکتے ہیں اور یہ چیز اخلاقیات کے بالکل مطابق ہو گی۔

لیکن اگر آپ حدیث پر عمل کریں گے تو آپ اپنے لئے خودکشی کبھی پسند ہی نہیں کر سکتے، چہ جائے کہ آپ دوسروں کے لئے کریں۔ کیونکہ حدیث یہ بتاتی کہ ایک دوسرے کے ساتھ صرف خیر کا معاملہ کر سکتے ہیں لیکن گولڈن رول آپ کو یہ کبھی نہیں بتائے گا کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے، وہ صرف یہ بتائے گا کہ برابری کا معاملہ کرنا ہے۔ یہ اس رول میں بنیادی خرابی ہے۔ خلاصہ یہ کہ گولڈن رول کے مطابق صرف برابری کا معاملہ کرنا اچھا ہے، چاہے وہ برابری کا معاملہ کسی بھی چیز میں ہو۔

Negative Golden Rule

جیسا کہ شروع میں بات آئی تھی کہ گولڈن رول مثبت انداز میں بھی کہے جاسکتے ہیں اور منفی انداز میں بھی کہے جاسکتے ہیں۔ منفی گولڈن رول یہ تھا: **Do not treat others in ways that you would not like to be treated**

دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جو آپ دوسروں سے اپنے لیے ناپسند کریں۔

اب اس میں خرابی کیا ہے؟ خرابی سمجھنے سے پہلے ایک اور بات ذہن نشین کر لیں؛ وہ یہ کہ کسی بھی منفی حکم کو نافذ کرنا کسی مثبت حکم کے نافذ کرنے کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے۔ کیسے؟ مثال کے طور پر ایک شخص کے بچے آپس میں لڑ رہے ہیں اور وہ شخص بحیثیت والد یا والدہ کے یہ کہے کہ "آپس میں مت لڑو، الگ الگ ہو جاؤ"۔ بچے الگ الگ ہو جائیں اور لڑائی ختم کر دیں اور اس طرح جھگڑا ختم ہو جائے۔ یہ ایک صورت ہے، اور یہ منفی انداز کا حکم ہے۔ اس کا مثبت حکم یہ ہے کہ وہ شخص اپنے بچوں سے کہے کہ "ایک دوسرے کے ساتھ عزت اور شفقت کے ساتھ پیش آؤ"۔ ابھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور آپ یہ حکم دے رہے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ عزت و شفقت کے ساتھ پیش آؤ، یہ ان کے لئے کرنا بہت مشکل ہو گا۔ یہ تو آسان ہو گا کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور نہ لڑیں، لیکن فوری طور پر ایک دوسرے سے شفقت و محبت سے پیش آنا بہت مشکل ہو گا۔ اس عام مثال سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مثبت ضابطوں کو نافذ کرنا مشکل ہوتا ہے جبکہ منفی ضابطوں کو نافذ کرنا آسان ہے مثبت کے مقابلہ میں۔ اب ہم منفی گولڈن رول کی خرابی دیکھتے ہیں۔

منفی گولڈن رول: دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جو آپ اپنے لیے ناپسند کریں۔

آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ دوسرا آپ کو نقصان پہنچائے تو آپ دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اگر ہم اس منفی گولڈن رول کو دیکھیں تو ہماری کم سے کم ذمہ داری کیا ہے؟ مثل کے طور پر آپ کا ایک پڑوسی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ پڑوسی بہت پریشانی کا شکار ہے، اس کے یہاں فاقے چل رہے ہیں، بیماریاں ہیں، کھانے کو دانہ نہیں ہے، لیکن آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی مدد کرنا میری ذمہ داری تو نہیں ہے، کھانے کو دانہ نہیں ہے تو یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی قسمت میں دانہ نہ لکھا ہو، اس لئے اس کے یہاں فاقہ چل رہے ہوں۔ میں نے ابھی تک اس کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، میں نے اس کا کھانا نہیں چھینا ہے۔ اور نہ ہی میں اس کا کھانا چھینوں گا، میری طرف سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہو گا، بس میں اس کو نظر انداز کرتا ہوں، یعنی میں اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا، اور جب آپ توجہ ہی نہیں دیں گے تو نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ نقصان پہنچانے کے لئے بھی تو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ محض توجہ نہ دے کر اور اس کو مرتا ہوا چھوڑ کر آپ منفی گولڈن رول کے

مطابق آپ اخلاقیات کی اعلیٰ ترین سطح پر ہیں۔ چونکہ آپ نے دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ آپ خود نہیں چاہتے کہ کوئی دوسرا آپ کو نقصان پہنچائے۔ دوسرے کو نقصان نہ پہنچانے کا طریقہ آپ نے یہ نکالا کہ میں اس کو نظر انداز کرتا ہوں۔ تو سامنے والے کو نظر انداز کر کے آپ اپنی ذمہ داری پوری کر کے منفی گولڈن رول پر عمل کر سکتے ہیں اور اس طرح آپ اخلاقیات کی اعلیٰ ترین سطح پر فائز ہو سکتے ہیں۔

اب آپ مجھے بتائیے کہ دنیا کا کون سا عقلمند انسان ہے جو آپ کو یہ کہے کہ ایسے پروسی کو نظر انداز کر کے اسے مرتا ہوا چھوڑ دو، چونکہ تم اسے نہیں مار رہے ہو، لہذا اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے اور تم پھر بھی با اخلاق ہو۔ یہ ہے منفی گولڈن رول کی حقیقت۔ یہ ہے لبرلزم۔ چونکہ ان کے اصول انسان کے بنائے ہوئے ہیں، اس لیے ذرا ذرا سی بات پر ٹوٹ جاتے ہیں۔

مثبت گولڈن رول(Positive Golden Rule)

مثبت گولڈن رول یہ تھا: آپ دوسروں کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو آپ دوسروں سے چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ کریں۔ اس میں کیا خرابی ہے؟ اس میں متعدد خرابیاں ہیں۔

پہلی خرابی:

اس میں سب سے پہلی خرابی یہ ہے کہ آپ دوسرے کو اپنے معیار پر لے کر آتے ہیں۔ گویا کہ آپ خود ہی معیار ہیں اور دوسرے کو اپنے معیار پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بھئی دوسرا آپ کے معیار پر کیوں آئے؟ مثلاً آپ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، کوئی زیادہ مالدار نہیں ہیں، لیکن کام ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ لیکن آپ کا ایک دوست ہے جو امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس کے پاس جائداد بھی، گاڑی بھی ہے لیکن اسے کسی وجہ سے اس کا چند کروڑ روپے کا نقصان ہو گیا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے گھر میں فاقے نہیں شروع ہوئے چونکہ وہ مالدار آدمی ہے، ہاں نقصان بہت ہوا ہے، اور اس نقصان کی وجہ سے وہ ڈپریشن کا شکار ہے۔ آپ اس کے اس نقصان کے باوجود مال کے اعتبار سے اس سے کم ہیں، چونکہ آپ مڈل کلاس ہیں۔ اب آپ یہ سوچیں کہ میری یہ اخلاقی ذمہ داری نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ کوئی اچھا معاملہ کروں، میں اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کروں۔ کیونکہ وہ میرے معیار پر ہے ہی نہیں، وہ تو میرے معیار سے بلند ہے۔ اتنے نقصان کے باوجود بھی وہ امیر ہے، میں اس کے مقابلے میں غریب ہوں۔

اگر وہ میرے معیار پر ہوتا تو میں اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا۔ کیونکہ اگر میرا نقصان ہو گا تو میرے گھر میں تو فاقے پڑ جائیں گے، یہ ہے اصل نقصان، لہٰذا میں چاہوں گا کہ لوگ میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کریں۔ اس کے یہاں فاقے نہیں پڑے اگرچہ کروڑوں کا نقصان ہو گیا، لہٰذا وہ میری ہمدردی کا مستحق نہیں ہے۔ چونکہ میں ہمدردی کا مستحق نہیں ہوں۔ میں ہمدردی کا مستحق اس لیے نہیں ہوں کہ میرے یہاں فاقے نہیں پڑ رہے اور اس کے یہاں بھی فاقے نہیں پڑ رہے لہٰذا ہم دونوں ایک دوسرے کی ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسرا ہمدردی کا مستحق ہے کیونکہ اس کا کروڑوں کا نقصان ہوا ہے۔

جب آپ مثبت گولڈن رول کو اپنی زندگی میں نافذ کرتے ہیں تو گویا کہ آپ اپنے آپ کو معیار بناتے ہیں۔ آپ دوسرے کا معیار نہیں بناتے ۔ آپ کو صرف اپنا درد محسوس ہوتا ہے، دوسرے کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ آپ کو اپنی خوشی، خوشی لگتی ہے دوسرے کی نہیں۔ چونکہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں معیار ہوں لہٰذا میں اسی وقت کسی کے ساتھ ہمدردی کروں گا جب مجھے یہ محسوس ہو کہ میرے ساتھ ہمدردی کی جانی چاہئے۔ اور فی الحال مجھے محسوس نہیں ہو رہا ہے کیونکہ اس کے یہاں فاقے نہیں ہیں، میرے یہاں تو چند ہزار کا نقصان ہو جاتا تو فاقے پڑ جاتے، لہٰذا اس کو ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت میں اس کو ضرورت ہے۔ اب سول یہ ہے کہ سامنے والا آپ کے معیار پر کیوں اترے؟ آپ کے بااخلاق ہونے کے لئے سامنے والے کو آپ کے معیار پر اترنا پڑے گا، یہ ہے مثبت گولڈن رول کا پہلا نقصان۔

دوسری خرابی:

نہ صرف یہ کہ دوسرا بندہ آپ کے معیار پر اترے بلکہ آپ ہی معیار ہوں، MAKE YOURSELF A STANDARD. آپ ہی اپنے آپ کو معیار بنائیں کہ میری جو خواہش ہے وہ معیار ہے۔ میری جو مرضی ہے وہ معیار ہے۔ اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

پہلی مثال: ایک لفظ ہے میسوچسٹ (MASOCHIST)، میسوچیزم (MASOCHISM) ایک خاص اصطلاح ہے۔ علم نفسیات میں ایک رویہ ہے جس پر بحث کی جاتی ہے، وہ رویہ یہ ہے کہ کچھ لوگ جنسی عمل کے دوران خود پر تشدد کئے جانے کو پسند کرتے ہیں۔ یعنی ان کو جنسی عمل کے دوران جب تکلیف دی جاتی ہے تو انہیں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو میسوچسٹ (MASOCHIST) کہتے ہیں۔ اب ایک میسوچسٹ یہ کہتا ہے کہ چونکہ مجھے جنسی عمل کے دوران خود پر تشدد کیا جانا پسند ہے، لہٰذا مجھے یہ پسند ہے کہ جنسی عمل کے دوران تمہارے اوپر بھی تشدد کیا جائے۔ جبکہ سامنے والے کو یہ رویہ بالکل پسند نہیں ہے لیکن چونکہ آپ نے خود کو ہی معیار بنا لیا ہے تو آپ اپنے معیار کے مطابق سامنے والے کو پرکھیں گے۔ اب اگر ایک شخص میسوچسٹ ہے، نفسیاتی مریض ہے اور جنسی عمل کے دوران اپنے اوپر تشدد کئے جانے کو پسند کرتا ہے، لیکن یہ

ضروری تو نہیں ہے کہ اس کا پارٹنر بھی جنسی عمل کے دوران تشدد کئے جانے کو پسند کرے، یہ تو اس کے اوپر ظلم ہو گا۔ لیکن اگر آپ مثبت گولڈن رول کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ بالکل انصاف کے مطابق ہے، بلکہ اخلاقی چیز ہے۔ آپ اپنے اوپر تشدد کروائیں اور وہ اپنے اوپر تشدد کروائے۔ اگر چہ کہ سامنے والے کو یہ پسند نہیں ہے لیکن چونکہ آپ نے خود کو ہی معیار بنالیا ہے لہذا گولڈن رول کے مطابق یہ بات بالکل درست ہے۔

دوسری مثال؛ ٹارچر(TORTURE)۔ ٹارچر کا مطلب ہے عام تشدد۔ مثلاً آپ یہ کہیں کہ میرا تم پر تشدد کرنا برا نہیں ہے کیونکہ میں حق پر ہوں، (یہاں تک تو بات صحیح ہے) لہذا تمہارا میرے اوپر تشدد کرنا برا نہیں ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر دو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے اوپر تشدد کر رہے ہوں اور ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، تو آپ فیصلہ کیسے کریں گے؟ اگر گولڈن رول کو نافذ کیا جائے تو دنیا میں کوئی بھی تشدد باطل ہو ہی نہیں سکتا۔ سارا تشدد حق ہو گا۔ جہاں جہاں بھی تشدد ہو رہا ہے اس کو حق ہی کہا جائے گا چونکہ دونوں پارٹیاں اپنے کو حق پر سمجھ رہی ہیں اور ایک دوسرے پر تشدد کر رہی ہیں اور ہر ایک دوسرے کے تشدد کو درست بھی سمجھ رہا ہے۔

چنانچہ اگر آپ مثبت گولڈن رول پر چلیں گے تو مذکورہ دونوں مسائل پیش آئیں گے اور آپ کو وہ دونوں درست تسلیم کرنا ہوں گے۔ جبکہ دنیا کا کوئی بھی عقلمند انسان جس میں ذرہ برابر بھی عقل ہے وہ ان چیزوں کا درست نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن بہر حال گولڈن رول کا نتیجہ یہی نکلے گا۔

تیسری خرابی:

اوپر ایک لفظ آیا تھا RECIPROCITY ریسی پروسٹی یہ ایک لفظ پورے گولڈن رول کا خلاصہ ہے، جس کے معنی ہیں "تبادلہ باہمی"۔ انگلش میں ایک کہاوت ہے YOU SCRATCH MY BACK AND I'LL SCRATCH YOURS جس کا مطلب ہے تم میری کمر کھجاؤ میں، تمہاری کمر کھجاتا ہوں۔ نیچے تصویر میں آپ دیکھ سکتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی کمر کھجا رہے ہیں۔ یعنی برابری کا معاملہ۔ یہی ہے RECIPROCITY تبادلہ باہمی۔ ایک ہاتھ لو، ایک ہاتھ دو۔ یہی دراصل پورے گولڈن رول کا خلاصہ ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہم اس رول کو خاندانی زندگی کے اندر اپلائی کریں تو کیا خاندانی زندگی چل سکتی ہے؟ بالکل بھی نہیں! اس کی ایک مثال دیتا ہوں؛ آپ پورے دن کے تھکے ہارے شام میں گھر لوٹے پورا دن آپ کا بڑی

مصروفیت میں گزرا، محنت مشقت کر کے آپ گھر پہنچے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں آدمی چاہتا ہے کہ وہ تھوڑا آرام کرے، اس کو خاموش وقت چاہیے۔ لیکن بیوی پورے دن سے آپ کا انتظار کر رہی تھی، اس کے پاس بہت ساری کہانیاں جمع ہو گئی تھیں آپ کو سنانے کے لیے، وہ انتظار میں تھی کہ کب میاں صاحب گھر آئیں اور کب میں ساری کہانیاں سناؤں۔ آپ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، زوجہ محترمہ ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور وہ شروع ہو گئیں۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں؛ پہلی صورت تو یہ ہے کہ آپ اپنے لئے جو پسند کر رہے ہیں وہی بیوی کے لئے بھی پسند کریں۔ فی الحال آپ کیا پسند کر رہے ہیں؟ فی الحال آپ خاموشی اور سکون چاہتے ہیں تو بیوی کے لئے بھی آپ یہی پسند کریں کہ وہ خاموش رہے۔ آپ اس سے کہیں کہ مجھے بات نہیں کرنی ہے، میں خاموشی چاہتا ہوں لہذا تم بھی خاموش ہو جاؤ۔

دوسری صورت بیوی کے نقطہ نظر سے ہے۔ وہ یہ کہ بیوی یہ چاہتی ہے کہ گفتگو کرے لہذا اس کے معیار کے مطابق وہ شوہر کے لئے بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ بھی بات چیت کرے۔ بیوی کہتی ہے کہ چونکہ مجھے اسوقت گفتگو کرنا پسند ہے لہذا آپ بھی کریں۔ اگر یہ معاملہ روز روز پیش آئے تو شادی کا ٹوٹ جانا طے ہے۔ کیونکہ شادی اس گولڈن رول کی بنیاد پر باقی نہیں رہ سکتی، بلکہ قربانی کے ذریعہ ہی باقی رہے گی۔ شوہر اگر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ٹھیک ہے؛ میں اگرچہ دن بھر کا تھکا ہارا ہوں لیکن بیوی کا بھی حق ہے، تھوڑی بات اس کی سن لیتا ہوں پھر آرام کر لوں گا، تو یہاں پر شوہر نے قربانی دی۔ یا بیوی یہ سوچے کہ میرا شوہر دن بھر کا تھکا ہارا ابھی گھر آیا ہے، پہلے وہ آرام کر لے پھر میں ساری باتیں بتا دوں گی، تو یہاں پر بیوی نے قربانی دی۔ چاہے شوہر قربانی دے یا بیوی قربانی دے تبھی جا کر نکاح قائم رہ سکتا ہے، لیکن گولڈن رول کی بنیاد پر نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔

ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں؛ اگر آپ بچوں کی تربیت کر رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بچوں کی تربیت کے لئے آپ اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ ایک انسان پوری زندگی اتنی محنت و مشقت کرتا ہے اور کماتا ہے تو صرف اپنے اہل و عیال کے لئے، بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم (**Reciprocity**) تبادلہ باہمی کے گولڈن رول کو اپنائیں تو پھر والدین کو چاہیے کہ جتنی محنت مشقت وہ بچوں کے لیے کر رہے ہیں، بچوں سے یہ مطالبہ کریں کہ پھر وہ والدین کے لئے اتنی ہی محنت مشقت کریں، لیکن بچوں سے عموماً اس طرح کی توقع نہیں کی جاتی۔ ان کا یہ حق ضرور ہے، لیکن عام طور سے ان سے یہ توقع نہیں کی جاتی۔ ماں کا حق تو بچہ کبھی ادا کر ہی نہیں سکتا، ممکن ہی نہیں ہے۔ لہذا اگر **Reciprocity** یا گولڈن رول کو اپلائی کریں تو پھر ہونا یہ چاہیے کہ جو ماں باپ نے بچوں کے لیے کیا وہی سب کچھ پھر بچے ماں باپ کے لیے کریں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ والدین یہ سوچیں گے کہ بچے چونکہ ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہیں کریں گے جو ہم ان کے ساتھ کر رہے ہیں لہذا ہم ان کے لئے محنت و مشقت نہیں کریں گے، پھر تو اس طرح بچے ضائع ہو جائیں گے، ان کی تربیت کیسے ہو گی۔ تو گولڈن رول

سے فیملی تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ گولڈن رول کی بنیاد پر فیملی چلے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے سنا ہو گا کہ نکاح کی بنیاد ضابطہ نہیں ہے بلکہ نکاح کی بنیاد رابطہ ہے۔ ضابطے سے مراد وہی گولڈن رول ہے اور رابطے سے مراد قربانی ہے۔

چوتھی خرابی:

گولڈن رول میں انسانوں کے درمیان پسند اور ناپسند کو لے کر جو فرق ہوتا ہے، اس کو مکمل طور سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ایک انسان کی جو پسند یا ناپسند ہے مثلا ایک انسان کی دینی وابستگی، ثقافتی وابستگی، تہذیبی وابستگی میں دوسرے انسان کے اعتبار سے فطری طور پر فرق ہوتے ہیں۔ مجھے جو چیز پسند ہے، ممکن ہے کہ وہ چیز سامنے والے کو پسند نہ ہو۔ مثلا مجھے یہ پسند ہے کہ میں کرتا پاجاما پہنوں، یہ میری ثقافتی وابستگی ہے اور کسی حد تک دینی وابستگی بھی ہے۔ سامنے والے کو پسند ہے کہ وہ جینز اور شرٹ پہنے، یہ اس کی تہذیبی اور ثقافتی وابستگی ہے۔ ہمارے درمیان لباس کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہاں گولڈن رول کو اپلائی کیا جائے تو میں اگر اپنے لئے کرتا پاجاما پسند کرتا ہوں تو پھر مجھے یہ چاہیے کہ دوسرے کے لئے بھی یہی پسند کروں اور میں اسی وقت خوش رہوں جب وہ میری مرضی کے اعتبار سے کرتا پاجاما پہنے۔ یہی بات دوسرے کے لیے ہے۔ سامنے والا شخص چونکہ اپنے لیے جینز اور شرٹ پسند کرتا ہے تو وہ میرے لیے بھی یہی چاہے کہ میں جینس اور شرٹ پہنوں۔ تو دیکھیے گولڈن رول نے انسانوں کے درمیان تہذیب، ثقافت، کلچر، معاشرے اور مذہب کی بنیاد پر جو فرق ہوتے ہیں، ان تمام فرقوں کو اس گولڈن رول نے نظر انداز کر دیا۔

اس کی ایک زبردست مثال میں آپ کو دیتا ہوں؛ مسلم ممالک کے اندر حجاب کہیں تو قانون ہے اور کہیں معاشرہ ہے۔ سعودی عرب میں چند دنوں پہلے تک تو یہ قانون تھا، اب قانون میں کافی تخفیف آگئی ہے۔ لیکن پھر بھی عمومی طور پر وہاں کے معاشرے میں حجاب ہے۔ مغربی معاشرے میں حجاب اگر چہ نہیں ہے لیکن وہاں عام اجازت ہے کہ آپ جو چاہیں وہ پہنیں۔ ایک امریکی خاتون جس کی پرورش اسی تہذیب میں ہوئی، اس کو یہ آزادی ہے کہ وہ جو چاہے پہنے، حجاب پہنے، اسکرٹ پہنے یا پھر جینز پہنے یا پھر نہ پہنے، اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہتی ہے کہ ہمارے یہاں کی مسلم خواتین کو بھی مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں پہنیں، اگر وہ حجاب کرتی ہیں، ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب ہم اپنے لیے یہ پسند کرتے ہیں کہ (ایک مغربی عورت کی نقطہ نظر بات ہو رہی ہے) ہم چاہے جو پہنیں، لہذا ہمارے یہاں ایک مسلم عورت حجاب کرنا چاہے تو وہ کر سکتی ہے۔ پھر جب میں سعودی عرب جاؤں تو وہاں جا کر میں بھی چاہے جو پہنوں، مجھے اس بات کا پابند نہیں کیا جانا چاہئے کہ میں حجاب کروں اس معاشرے میں جا کر۔ اب اگر ہم گولڈن رول پر عمل کرتے ہیں تو سعودی معاشرے کو اس امریکی عورت کے لیے اپنے معاشرتی اور مذہبی اقدار وروایات سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ تبھی تو گولڈن رول اپلائی ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک امریکی تہذیب میں پلی بڑھی عورت کی وجہ سے سعودیہ کی مذہبی روایات میں کیوں تبدیلی کی جائے؟ آپ میں ایسی کونسی اچھائی کہ آپ کی وجہ سے ہم اپنی روایات کو بدلیں؟ آپ کا اپنا مذہب اور اپنی تہذیب ہے، ہمارا اپنا مذہب اور اپنی تہذیب ہے۔ ہم اپنے مذہب اور تہذیب کے اعتبار سے چلیں گے، آپ اپنے مذہب اور تہذیب کے اعتبار سے چلیں۔ لیکن اگر آپ اپنے لئے کوئی چیز پسند کرتے ہیں، پھر آپ یہ چاہیں کہ آپ کی عورتوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو جو آپ ہماری عورتوں کے ساتھ کرتے ہیں، جس طرح ہماری عورتیں جب مغربی ممالک میں ہوتی ہیں تو ان کو حجاب کرنے کا حق ہوتا ہے لہذا مغربی تہذیب کی پروردہ کوئی عورت اگر سعودی عرب جائے تو اسے بھی بے حجابی کا حق ہو، اگر ہم یہ حق دیں گے تو گویا کہ ہم نے اپنی مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی روایات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ یہ سمجھوتہ ہم کیوں کریں؟ بہر حال یہ گولڈن رول ان معاشرتی اور فرقوں کو سرے سے نظر انداز کر دیتا ہے۔

پانچویں خرابی:

گولڈن رول کا نفاذ اور اس کا اطلاق کہاں ہوتا ہے، PERSON TO PERSONدو افراد کے درمیان یا COUNTRY TO COUNTRYدو ممالک کے درمیان یا پھر COUNTRY TO PERSOملک اور فرد کے درمیان؟ گولڈن اس کی وضاحت نہیں کرتا۔ پہلے ہم اس کو PERSON TO PERSONدو افراد کے درمیان نافذ کرتے ہیں، ابھی تک اتنی مثالیں گزر چکی ہیں کہ گولڈن رول کو دو افراد کے درمیان مکمل طور پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اوپر ابھی مثال گزری ہے کہ اگر ایک شخص اپنے لیے خودکشی پسند کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ دوسرے کے لئے بھی کرے؟ درست نہیں ہے۔ تو دو افراد کے درمیان تو اس کا مکمل اطلاق نہیں ہو سکتا۔

کیا COUNTRY TO COUNTRYدو ملکوں کے درمیان اس کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ جو لبرل ممالک ہیں، کیا وہ اس گولڈن رول کو آپس میں اپلائی کرتے ہیں؟ (صرف لبرل ممالک کی بات کر رہا ہوں) حالات حاضرہ سے آپ کو دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

پہلی مثال: اس وقت یوکرین اور روس کے درمیان جنگ چل رہی ہے اور نیٹو ممالک یوکرین کی سپورٹ کر رہے ہیں۔ جنگ شروع ہونے کے سیکڑوں اسباب ہو سکتے ہیں لیکن اس کا ظاہرہ سبب یہ ہے کہ یوکرین نیٹو ممالک کے اتحاد میں شامل ہو گیا۔ روس کو یہ بات بری لگی، اس کو یہ بات منظور نہیں تھی کہ یوکرین نیٹو اتحاد میں شامل ہو، لہذا جنگ کا آغاز ہو گیا۔ یہ دونوں لبرل ممالک ہیں۔ اب اگر یوکرین روس سے یہ کہتاہ کہ ہم تمہاری آزادی کا احترام کرتے ہیں لہذا تم بھی ہماری آزادی کا احترام کرو (یہی گولڈن رول ہے) ہماری آزادی اس میں ہے کہ ہم نیٹو اتحاد میں شامل ہوں یا کہیں بھی شامل ہوں، آپ کون ہوتے ہیں ہمیں روکنے والے؟ لیکن روس نے یوکرین کی اس آزادی کا احترام نہیں کیا۔ اسی طرح اگر روس یوکرین سے یہ کہے کہ تمہیں

جس طرح حقِ دفاع ہے، ہمیں بھی حق دفاع ہے، لیکن اگر تم نیٹو اتحاد میں شامل ہوگے تو نیٹو کے میزائل ہماری سرحدوں پر کھڑے ہوں گے، یہ ہمارے حق دفاع کے خلاف ہے، تمہیں ہمارے اس حق کا احترام کرنا چاہئے تھا لیکن تم نے نہیں کیا۔ تو اگرچہ دونوں لبرل ممالک ہیں، لیکن دونوں میں سے کسی ایک نے بھی دوسرے کے حق کا خیال نہیں رکھا۔ نہ تو یوکرین نے اور نہ ہی روس نے۔ تو اب بتایئے کہ وہ گولڈن رول کہاں گیا؟ کیا وہ صرف دوسروں کے سامنے دھونس جمانے کے لئے بنائے گئے ہیں؟ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ممالک کے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں، ان مفادات کے آگے گولڈن رول گیا تیل لینے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پوری دنیا میں اس وقت جو عام لبرلز گھومتے پھر رہے ہیں، ان میں سے کوئی بھی غیر جانبدار نہیں ہے، وہ یا تو یوکرین کے ساتھ ہیں یا پھر روس کے ساتھ ہیں۔ چاہے آپ یوکرین کے ساتھ ہوں چاہے روس کے ساتھ، آپ اس گولڈن رول پر عمل نہیں کر رہے۔

دوسری مثال: افغانستان یہ چاہتا ہے کہ وہ ساری دنیا کے ممالک کو تسلیم کرے لیکن دنیا کا کوئی بھی ملک اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ آخر کیوں؟ اگر گولڈن رول دو ممالک کے درمیان اپلائی ہوتا ہے تو جس طرح افغانستان آپ کے حق آزادی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے، آپ کو ملک کا درجہ دینے کو تیار ہے، آپ اس کو ایک ملک کا درجہ دینے کو تیار کیوں نہیں ہے؟ تو COUNTRY TO COUNTRY گولڈن رول فیل ہو جاتا ہے۔

اب ہم تیسری صورت کو دیکھتے ہیں COUNTRY TO PERSON کہ کیا فرد اور ملک کے درمیان یہ گولڈن رول اپلائی ہو سکتا ہے؟ مثلاً ایک مجرم کو عدالت میں پیش کیا گیا اور جج صاحب نے جو کہ حکومتِ وقت کے ترجمان ہیں اس کو سزا سنائی، لیکن اگر وہ گولڈن رول اپلائی کریں گے تو کبھی بھی سزا نہیں سنا سکیں گے۔ مثلاً جج یہ سوچے کہ کیا مجھے یہ پسند ہے کہ مجھے سزا سنائی جائے؟ ہرگز نہیں! تو میں اس مجرم کو کیسے سزا دے سکتا ہوں؟ اگر گولڈن رول عدالتوں میں لاگو ہونے لگے تو کسی مجرم کو کبھی سزا ہی نا ملے۔

لہذا گولڈن رول کبھی بھی اخلاقیات کا پیمانہ نہیں بن سکتا۔ لبرلزم کے اندر مساوات کی پوری عمارت اسی گولڈن رول پر ٹکی ہوئی ہے اور اس گولڈن رول کا کیا حشر ہوا، یہ آپ کے سامنے ہے۔ اور ابھی بات پوری نہیں ہوئی ہے۔ ان شاء اللہ اگلی کلاس میں اسے مکمل کر دیا جائے گا۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

آٹھواں موضوع:

لبرلزم (Liberalism)

درس نمبر: 05

تاریخ: 19 نومبر 2022

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح ونظر ثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین والصّلاۃُ والسّلامُ علیٰ سیّدِ الأنبیاءِ و المُرسلینَ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین۔ أمّا بعدُ!

گذشتہ درس میں ہم نے لبرلزم کے ایک اہم اصول کے بارے میں پڑھا تھا جس کو گولڈل رول(Golden Rule) کہا جاتا ہے۔ اس رول کا حاصل یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو آپ دوسروں سے اپنے لیے چاہتے ہیں، یا دوسروں کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہ کریں جیسا معاملہ آپ دوسروں سے نہ چاہتے ہوں۔ اسے آپ مثبت اور منفی دونوں انداز سے کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ لبرلزم اس اصول پر ٹکی ہوئی ہے اور یہ لبرلزم کا ایک بنیادی ضابطہ ہے۔ اس لیے ہم نے اسے تفصیل سے پڑھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اوپر نقد کو بھی تفصیل سے بیان کیا۔ گزشتہ درس میں مثبت گولڈن رول کی خرابیاں بیان کی جارہی تھیں، پانچ خرابیاں بیان ہو گئی تھیں، چھٹی اور آخری خرابی کے بیان سے آج کے درس کا آغاز کرتے ہیں۔

چھٹی خرابی:

Golden Rules makes Selfish، گولڈن رول انسان کو خود غرض اور مطلب پرست بنادیتا ہے۔ وہ اس طریقہ سے کہ اگر آپ اس رول پر عمل کرنے والے ہیں تو آپ دوسروں کی مدد کب کریں گے؟ آپ کسی شخص کے ساتھ اچھا معاملہ اسی وقت کریں گے جب آپ کو خود یہ توقع ہو کہ سامنا والا بھی میرے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا۔ لیکن اگر یہ توقع نہیں ہے تو پھر آپ سامنے والے کے ساتھ اچھا معاملہ بالکل نہیں کریں گے، چونکہ آپ گولڈن رول پر یقین رکھتے ہیں۔ تو آپ کا اچھا معاملہ کرنا اپنے اس مطلبی ہونے کی وجہ سے ہے کہ پھر میرے ساتھ بھی اچھا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو شخص جو گولڈن رول پر یقین نہیں رکھتا بلکہ خدا پر یقین رکھتا ہے، وہ دوسروں کے ساتھ اچھا معاملہ محض اس لئے نہیں کرتا کہ سامنے والے بھی پھر میرے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے، بلکہ اس کے نزدیک یہ چیز پیش نظر رہتی ہے کہ مجھے خدا اس کا اجر دے گا۔ اس کے نزدیک اللہ کے یہاں اجر پانا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اس کی ایک مثال لیجیے؛ ایک ملحد ہے جو لبرلزم پر تو یقین رکھتا ہے، خدا پر یقین نہیں رکھتا۔ اس کے پاس ایک غریب اور نادار شخص کچھ مانگنے کے لئے آیا، اس غریب کے پاس نہ کھانا ہے نہ کوئی جائداد نہ کوئی عہدہ، جسمانی اعتبار سے بھی کمزور ہے، وہ کسی بھی طرح سے اس ملحد کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اب ایسا شخص ملحد کے پاس پیسے مانگنے کے لئے آیا جو لبرلزم اور اس گولڈن رول پر یقین

رکھتا ہے۔ تو اب اس کے ذہن و دماغ میں یہ بات ضرور آئے گی کہ اگر میں اس کے ساتھ اچھا معاملہ کروں گا تو بدلے میں یہ میرے ساتھ کیا اچھا معاملہ کر سکتا ہے؟ وہ بے چارہ بدلے میں کوئی اچھا معاملہ کر ہی نہیں سکتا چونکہ وہ اس پر قادر ہی نہیں ہے۔ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ لہذا اس اصول پر عمل کرنے والا چونکہ مطلبی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ایک پکا کٹر ملحد کبھی بھی کسی ایسے فقیر کی مدد نہیں کر سکے گا۔ جبکہ ایک مسلمان جو خدا پر یقین رکھتا ہے وہ ایسے نادار اور ضرورت مند شخص کی جو بدلے میں کچھ بھی دینے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، ایک راہ چلتا فقیر جس سے یہ توقع ہے ہی نہیں کہ یہ کبھی میرے ساتھ اچھا معاملہ کر سکے گا، وہ مومن اس کی بھی مدد کرتا ہے چونکہ اس کے نزدیک یہ بات زیادہ اہم ہے کہ مجھے اللہ کے پاس اجر اور ثواب حاصل ہو۔

تو گولڈن رول انسان کو مطلب پرست اور خود غرض بنا دیتا ہے جبکہ خدا پر یقین رکھنا انسان کو مطلب پرستی سے دور رکھتا ہے۔ اور مطلب پرستی و خود غرضی کوئی اچھی صفت نہیں بلکہ یہ ایک ایسی صفت ہے کہ جس کو تمام ہی انسان برا سمجھتے ہیں، چاہے وہ مومن ہو یا ملحد ہو۔ یہ تھا چھٹا اور آخری نقد مثبت گولڈل رول پر۔

More Golden Rule

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اس گولڈن رول سے بھی زیادہ سنہرا کوئی رول ہے؟ جی ہاں! بہت سارے ہیں! ان میں سے ایک یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے:

The Rule of Sacrifice (قاعدہ قربانی)

قاعدہ قربانی کا مطلب ہے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ چاہے آپ سامنے والے کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، ان کے لئے قربانی دیں۔ اور دوسروں کے لئے قربانی دینا انسان کے اعلی ترین اخلاق کی دلیل ہے۔ چاہے وہ قربانی مذہب اور مذہب کے ماننے والوں کے لئے ہو، ملک و قوم کے لئے ہو یا پھر خاندان کے لئے ہو۔

(الف) Sacrifice for Faith (مذہب اور مذہب کے ماننے والوں کے لئے قربانی):

ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کر رہا ہے اور اس راستہ میں اس کو شہادت نصیب ہوتی ہے، تو اِس میں اُس شخص کا دنیا کا کیا فائدہ تھا؟ وہ کیوں اس راستہ پر گیا اور اسے کیوں شہادت چاہئے تھی؟ وہ کسی دوسرے سے دنیوی فائدہ کی توقع تو نہیں کر رہا ہے۔ اس کے اس جہاد میں شرکت کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ فائدہ اس کے مذہب کے ماننے والوں کو ہے۔ اور وہ اس طریقہ سے کہ اگر اس مذہب کے ماننے والوں کو کوئی غلام بنانا چاہتا ہے تو وہ ان کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے اور ان کی آزادی کی خاطر اس نے اپنی جان نچھاور کر دی۔ یہ Sacrifice for Faith ہے۔

(ب) Sacrifice for Nation (ملک کے لئے قربانی):

اس کی مثالیں ہم دن رات دیکھتے ہیں۔ خصوصا آپ اگر ایک سیکولر ملک میں رہتے ہیں تو وہاں کی آرمی کے جوان ہمیشہ اس بات کے لئے تیار رہتے ہیں کہ اگر دشمن سے جنگ ہو جائے تو وہ اپنے ملک و وطن کے نام پر اپنی جان قربانی کر دیں گے۔ اگر فوجیوں میں یہ جذبہ نہ ہو تو کوئی بھی ملک کبھی بھی جنگ نہ جیت سکے۔ یہ جذبہ ہونا ضروری ہے Sacrifice for Nation۔

(ج) Sacrifice for Family (اہل وعیال کے لیے قربانی)

ایک مرد صبح گھر سے نکلتا ہے اور بعض مرتبہ شام میں اور بعض مرتبہ رات دیر میں تھکا ہارا واپس آتا ہے، پوری زندگی اس کا یہی کام ہے۔ عام طور سے مرتے دم تک وہ یہی کام کرتا ہے، جب سے اس کی شادی ہوتی ہے اور بال بچے دار ہوتا ہے، وہ صبح نکلتا ہے اور رات کو کما کر واپس لوٹتا ہے، کچھ گھنٹے گھر میں آرام کرتا ہے اس کے بعد پھر صبح نکل جاتا ہے، تاکہ اپنے بال بچوں کے لئے روٹی کما سکے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ اس سے عورت کی ذمہ داری کم ہو گئی ہے، بلکہ جس طرح مرد کی ذمہ داری ہے اسی طرح عورت کی بھی ذمہ داری ہے۔ عورت مرد کے پیچھے گھر سنبھالتی ہے، بچوں کو سنبھالتی ہے، مرد کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہے۔

اسی طریقہ سے عورت ہے؛ اسلامی قانون کے مطابق نکاح میں آکر عورت یہ تسلیم کرلیتی ہے کہ میرے خاندان کا سربراہ مرد ہے۔ کسی کے ماتحت خود کو لانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ چنانچہ ایک طرف مرد قربانی دیتا ہے اور دوسری طرف عورت قربانی دیتی ہے۔اس قربانی کے نتیجہ میں خاندان اور گھر چلتا ہے۔

بہر حال قربانی کے نتیجے میں مذہب پھیلتا ہے، قربانی کے نتیجے میں وطن بچتا ہے، قربانی کے نتیجے میں خاندان بچتا ہے۔ یہ گولڈن رول زیادہ مفید اور کارآمد ہے بر خلاف اس گولڈن رول کے جسے لبرلزم پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر آپ کسی ملحد سے پوچھیں کہ کیا تم مذہب کے لئے قربانی دینا چاہو گے ؟ وہ تو مذہب کو مانتا ہی نہیں ہے، وہ کیوں مذہب کے لئے قربانی دے گا۔ اور اگر اس سے کہیں کہ کیا تم وطن کے لئے قربانی دو گے ؟ تو وہ گولڈن رول پر چلتے ہوئے کہے گا کہ اگر میں وطن کے لئے مر گیا تو مجھے کیا ملے گا؟ چونکہ وہ ملحد ہے، خدا پر یقین نہیں رکھتا، اس کے لیے آگے تو کچھ ہے نہیں، مرنے کے بعد کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ گولڈن رول کو اپلائی کرے گا تو وہ کبھی بھی اپنے وطن کے لئے قربانی نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی اپنے خاندان کے لئے وہ قربانی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ملحدین عام طور سے شادی نہیں کرتے اور نہ ہی خاندان بناتے ہیں۔ بلکہ وہ بغیر شادی کے ہی میاں بیوی کی طرح (Living Relation) میں رہتے ہیں۔ جس میں نہ تو مرد کی عورت پر کوئی ذمہ داری اور نہ ہی عورت کی مرد پر کوئی ذمہ داری۔ دونوں ایک دوسرے سے ذمہ داری کے اعتبار سے بالکل بری ہیں۔ کیونکہ انھیں ایک دوسرے کے لئے کوئی قربانی نہیں دینی۔ جبکہ یہ چیزیں قربانی سے چلتی ہیں نا کہ گولڈن رول سے۔ لہذا سب سے بہتر گولڈن رول The Rule of Sacrifice قانونِ قربانی ہے۔

Platinum Rules

بلکہ میں اس سے بھی بہتر رول بتاتا ہوں۔ گولڈن سے اوپر پلاٹینم ہوتا ہے، تو میں پلاٹینم (Platinum) رول بتاتا ہوں۔ جس کے اوپر پوری انسانیت بغیر کسی پریشانی کے بہت آسانی کے ساتھ چل سکتی ہے۔ اور یہ پانچ رولز ہیں۔

ایک کتاب ہے "The Righteous Mind" ہے جس کا مصنف ہے جوناتھن ہیڈٹ (Jonathan Haidt)۔ اور یہ خود ملحد ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں ایک عنوان باندھا ہے "The foundations of "intuitive ethics جس کا معنی ہے "وجدانی اخلاقیات کی بنیادیں"۔ ہر انسان کا وجدان ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ یعنی اگر آپ کو بھوک لگتی ہے تو مجھے بھی بھوک لگتی ہے اور دنیا کے ہر آدمی کو بھوک لگتی ہے، یہ ایک وجدانی چیز ہے۔ اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزوں کا تعلق وجدان سے ہوتا ہے اور وہ چیزیں تمام انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔

یہی بات جب آپ کسی ملحد سے کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ اخلاقیات معروضی (Objective) نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ ذاتی (Subjective) ہوتی ہیں۔ یعنی ایک چیز میرے نزدیک اخلاقی ہے اور وہی چیز آپ کے نزدیک غلط ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز آپ کے نزدیک اخلاقی ہے، لیکن وہی چیز میرے نزدیک غیر اخلاقی ہو سکتی ہے۔ یہ ملحدین کا فلسفہ ہے۔ لیکن خود ان ملحدین کا باپ جوناتھن ہیڈٹ اپنی کتاب میں کہہ رہا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو معروضی طور پر تمام انسانوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ اس نے پانچ اصول بیان کئے ہیں:

1) Care/harm سماحة

2) Fairness/cheating عدل

3) Loyalty/betrayal

4) Authority/subversion إخبات

5) Sanctity, Purity/degradation طهارة

1۔ سماحہ، Care/harm یعنی نرمی / سختی۔

ہر انسان کے اندر یہ صفت کمی و زیادتی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان سامنے والے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ انسان کے اندر نرم مزاجی، لطف و کرم، مہربانی، ہمدردی، اخوت و محبت، دوسروں کے خیال رکھنے کا جذبہ، یہ تمام چیزیں سماحہ (Care/harm) کی ہی وجہ سے ہیں۔ ہر صفت کے ساتھ اس کی متضاد صفت بھی لکھی ہے۔

2۔ عدل، Fairness/cheatingیعنی انصاف/دھوکہ

انسان کی یہ صفت در اصل بہت ساری دیگر صفات کی بنیاد ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و ہمدردی کا معاملہ کرنا، انصاف کرنا۔ پھر انصاف چاہے عدالتوں کا ہو یا معاملات کا ہو۔ حقوق، اختیار، مساوات ان سب کی بنیاد Fairness ہے۔ یہ صفت بھی فطری طور پر انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔

3۔ Loyalty/betrayal، الولاء و البراء، وفاداری/بے وفائی

یعنی آپسی اتحاد، چاہے وہ کسی بھی بنیاد پر ہو، وطن کی بنیاد پر ہو، قبیلہ اور قوم کی بنیاد پر ہو یا مذہب کی بنیاد پر ہو۔ مذہب کی خاطر آپس میں محبت یا قربانی دینا یا کسی بڑے مقصد کی خاطر قربانی دینا۔ یہ سب چیزیں Loyalty/betrayal کے تحت آتی ہیں۔

4۔ إخبات، Authority/subversion، اقتدار/بغاوت

اس صفت کی بنیاد پر انسانوں میں لیڈر شپ پائی جاتی ہے۔ لیڈر کی اتباع، روایات و اقدار پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ آج بھی بہت سے معاشرہ میں پرانی روایات پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے، اس لیے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ روایات اور معاشرہ ہمارے لیے Authority ہیں، ہم ان سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ ہم معاشرے کے خلاف نہیں جاسکتے۔ اسی طریقہ سے سلسلہ مراتب، چاہے وہ کسی حکومت میں ہو، کسی قبیلے میں ہو یا کسی خاندان میں ہو۔ یعنی جو خاندان کا جو سربراہ ہے سب سے زیادہ اس کی عزت ہوگی ۔ ملک جو سربراہ ہے سب سے زیادہ اس کی چلے گی۔ کیونکہ وہ Authority ہے۔ اب اس Authority کے خلاف جو جائے گا تو وہ باغی کہلائے گا۔ ہر انسان کے اندر یہ چیز پائی جاتی ہے، چاہے آپ کسی قبیلے میں رہیں، کسی ملک میں رہیں، آپ کے اندر یہ صفت پائی جانی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک انسان ایسا باغی بن جائے کہ وہ کسی دوسرے کا تابع ہو ہی نہیں۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں جو باغی جماعتیں ہوتی ہیں، جنھیں دنیا دہشت گرد کہتی ہے، وہ بھی کسی نہ کسی کی اتباع میں ہوتی ہیں، ان کی بھی اپنی جماعتیں ہوتی ہیں اور ان کے یہاں بھی Authority ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جس نے وہ باغی گروپ قائم کیا ہے وہ سب کا ہیڈ ہوگا، سب اس کی بات سنیں گے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان بغیر کسی کی اتباع کے زندگی گزار لے۔

5۔ طہارۃ، Sanctity, Purity/degradation تقدس / تنزل، درجے سے گر جانا

یعنی انسان کے اندر یہ جذبہ اور خواہش کمی وزیادتی کے ساتھ ضرور پائی جاتی ہے کہ وہ حیوانی طرز زندگی کو ترک کر دے اور باوقار زندگی گزارے۔ یہ صفت انسان کو یہ بتاتی ہے کہ انسانی جسم ایک مقدس چیز ہے، لہذا غیر اخلاقی حرکتوں سے اسے آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔ کون سا انسان ہے جو گندگی کو پسند کرتا ہو؟ یہاں تک کہ گٹر صاف کرنے والے سے پوچھیں کہ زندگی کیسے گزر رہی ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ کاش میں کچھ اور کر رہا ہوتا۔

یہ پانچ صفات ایسی ہیں کہ جن کو ہم پلاٹینم رولز کہتے ہیں۔ اب آپ اس کو اتفاق کہیں یا حیرت انگیز کہیں کہ جوناتھ ہیڈٹ آج کے دور میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ یہ پانچ صفات فطری طور پر انساان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس شخص سے کئی سو سال پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فطرت کے باب کے تحت چار چیزیں فطرت کی بنیاد بتائی ہیں۔ یعنی انھوں نے بھی intuitive ethics (وجدانی اخلاقیات) پر بات کی ہے۔ انہوں نے پانچ کی جگہ چار چیزیں بنیاد بتائی ہیں اور وہ چار چیزیں اتفاقاً وہی ہیں جن کو میں نے عربی میں لکھا ہے (سماحۃ، عدل، اِخبات، طہارۃ)۔ خاص طور پر اِخبات کی اصطلاح آپ کو شاہ صاحبؒ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملے گی۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فطری طور پر تمام انسانوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اور یہی انسان کی فطرت کو بناتی ہیں۔ یہ جو حدیث میں ارشاد ہے: " كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں فطرت سے کیا مراد ہے؟ فطرت سے مراد یہ چار صفات (سماحۃ، عدل، اِخبات، طہارۃ) کا مجموعہ ہے۔ آگے جو ارشاد ہے کہ اس کے بعد اس والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں، یا آج کے دور میں لبرل اور ملحد بنادیتے ہیں، اب چاہے اس کے والدین ہوں یا ماحول ہو۔ حدیث میں صرف والدین کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف والدین ہی بگاڑتے ہیں، ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے۔ دیگر چیزیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے تین چیزیں ذکر کی ہیں جن کی وجہ سے فطرت پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فطرت بدلتی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اس کا اعلان کر دیا: " فِطْرَتَ اللهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَاؕ-لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِؕ " (الروم-۳۰) (یہ) اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت (ہے) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہو گی۔ تو جس فطرت پر بچہ پیدا

ہوتا ہے اس فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی، کمی زیادتی ہوسکتی ہے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ فطرت میں مکمل تبدیلی آجائے۔ تو آخر ہوتا کیا ہے؟ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے بچے اس فطرت کے اوپر نہیں ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے تین حجابات ذکر کیے ہیں۔

تین حجابات

۱۔ حجابِ نفس: یہ تین پردے ہیں، یہ تینوں یا ان میں سے کوئی پردہ پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے فطرت بند ہوجاتی ہے، چھپ جاتی ہے۔ بعض مرتبہ نفس کا پردہ پڑ جاتا ہے کہ نفس پرستی کی وجہ سے انسان انصاف کے اوپر یا کسی اتھارٹی کے حکم پر عمل نہیں کرتا ۔ نفس پرستی آڑے آجاتی ہے۔

۲۔ حجابِ دنیا: حجاب دنیا کی مثال شاہ صاحبؒ نے یہ دی ہے کہ آپ ایسے ماحول میں رہ رہے ہیں جہاں لوگوں کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں، شاندار مکانات اور عیش و عشرت کی زندگی ہے، لیکن آپ کے پاس وہ سہولیات میسر نہیں ہیں، ہاں! آپ کو یہ توقع ہے کہ اگر میں محنت کروں گا تو میں اس درجہ تک پہنچ سکتا ہوں جس طرح یہ لوگ زندگی گزار رہے ہیں۔ اب آپ نے محنت شروع کی اور اس طرز زندگی کو اپنانے کے لئے آپ نے تمام اصولوں سے سمجھوتہ کرلیا۔ یہ حجاب دنیا ہے۔ تو انسان کی فطرت نہیں بدلی، لیکن فطرت کے سامنے پردہ پڑ گیا۔

۳۔ حجابِ سوءِ فہم: غلط سمجھ۔ غلط فہمی ایک چھوٹا لفظ ہے لیکن غلط سمجھ یعنی کسی چیز کو غلط طریقہ سے سمجھنا، یہ بھی ایک بڑا پردہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ مثلاً کچھ لوگ ہیں جو بعض انسانوں کے اندر ایسی کراماتیں دیکھتے ہیں جو دوسرے انسانوں کے اندر نہیں پائی جاتیں، صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں۔ ان کرامات کی بنیاد پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اندر خدائی صفات ہیں، لہٰذا جس طرح خدا کی عبادت ہونی چاہیئے ان انسانوں کی بھی عبادت ہونی چاہیئے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہی سمجھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے جب معجزات دکھائے تو بعد کے لوگ یہ سمجھے کہ حضرت عیسیٰؑ میں خدا حلول کر گیا تھا، لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کی بھی عبادت ہونی چاہیئے جس طرح خدا کی عبادت ہوتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ پیش آیا کہ ہم تو موحدین ہیں، عیسائی اپنے آپ کو توحید کو کہتے ہیں کہ ہم توحید پرست ہیں، ہم دو کی عبادت کس طرح کرسکتے ہیں؟ کیونکہ اگر ہم دو کی عبادت کرنے کا مطلب ہے کہ ہم مشرکین ہیں جبکہ بائبل میں لکھا ہے کہ شرک غلط ہے۔ لہٰذا دو کو ایک مان لو بلکہ تین کو ایک مان لو۔ یہ ہے حجابِ سوءِ فہم۔

یہ تین پردے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی اگر کسی انسان کے اندر آجاتا ہے تو اس کی فطرت چھپ جاتی ہے۔ جب فطرت چھپ جاتی ہے تو انسان ایمان پر قائم نہیں رہ پاتا۔ حدیث میں فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کے سامنے ان تین پردوں میں سے کوئی پردہ نہ ہو اور اس کی پیدائشی فطرت قائم ہو یعنی سماحۃ، عدل، اِخبات، طہارۃ اس کے اندر موجود ہوں تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ مومن نہ ہو۔ یہ فلسفہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ میں اس حدیث کی تشریح میں پیش کیا ہے۔

جوناتھن ہیڈٹ نے جو تیسرا ضابطہ (Loyalty/betrayal) لکھا ہے اسے اگرچہ شاہ صاحبؒ نے نہیں لیا، لیکن اس کے تعلق سے اسلام میں باضابطہ موجود ہے۔ اس ضابطے کو ہم "الولاء و البراء" کہتے ہیں۔ قرآن کریم جگہ جگہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری Loyalty (وفاداری) تمہارے ہم مذہبوں کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اگر تمہارے ماں باپ، بھائی یا کوئی اور عزیز کافر ہو جائیں تو تمہاری Loyalty ان سے نہیں ہونی چاہیے، Loyalty ہوگی تو وہ ہم مذہب کے ساتھ ہوگی۔ **يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا اليَهودَ وَالنَّصارىٰ أَولِياءَ** (المائدة: 51) اے ایمان والوں! تم یہود و نصاری کو اولیاء نہ بناؤ۔ ان کے ساتھ Loyalty وفاداری نہ کرو۔ ان کے ساتھ براءت ہونی چاہیے۔ "الولاء و البراء" کا یہ ضابطہ ہے۔

اور یہ "الولاء و البراء" بھی سارے انسانوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ جو بھی شخص جس ملک میں رہتا ہے اس کی وفاداری اسی ملک کے ساتھ ہے۔ بھارت والوں کی بھارت کے آئین کے ساتھ ہے، پاکستان والوں کی پاکستان کے آئین کے ساتھ ہے، ہر ملک کے باشندے اپنے ملک کے آئین کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں۔

بہرحال یہ پانچ چیزیں پلاٹینم رولز ہیں۔ اور پلاٹینم رولز گولڈن رول سے اوپر کی چیز ہیں۔ اگر یہ پلاٹینم رولز انسان کے اندر ہوں تو وہ بہت آسانی کے ساتھ اعلیٰ ترین اخلاقی سطح پر رہتے ہوئے زندگی گزار سکتا ہے۔ اسے کسی گولڈن رول کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام ان گولڈن رول کا متبادل پیش کرتا ہے۔ ہم صرف تنقید کرنا نہیں جانتے ہم اس کا بدل بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ مقصد ہے ان پلاٹینم رولز کو لبرلزم کے مقابلے میں پیش کرنے کا۔

لہذا اگر کوئی ملحد یہ کہے کہ آپ کو لبرلزم کے ان گولڈن رول پر یقین نہیں ہے اور آپ ان کو مسترد کرتے ہیں تو بتائیں کہ اسلام نے کیا دیا ہے؟ آپ کا مذہب کس چیز پر یقین رکھتا ہے؟ تو آپ اس کے سامنے یہ چار یا پانچ اصول پیش کرسکتے ہیں۔ اور ان پانچ ضابطوں سے کسی ملحد کو بھی مفر نہیں ہے، کوئی ملحد بھی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور اگر یہ پانچوں صفات تمام انسانوں کے اندر پائی جاتی ہیں Objectively (معروضی طور پر) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سرچشمہ (Resource) کچھ اور ہے۔ چونکہ تمام انسان کسی

ایک چیز کے اوپر اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہر زمان و مکان کے تمام انسان ان چار پانچ چیزوں کے اوپر اتفاق کر لیں یہ ممکن نہیں ہے۔ یقینا کہیں باہر سے یہ چیزیں ان کے اندر ڈالی گئی ہیں۔ پھر ظاہر ہے کوئی ڈالنے والا بھی ہو گا، اور وہی خدا ہے۔ ملحد کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ معروضی اخلاقیات کا انکار کرتا ہی اس لیے ہے کہ اسے پتہ ہے معروضی اخلاقیات کو ماننے کا مطلب ہے خدا کو ماننا اور یہ ملحد تو خدا کو ماننے سے رہا۔

مساوات کی حقیقت

پہلے لبرلزم کی تعریف دیکھ لیتے ہیں تاکہ اس سے متعلق چیزیں کچھ تازہ ہو جائیں:

Moral philosophy that promotes maximizing freedom, liberty, equality, autonomy.

لبرلزم کا بنیادی مقصد آزادی، مساوات اور حق اختیار کو بڑھوا دینا ہے۔ ہم یہاں سے یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک مساوات آخر ہے کیا؟ مساوات کسے کہتے ہیں؟ کیا مساوات اچھی چیز ہے؟ کیا مساوات ایسی چیز ہے کہ جس پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ آزادی سے پہلے مساوات پر اس لئے بات ہو رہی ہے چونکہ گولڈن رول در صل مساوات کو بڑھاوا دیتا ہے۔ گولڈن رول کے چیتھڑے تو اڑ گئے ہیں، اب مساوات کو دیکھنا ہے۔

سوال: سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا مساوات اسلام کے اندر پائی جاتی ہے؟

جواب: اس کا جواب مساوات کی تعریف پر منحصر ہے، جو کہ آگے آ رہی ہے۔ تاہم ہمارے اعتبار سے ہر اخلاقی نظام میں کسی نہ کسی درجے میں مساوات پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک مرد دو رکعت نفل پڑھتا ہے اس پر اس کو ثواب ملتا ہے، ایک عورت دو رکعت نفل پڑھتی ہے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔ ان دونوں کے خشوع و خضوع کی وجہ سے ثواب میں کم بیشی تو ہو سکتی ہے، لیکن ایسا نہیں ہو گا کہ مرد ہونے کی بنیاد پر اس کو زیادہ ثواب ملے اور عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے کم ثواب ملے۔ اسی طرح مرد اور عورت جنت میں جانے میں برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہو گا کہ پہلے سارے مرد جنت میں چلے جائیں، بعد میں عورتیں جائیں گی۔ یا پہلے ساری عورتیں چلی جائیں، اس کے بعد مرد جائیں گے، ایسا بالکل بھی نہیں ہو گا۔ جنت اور جہنم میں جانے کا مدار انسان کے اعمال ہیں چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔ عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا۔

یہاں پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ "میں نے سب سے زیادہ تعداد عورتوں کی جہنم میں دیکھی" یہ تو discrimination (امتیازی سلوک) ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے میں نے جہنم میں ان کو سب سے زیادہ دیکھا، بلکہ آپ ﷺ نے اس کی وجوہات بیان فرمائیں۔ اور وجوہات یہ تھیں کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو، اور شوہر کی نافرمانی و ناشکری کرتی ہو۔ حدیث کا متن ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال : (يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ ، تَصَدَّقْنَ ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ) ، فَقُلْنَ : وَبِمَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ : (تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ "(بخاری شریف-۱۴۶۲) آپ ﷺ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کروں کیونکہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا۔ انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیونکہ تم بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔

حدیث کے متن سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ عورت ہونے کی بنیاد پر جہنم میں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ عورتوں کا لعن طعن اور ناشکری کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مساوات دنیا کے ہر اخلاقی نظام میں پائی جاتی ہے۔ اب میں آپ کے سانے دو مثالیں پیش کرتا ہوں پھر ہم سمجھیں گے کہ مساوات ہے کیا چیز؟ کس چڑیا کا نام ہے؟

پہلی مثال: مثلا آپ کے دو بیٹے ہیں، آپ ان کو گھمانے کے لئے پارک میں لے گئے۔ وہاں پر ایک شخص آپ کو دیکھ رہا ہے۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک چاکلیٹ نکالی اور ایک بچہ کو دے دی، دوسرے کو نہیں دی۔ دوسرا بچہ ضد کر رہا ہے کہ مجھے بھی چاکلیٹ دی جائے لیکن آپ نے اس کو نہیں دی۔ وہ دیکھنے والا شخص یہی سوچے گا کہ یہ عجیب شخص ہے، اپنے دونوں بچوں کے درمیان تفریق کر رہا ہے۔ ایک کو چاکلیٹ دے رہا ہے، دوسرے کو نہیں دے رہا ہے۔ کیا وجہ ہے؟ ظاہر ہے اس عمل کو برا سمجھا جائے گا۔ اب اگر اس باپ سے جا کر پوچھا جائے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگر باپ یہ کہے کہ جس کو چاکلیٹ دی ہے یہ بڑا ہے اور جس کو نہیں دی یہ چھوٹا ہے اور چھوٹے کو میں چاکلیٹ نہیں دیتا۔ سب کہیں گے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ ہاں اگر دودھ پیتا بچہ ہے تب تو بات صحیح ہے لیکن اگر وہ چاکلیٹ کھا سکتا ہے اس کے باوجود تم اسے نہیں دے رہے تو یہ غلط ہے۔ یا اگر باپ یہ جواب دے کہ مجھے یہ بیٹا زیادہ پسند ہے اس لیے میں نے اس کو چاکلیٹ دی، دوسرا مجھے زیادہ پسند نہیں ہے، حالانکہ دونوں اسی کے بچے ہیں۔ یہ وجہ بھی غلط ہے۔ آپ کو کوئی معقول وجہ بتانی پڑے گی کہ آپ نے یہ عدم مساوات کیوں کی۔ **ہاں!** اگر باپ یہ کہے کہ میں اپنے بچوں کو دن بھر میں ایک ہی چاکلیٹ دیتا ہوں، جس کو میں نے چاکلیٹ دی ہے اسے آج کی پہلی چاکلیٹ ملی ہے اور جس کو نہیں ملی وہ اپنا حصہ پہلے ہی

کھا چکا ہے۔ یہ وجہ معقول ہے اور سب کے لیے قابل قبول ہو گی۔ یا باپ یہ کہے کہ میں نے ان دونوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرایا تھا اور کہا تھا کہ جو دوڑ جیت جائے گا اسے چاکلیٹ دی جائے گی، لہذا جو جیت گیا اسے چاکلیٹ دیدی اور دوسرے کو نہیں دی۔ یہ بھی ایک معقول جواب ہے۔ اس جواب کو سارے لوگ تسلیم کریں گے اور یہ بات سمجھ جائیں گے کہ آپ نے جو عدم مساوات کی ہے اس کے پیچھے بھی کوئی معقول وجہ ہے، لہذا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

دوسری مثال: ایک شخص کوئی مشروب لے کر میرے پاس آئے اور پوچھے کہ مفتی صاحب! کیا میں یہ مشروب پی سکتا ہوں؟ میں اسے کہوں کہ جی ہاں آپ پی سکتے ہیں، جائز ہے۔ اس کے فوراً بعد دوسرا شخص وہی مشروب لے کر آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ مفتی صاحب! کیا میں یہ مشروب پی سکتا ہوں؟ اور میں اس سے کہوں: نہیں نہیں، بالکل نہیں پی سکتے۔ اور اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ابھی ابھی ایک شخص کو کہا ہے کہ تم پی سکتے ہو، تو وہ یہی تو کہے گا کہ یہ کیسا امتیازی سلوک ہے، اس کو تو آپ نے جائز کہا اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں نہیں پی سکتا۔ اور میں اس کے جواب میں کہوں کہ ہاں وہ پی سکتا ہے چونکہ وہ گورا ہے اور تم نہیں پی سکتے کیونکہ تم کالے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو "عذر گناہ بدتر از گناہ" والی بات ہو جائے گی کہ میں ایسی دلیل دے رہا ہوں جو اس گناہ سے زیادہ خراب ہے۔ **ہاں!** اگر میں اس کو یہ وجہ بتادوں کہ اس مشروب میں بذات خود کوئی ممنوع چیز نہیں ہے اسی لئے میں نے پہلے والے کو اجازت دے دی لیکن دوسرے شخص کو چونکہ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ اسے اس طرح کے مشروب سے الرجی ہو جاتی ہے، وہ پیے گا تو یقینی طور پر بیمار ہو جائے گا، اس لیے میں نے اس کو منع کر دیا۔ کیونکہ جب تمہیں معلوم ہے کہ کسی چیز سے ہر حال میں نقصان ہو گا تو شرعی اعتبار سے بھی یہ منع ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے، اس لیے میں نے اس کو منع کیا۔ اب یہ معقول وجہ ہے۔ حالانکہ میں نے امتیازی سلوک کیا، لیکن ہر امتیازی سلوک برا نہیں ہوتا۔ ہر عدم مساوات اور امتیازی سلوک غلط ہو ایسا نہیں ہے۔ اگر اس کے پیچھے کوئی معقول وجہ ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے پھر مساوات ہے کیا چیز؟ ذیل میں اس کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

EQUALITY DEFINED:

"The Empty Idea of Equality" by Peter Westen: Equality is a "formal notion meaning simply that like cases should be treated alike" and "unlike cases should not be treated alike".

- **Equality Treat similar cases similarly and different cases differently**.
- **Substantive debate on what cases are similar in relevant ways and which are not**.

مساوات کی تعریف:

آپ کو یاد ہو گا کہ لبرلزم کی تعریف کے ذیل میں عرض کیا تھا کہ لبرلزم خالی گلاس ہے، آپ اس میں کچھ بھی بھر سکتے ہیں۔اسی طرح مساوات بھی خالی گلاس ہے،اس میں بھی جو چاہیں بھر سکتے ہیں۔جب ہی اس کتاب کا نام دیکھیے "**The Empty Idea of Equality**"اس کا ترجمہ ہے "مساوات نامی کھوکھلا خیال"۔

پیٹر ویسٹن اپنی کتاب میں مساوات کی تعریف یوں لکھتا ہے:

مساوات ایک ایسا باضاطہ خیال ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یکساں معاملات کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاجائے اور متفرق معاملات کے ساتھ یکساں معاملہ نہ کیا جائے۔

•جو چیزیں یکساں اور ملتی جلتی ہیں ان کے ساتھ یکساں معاملہ کریں اور مختلف معاملات کو مختلف طریقے سے برتاؤ کریں۔

•اس پر ٹھوس بحث کہ کون سے معاملات متعلقہ طریقوں سے ایک جیسے ہیں اور کون سے نہیں۔

اوپر باپ بیٹے والی مثال میں جو وجہ بتائی گئی کہ باپ نے اپنے دو بچوں کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کیا کیونکہ وہ یکساں نہیں ہیں، ایک جیت گیا تو اسے چاکلیٹ ملی اور دوسرا ہار گیا تو اسے چاکلیٹ نہیں ملی، جب دونوں یکساں نہیں ہیں تو ان کے ساتھ یکساں معاملہ بھی نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ دونوں شخص جو مفتی کے پاس یہ پوچھنے آئے تھے کہ یہ پینا ہے یا نہیں تو وہ دونوں بھی یکساں نہیں تھے، کیونکہ ایک کے لئے وہ مشروب نقصان دہ تھا، دوسرے کے لئے وہ نقصاندہ نہیں تھا۔ جب وہ دونوں یکساں نہیں تھے تو دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ بھی نہیں کیا گیا۔ ہاں! اگر دونوں یکساں ہوتے یعنی وہ مشروب دونوں میں سے کسی کے لئے نقصان دہ نہیں

ہے اور اس کے اندر حرام اجزا شامل نہیں ہیں تو دونوں کو اجازت دی جاتی۔ چنانچہ یکساں افراد یا چیزوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا اور مختلف چیزوں یا افراد کے ساتھ مختلف معاملہ کرنا، یہ دراصل مساوات ہے۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم یہ کیسے طے کریں کہ یہ دو چیزیں یکساں ہیں یا یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں؟ ایک ضابطہ اسی وقت قابل عمل ہوتا ہے جب وہ مکمل طور پر آپ کی رہنمائی کرے۔ لیکن یہاں پر مساوات کا ضابطہ ہماری مکمل رہنمائی نہیں کرتا، وہ تو بس یہی کہتا ہے کہ یکساں کے ساتھ یکساں معاملہ اور متفرق کے ساتھ الگ معاملہ کرنا۔ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ یکساں کیا چیز ہے اور متفرق کیا ہے، اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ کیونکہ ہو سکتا ہے جس کو میں یکساں سمجھ رہا ہوں آپ اس کو یکساں نہ سمجھتے ہوں، پھر اختلاف ہو جائے گا۔ آپ کہیں گے کہ میں مساوات کر رہا ہوں جبکہ میں کہوں گا کہ آپ برابری نہیں کر رہے۔ میرے نزدیک مساوات ہو رہی ہے اور میں بااخلاق ہوں اور آپ کے نزدیک میں بداخلاق ہوں۔ اس طرح تو کسی چیز پر اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی بات پیٹر ویسٹن نے کہی ہے۔ ذیل میں ایک بہت ہی معتبر جرنل **HARVARD LAW REVIEW** کا حوالہ ہے، جس میں پیٹر ویسٹن کی کتاب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر آپ کو سمجھ جائے گا کہ مساوات کے اس ضابطے میں بنیادی خرابی کیا ہے:

VOLUME 95 JANUARY 1982 NUMBER 3

HARVARD LAW REVIEW

THE EMPTY IDEA OF EQUALITY

*Peter Westen**

The principle of equality — that likes should be treated alike — has been a fixture of Western thought for thousands of years. In this Article, Professor Westen argues that the endurance of the principle is due to the fact that it is empty of content. For the principle to have meaning, it must incorporate some external values that determine which persons and treatments are alike, but once these external values are found, the principle of equality is superfluous. Worse, equality tends to cause confusion and logical errors. Consequently, Professor Westen concludes, the rhetoric of equality should be abandoned.

ترجمہ: ضابطہ مساوات یعنی یکساں چیزوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا ہزاروں سالوں سے مغربی فکر کی اہم بنیاد رہا ہے۔ اس مضمون میں پروفیسر ویسٹن نے دلیل دی ہے کہ کی سی بھی ضابطہ کی اچھائی یا برائی اس بات پر مبنی ہے کہ اس ضابطے میں کوئی مواد ہے یا نہیں ہے (یعنی یہ ضابطہ ہمیں یہ نہیں بتارہا ہے کہ مساوات کے لئے ہمارے پاس کون سا پیمانہ ہونا چاہئے، ہم کس طرح سے یہ سمجھیں کہ دولوگ ایک جیسے ہیں یا دولوگ الگ الگ ہیں)۔ اس ضابطہ کے بامعنی ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں کچھ بیرونی اقدار بھی شامل ہوں جن سے ہمیں یہ پتہ چلے کہ کون سے افراد اور سلوک یکساں ہیں۔ لیکن جب یہ بیرونی اقدار مل جاتی ہیں تو مساوات کا یہ ضابطہ بیکار ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ مساوات کا ضابطہ انسان کے اندر الجھن اور عقلی غلطیوں کا سبب بنتا ہے۔ نتیجتاً، پروفیسر ویسٹن نے اس کا نتیجہ یہ اخذ کیا کہ ضابطہ مساوات کو چھوڑ دینا چاہیے۔ (ترجمہ ختم شد)

یہ دراصل **HARVARD LAW REVIEW** کا جو ادارتی پینل ہے ان کی طرف سے تبصرہ ہے اور یہ پیٹر ویسٹن کے پورے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اس سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ مساوات یہ ہے کہ دو یکساں چیزوں یا انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا اور الگ الگ چیزوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ کرنا، یہ مساوات ہے۔

دو مکاتب فکر

مساوات کے حوالہ سے دو مکاتب فکر (**Schools of Thought**) پائے جاتے ہیں:

۱۔ **Egalitarianism**: (مساوات پرستی) ان کے نزدیک بس مساوات ہی مساوات ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی یہ مساوات کو اس لئے اہم سمجھتے ہیں چونکہ وہ مساوات ہے۔

۲۔ **Prioritarianism**: (ترجیح پسندی) یہ وہ لوگ ہیں جو ایک کو دوسرے کے اوپر ترجیح دے سکتے ہیں اگر کوئی معقول وجہ ہے تو۔

لبرلزم عام طور سے "مساوات پرستی (Egalitarianism)" کے اوپر مبنی ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کو لبرلزم بڑھاوا دیتا ہے ان میں سے ایک مساوات ہی ہے۔ گویا کہ مساوات بذات خود فطری طور پر ایک ایسی اہم چیز ہے جس کو کو بڑھاوا دینا چاہئے۔ ایسے لوگ جو مساوات کو فطری طور پر اہم ترین قدر مانتے ہیں، اہم ترین مقصدِ زندگی مانتے ہیں، ایسے لوگوں کو "مساوات پرست (Egalitarians)" کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ ایسا نہیں مانتے ان کو "ترجیح پسند (Prioritarians)" کہا جاتا ہے۔

اب ہم ان دونوں مکاتب فکر کے نقطہ نظر دیکھ لیتے ہیں۔ ایک نہایت معتبر انسائکلوپیڈیا ہے Internet encyclopedia of Phycology جس کا مخفف ہے iep، ذیل میں اس کا لنک بھی موجود ہے۔ وہاں سے دو پیراگراف نقل کیے جا رہے ہیں:

<u>Egalitarianism</u> is the position that equality is central to justice. It is a prominent trend in social and political philosophy and has also become relevant in moral philosophy (moral egalitarianism) since the late twentieth century.

مساوات پرستی ایک ایسا موقف ہے جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مساوات انصاف کی بنیاد ہے۔ (یعنی اگر مساوات نہیں تو انصاف نہیں) یہ سماجی اور سیاسی فلسفے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور بیسویں صدی کے اواخر سے اخلاقی فلسفہ میں بھی اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے (یعنی یہ ایک ضابطہ اخلاق بن گیا ہے۔ اگر آپ مساوات کے قائل ہیں تو آپ با اخلاق ہیں ورنہ آپ کے اندر اخلاقیات ہی نہیں ہے)۔

<u>Prioritarians</u> think, firstly, that equality itself cannot be a foundation of justice and that it is no important irreducible aim of justice, it has no intrinsic moral worth.

https://iep.utm.edu/moral-egalitarianism/

ترجیح پسند یہ سمجھتے ہیں کہ مساوات بذات خود انصاف کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کوئی انصاف کا ناقابل تبدیل، اہم ترین مقصد نہیں ہے (کہ انصاف بس اسی کے اوپر ٹکا ہوا ہو)۔ اس کی اپنی فطری طور پر کوئی قدر یا اہمیت نہیں ہے (یعنی ایسا نہیں ہے بذات خود مساوات کوئی اہم ترین چیز ہو، بلکہ یہ تو ایک خالی گلاس ہے، خالی گلاس کی کیا اہمیت، جب تک کہ آپ اس کے اندر کچھ ڈال کر اسے بھر نہ لیں)

عام طور سے لبرلز مساوات پرست (Egalitarians) ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک مساوات اس لیے اہم ہے کہ مساوات اہم ترین چیز ہے۔ اب ہم ان دونوں مکاتب فکر کے دلائل دیکھ لیتے ہیں۔

Egalitarians (مساوات پرست) کے دلائل:

1۔ سب سے پہلی دلیل تو گولڈن رول ہی ہے۔ اور جو دلائل گولڈن رول کے ہیں وہی Egalitarians کے بھی ہیں۔ چونکہ گولڈن رول کی بنیاد پر ہی تو مساوات آگے بڑھی ہے۔ اور ہم گولڈن رول کو ابھی پڑھتے چلے آئے ہیں، اس کی ساری خرابیاں بھی بیان ہو چکی ہیں، اور اس کا بدل بھی ہم نے پیش کر دیا تھا۔ لہذا یہاں گولڈن رول پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

2۔ ان کی دوسری دلیل اسی انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے۔ ایک شخص ہے جس کا نام ہے آئزیا برلن (Isaiah Berlin) اس کا ایک تحقیقی مضمون ہے جس کا عنواہے **Equality as an Ideal** یعنی "مساوات خود ہی ایک آئیڈیل چیز ہے"۔ مساوات بذات خود ایک اہم ترین قدر ہے۔ یہ مضمون اس نے 1955-56 کے آس پاس لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

- Isaiah Berlin stated in 'Equality as an Ideal' (1955/56) that equality does not need any justification, but only inequality does .Ex, Cake vs 10 people

مساوات فطری طور پر اہم ترین قدر اس لئے ہے چونکہ مساوات کو کسی معقول توجیہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عدم مساوات کو معقول توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے ایک کیک بمقابلہ 10 افراد۔

اس سے ثابت ہوا کہ مساوات ایک فطری چیز ہے اور فطری چیزوں کو توجیہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ مثال دیتا ہے کہ اگر ایک کیک ہے اور دس لوگ ہیں، اب اگر آپ اس کیک کے دس برابر حصے کر کے دس لوگوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیں تو اس کی آپ کو کوئی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا۔ لیکن اگر آپ دس لوگوں کے درمیان برابر سرابر کیک تقسیم نہ کریں بلکہ کسی کو زیادہ دیں اور کسی کو کم دیں یا کسی کو بالکل نہ دیں، تو اب چونکہ عدم مساوات ہے لہذا آپ کو معقول توجیہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ تو مساوات کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، عدم مساوات کے لیے دلیل کی ضروت پڑتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مساوات فطری چیز ہے۔ یہ ان کی دلیل ہے، اور اس دلیل کو بیان کرے والا ہے آئزیا برلن۔

اس دلیل کا جواب بھی اسی انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہے، جسے ترجیح پسند (Prioritarians) لوگ دیتے ہیں:

He does not know, whether the people should be treated equally concerning a special respect, which could justify an equal distribution, or vice versa.

The equal distribution has no moral advantage with regard to the unequal distribution.

تقسیم کرنے والے کے پاس پہلے سے ایسی معلومات کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ مجھے مساوات کے ساتھ تقسیم کرنا چاہئے یا عدم مساوات کے ساتھ تقسیم کرنا چاہئے۔ برابر سرابر تقسیم کی غیر مساوی تقسیم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اس پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ مساوات کی تعریف ہی یہ ہے کہ یکساں لوگوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا اور مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف معاملہ کرنا، اب جس شخص نے کیک کاٹا، وہ سارے لوگوں کو برابر سرابر کیک دیئے جا رہا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کچھ لوگوں کو شوگر ہے، لیکن وہ ہر کو مساوی طور پر دیئے جا رہا ہے۔ تو کیا یہ اس کی مساوی تقسیم درست ہے؟ نہیں! یا وہ برابر سرابر تقسیم نہیں کر رہا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ دو لوگوں کو گ شوگر ہے لہذا اس نے آٹھ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اب وہ دو لوگ کہنے لگے کہ ہمیں کیک کیوں نہیں دیا؟ تو تقسیم کرنے والے نے کہا کہ تم نے تو کہا تھا کہ تمہیں شوگر ہے، تو وہ دونوں کہنے لگے کہ ہمارا علاج ہو گیا ہے اور اب ہم بالکل صحت مند ہیں۔ اب دیکھیں کہ اس تقسیم کنندہ کے ذہن میں ایسی کوئی معلومات نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ کہے کہ مساوی تقسیم غیر مساوی تقسیم سے افضل ہے یا غیر مساوی تقسیم مساوی تقسیم سے افضل ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مساوات کچھ بھی نہیں ہے، اصل چیز اس کے پیچھے کی وجہ ہے۔ اگر تقسیم کنندہ یہ سمجھتا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی شوگر نہیں ہے اور سارے لوگ برابر ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ برابر تقسیم نہیں کرتا تو یہ غلط ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ یہ سب لوگ برابر نہیں ہیں، ان میں سے دو لوگوں کو شوگر ہے وہ کیک نہیں کھا سکتے، اس کے باوجود وہ سب کو زبردستی کیک کھلا رہا ہے تو یہ مساویانہ تقسیم بھی غلط ہے۔ لہذا جس طرح غیر مساوی تقسیم غلط ہو سکتی ہے اسی طرح مساوی تقسیم بھی غلط ہو سکتی ہے۔ جس طرح غیر مساوی تقسیم کے لئے معقول توجیہ کی ضرورت پڑتی ہے بالکل اسی طرح مساوی تقسیم کے لئے بھی معقول توجیہ ضروری ہے۔

اس پوری تفصیل سے یہی بات ثابت ہوا کہ مساوات ایک خالی برتن ہے۔ اصل چیز مساوات نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آپ اس خالی برتن کو کیسے بھر رہے ہیں اور کس چیز سے بھر رہے ہیں۔ یہ ترجیح پسندوں کی طرف سے مساوات پرستوں کی دلیل کا جواب ہے۔

Prioritarians(ترجیح پسند) کے دلائل:

ان کی بھی دو دلیلیں ذکر کرتا ہوں۔ یہ دلائل بھی اسی انسائکلوپیڈیا میں موجود ہیں۔ پہلی دلیل:

-In cases of people's hunger and illness or deficiency of goods they should be helped because hunger, illness, and deficiency of goods are terrible circumstances for every human being and not because other people are in a better condition.

https://iep.utm.edu/moral-egalitarianism

ترجیح پسند مساوات پرستوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارے نزدیک مساوات بذات خود فطری طور پر ایک اچھی چیز ہے، اگر ہم اس چیز کو مان لیں تو ہم ایک مثال دیتے ہیں، اس مثال سے اس کو سمجھا جائے۔ مثال یہ ہے کہ کسی علاقہ میں بھوک مری پھیل گئی، بیاماری پھیل گئی یا اشیاء کی قلت ہو گئی، اس مقابلے میں دوسرے علاقہ میں نہ بھوک مری ہے، نہ بیماری ہے، نہ اشیاء کی قلت ہے، لوگ خوش باش رہ رہے ہیں، تو اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ جس علاقہ میں قحط سالی اور بیماریاں پھیلی ہیں وہاں کے لوگوں کی مدد کس بنیاد پر کرنی چاہئے؟ کیا اس بنیاد پر ان کی مدد کرنی چاہئے کہ بیماری، قحط سالی اور اشیاء کی قلت وغیرہ سب برے احوال ہیں اور ان احوال کے برے ہونے کی وجہ سے ان کی مدد کرنی چاہئے؟ یا پھر اس لئے مدد کرنی چاہئے کہ دوسرے علاقہ کے لوگ چونکہ خوش باش ہیں بہتر حالت میں ہیں، اس لئے قحط زدہ لوگوں کی وہ مدد کریں؟ ظاہر ہے کہ قحط سالی سے متاثرہ لوگوں کی مدد اس لئے کی جاتی ہے کہ قحط سالی کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اس لیے مدد نہیں کی جاتی کہ دوسرے علاقے میں قحط سالی نہیں ہے لہذا ان کی مدد کر کے انہیں بھی خوش حال لوگوں کے برابر کر دیا جائے۔ اگر مساوات بذات خود ایک اچھی قدر ہوتی تو ہر جگہ ہر انسان قحط زدلوگوں کی مدد اس لئے کرتا تاکہ وہ ان لوگوں کے برابر آجائیں جو قحط زدہ نہیں ہیں۔ جبکہ لوگ اس لئے مدد کرتے ہیں چونکہ قحط زدہ ہونا ایک بری حالت ہے۔ اور بری حالت سے دوسروں کو نکالنا چاہیے۔ یہ ان کی پہلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل کا نام ہے:-**Levelling down objection**

یعنی کسی چیز کو مسمار کر کے برابر کر دینا۔ اگر ہم مساوات کو ایک اعلی ترین قدر مان لیں تو اس سے جو مسئلہ پیش آئے گا اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ مثلا ایک علاقہ میں غربت پھیلتی جا رہی ہے، اقتصادیات کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ اچانک سے اتنی بری حالت ہو گئی کہ جو امیر طبقہ تھا وہ بھی غریب ہو گیا اور ان کے پاس جو اضافی وسائل اور سرمایہ تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اس صورت میں جو مساوات پرست ہیں انھیں تو بہت اچھا لگے گا کیونکہ مساوات ایک اعلی ترین قدر ہے اور عدم مساوات ایک بری چیز ہے، اسے ختم ہونا چاہئے۔ اب یہ جو بچا کچا امیر طبقہ تھا جو حالات کی وجہ سے غریب ہو گیا تو مساوات پرستوں کے نزدیک ان کا غریب ہو جانا اور ان کے اضافی سرمایہ کا ختم ہو جانا بہت اچھی بات ہے، چونکہ یہ لوگ اب دوسرے غریب لوگوں کے برابر آ گئے۔ لیکن آپ اس کو پسند نہیں کریں گے۔ آپ کہیں گے کہ کسی کے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ ایک اور مثال ہے؛ مثال کے طور پر دو بھائی ہیں جن میں ایک نابینا ہے، دوسرا دیکھ سکتا ہے، نابینا کی بینائی تو واپس نہیں لائی جا سکتی، لیکن بینا کو نابینا تو کیا جا سکتا ہے، جس کی آنکھیں ہیں اس کو اندھا تو کیا جا سکتا ہے، لہٰذا آپ اس کو اندھا اس لیے کر دیں تا کہ وہ نابینا کے برابر ہو جائے اور اس کو یہ احساس نہ ہو کہ میں نابینا ہوں اور میرا بھائی دیکھ سکتا ہے، دونوں برابر ہونے چاہیں۔ اگر آپ مساوات کو فطری طور پر اتنا ہی اہم سمجھتے ہیں کہ ہر چیز میں مساوات درست ہے تو پھر یہاں پر بھی مساوات درست ہونی چاہیے۔ کہ ایک اچھے خاصے آنکھوں والے شخص کو آپ اندھا کر دیں کیونکہ کچھ لوگ نابینا ہیں، کچھ لوگوں کو اس لیے غریب کر دیں کہ دوسرے لوگ بھی غریب ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس چیز کو کوئی بھی درست نہیں کہے گا۔ یہاں تک ہم نے مساوات کے دونوں نقطہ نظر کے دلائل کو دیکھ لیا اور ان کے جوابات بھی دیدیے۔

Gender Equality

جب ہم نے مساوات کے فلسفہ کو اچھی طرح سمجھ لیا تو اب آتا ہے سب سے بڑا مسئلہ یعنی **Gender Equality**(جنسی مساوات، مرد و عورت کے درمیان برابری)۔ سارے کا سارا جھگڑا اسی پر ہے۔ اس موضوع کے آغاز سے اب تک جو کچھ ہم نے

پڑھااس کی غرض یہی تھی، اب ہم Gender Equality کو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کو مساوات کی تعریف یاد ہو گی "جو یکساں ہیں ان کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا اور جو مختلف ہیں ان کے ساتھ مختلف معاملہ کرنا"۔ اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ مرد و عورت کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے یا مختلف معاملہ کیا جائے؟ یہ معاملہ اس بات پر منحصر ہے کہ مرد و عورت یکساں ہیں یا الگ الگ ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ اسلام میں بہت سے معاملات میں مرد و عورت کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ عبادات کی قبولیت، جنت و جہنم میں داخلہ داخلہ وغیرہ۔ لیکن بہت سی چیزوں میں ان کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں کیا گیا۔ مثلاً وراثت میں بھائی اور بہن کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں ہے۔ نان ونفقہ میں میاں بیوی کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں ہے، یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو نان ونفقہ دے۔ اسی طرح سے عدالت میں گواہی کے سلسلہ میں مرد و عورت کے درمیان برابری کا معاملہ نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہے؟ اگر ہم مساوات پرست بن جائیں اور یہ کہیں کہ مساوات بذات خود ایک اہم ترین قدر ہے، تب تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں جو یہ تفریق ہو رہی ہے یہ غلط ہے۔ لیکن اس کے لئے مساوات پرستوں کو اپنا نظریہ یعنی مساوات کا بذات خود ہر جگہ اور ہر موقع پر درست ہونا اور اعلیٰ ترین اخلاقی قدر ہونا پہلے ثابت کرنا پڑے گا اور وہ اس بات کو صبح قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پھر بینا کو نابینا کرنا پڑے گا اور امیر کو غریب کرنا پڑے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا دنیاوی معاملات میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے یا نہیں ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے معاملات میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، جنت جہنم میں فرق نہیں کیا ہے، لیکن دنیا کی ذمہ داریوں کے اندر فرق کیا ہے۔ تو کیا اس فرق اور عدم مساوات کے پیچھے کوئی وجہ ہے؟ اگر کوئی معقول وجہ ہے تو پھر یہ عدم مساوات بالکل ٹھیک ہے اور اگر کوئی معقول وجہ نہیں ہے تو پھر یہ عدم مساوات غلط ہے؟

جسمانی ساخت کے اعتبار سے فرق:

ایک انسان کب انسان بنتا ہے؟ ایک انسان اپنی جسمانی ساخت اور اپنی ذہنی ساخت کی بنیاد پر مکمل انسان بنتا ہے۔ اس کی **Physiology** (جسمانی ساخت) اور اس کی **Psychology** (ذہنی ساخت) اس کو انسان بناتی ہے۔ آپ کسی گدھے کو انسان نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی **Physiology** (جسمانی ساخت) بالکل الگ ہے۔ کسی بندر کو بھی آپ انسان نہیں کہہ سکتے۔ ہاں ملحد

کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمارے ابا ہیں۔ چنانچہ Physiology(جسمانی ساخت)اور Psychology(ذہنی ساخت)بنیاد پر آپ کسی بھی جانور کو جانور یا انسان کو انسان کہتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے کہ Physiologically(یہ سائنس کی شاخ ہے۔ اردو میں اس کو "علم الاعضاء" کہتے ہیں یعنی اعضاء کی تشریح کا علم)انسان کے اعضاء میں بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں؛اس کی ہڈیاں، اعصاب، پٹھے وغیرہ بہت ساری چیزیں ہیں۔ ان سب چیزوں میں مرد وعورت کے درمیان فرق ہے۔

Males typically have proportionately more muscle mass, more bone mass, and a lower percentage of body fat than women.

مردوں میں عام طور سے زیادہ اعصاب ہوتے ہیں، ان کی ہڈیوں کی سائز عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے اور اسی طرح سے عورتوں کے مقابلہ میں ان کے اندر باڈی فیٹ کم ہوتا ہے۔

یعنی Physiologically مرد وعورت کے درمیان ان سب چیزوں میں فرق ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ دونوں ایک ہیں۔ اور یہ جسمانی فرق بھی بہت اہم ہے، اس لئے کہ محنت ومشقت کے کام انسان کے جسم کی ساخت پر منحصر ہوتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اگر آپ مساوات کے اتنے ہی بڑے علمبردار ہیں تو آپ مردوں کی ٹیم کا مقابلہ عورتوں کی ٹیم سے کیوں نہیں کرواتے؟ اگر ورلڈ کپ کا انعقاد کیا جارہا ہے تو مردوں کا ورلڈ کپ الگ ہوتا ہے، عورتوں کا الگ، ایسا کیوں ہے؟ مردوں اور عورتوں کا ایک ساتھ ورلڈ کپ انعقاد کرائیں یا کم از کم یہی کر دیں کہ ایک ہی ٹیم میں مرد وعورت مل کر کھیلیں۔ لیکن آپ دیکھ لیں کہ پوری مغربی تہذیب اس جسمانی ساخت کے فرق کو مانتی آئی ہے اور اسی بنیاد پر یہ دنیا چل رہی ہے۔ فوج میں اگر دیکھ لیں تو عورتوں کو وہ ذمہ داریاں دی جاتی ہیں جسے وہ بحسن وخوبی سنبھال سکیں، عام طور سے عورتیں فرنٹ لائن پر نہیں جاتی ہیں۔

نفسیاتی اعتبار سے فرق:

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ نفسیاتی اعتبار سے مرد وعوت کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

Psychology:

Males on average are more assertive and have higher self-esteem. Females were on average higher than males in extraversion, anxiety, trust, and, especially,

tender-mindedness (e.g., nurturance). Men prefer working with things, and women prefer working with people**.**

(A personality trait characterized by intellectualism, idealism, optimism, dogmatism and religiousness. APA**)**

مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ فیصلہ کن ہوتے ہیں اور ان کے اندر زیادہ خود اعتمادی پائی جاتی ہے۔ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں ان چیزوں کے اندر زیادہ ہیں: دوسروں سے میل جول (خاندان کے خاندان انھیں عورتوں کی وجہ سے جڑے رہتے ہیں، اگر خاندان میں عورتیں نہ ہوں تو مرد ایک دوسرے کا منہ ہی نہ دیکھیں)، بے چینی و اضطرابی کیفیت، جلدی اعتماد کرنا، نرم دلی (یہ ایک ایسی صفت ہے جس کی توضیح مندرجہ ذیل چیزوں سے کی جاسکتی ہے، کسی کی علمی برتری کا معترف ہو جانا، زیادہ پر امید ہو جانا، بغیر کسی دلیل کے کسی چیز کو مان لینا، مذہب پسندی۔ یہ تمام چیزیں نرم دلی سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ عورتوں میں زیادہ ہیں بنسبت مردوں کے) مرد مختلف اشیاء کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ عورتیں مختلف افراد کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

یہ فرق ہیں مردوں اور عورتوں کے درمیان۔ اس سے ثابت ہوا کہ جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے مرد و عورت یکساں نہیں ہیں۔ مزید وضاحت کے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ ایک بہت معتبر میگزین ہے **live science**، اس کی ویب سائٹ سے یہ اقتباس نقل کیا جارہاہے:

The results show that about 18 percent of women share similar personalities with men, and 18 percent of men share similar personalities with women. But the majority of women have personality traits that are quite distinct from those of men, and vice versa, the researchers say.

Men tend to be more dominant (forceful and aggressive) and emotionally stable, while women tend to be more sensitive, warm (attentive to others) and apprehensive, the study found.

"Psychologically, men and women are almost a different species," said study researcher **Paul Irwing**, of the **University of Manchester**, in the United Kingdom.

https://www.livescience.com/36066-men-women-personalitydifferences

نتائج سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے اندر 18 فیصد مردوں والے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے اندر 18 فیصد شخصیت عورتوں والی پائی جاتی ہے۔ لیکن اکثر عورتوں کی شخصیت کے اندر ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو مردوں کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہیں۔ ایسے ہی مردوں کی اکثریت میں شخصیت کے اعتبار سے ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو عورتوں کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہیں۔

مرد زیادہ غلبہ پسند ہوتے ہیں، زیادہ دوسرے کو مجبور کرنے والے اور متشدد ہوتے ہیں اور ان کے اندر اپنے جذبات پر کنٹرول زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ خواتین زیادہ حساس، ہمدرد (دوسروں کی طرف توجہ دینے والی) اور جلد پریشان ہونے والی ہوتی ہیں۔ اس تحقیق سے یہ سب پتا چلا ہے۔

برطانیہ میں مانچسٹر یونیورسٹی کے مطالعہ کے محقق پال اروِنگ (جو اس مقالے کے مصنف ہیں) نے کہا، "نفسیاتی طور پر، مرد اور عورتیں تقریباً الگ الگ انواع ہیں"۔

تو اگر یہ دونوں بالکل الگ الگ انواع ہیں تو پھر ان کو ایک جیسا ٹریٹ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ مساوات کی تعریف تو آپ نے یہ کی ہے: "یکساں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا اور مختلف چیزوں کے ساتھ مختلف سلوک کرنا"۔ جب مرد اور عورت جسمانی اور نفسیاتی طور سے الگ الگ ہیں تو ان کے ساتھ یکساں معاملہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اگر یکساں معاملہ کیا جائے گا تو اس کی معقول توجیہ نہیں کی جاسکے گی۔ یہ تو خود مساوات کی تعریف کے خلاف ہے۔ لیکن مساوات پرست کہتے ہیں کہ نہیں! چونکہ دونوں انسان ہیں اور مساوات بذاتِ خود فطری طور پر ایک اعلیٰ ترین قدر ہے، لہٰذا ہم تو مرد و عورت کے درمیان ہر چیز میں یکساں معاملہ کریں گے۔ لیکن وہ اس کو ثابت نہیں کرپاتے۔ بقیہ ان شاء اللہ آئندہ درس میں۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

آٹھواں موضوع:

لبرلزم (Liberalism)

درس نمبر: 08

تاریخ: 12 نومبر 2022

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظر ثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمینَ والصلاۃُ والسلامُ علیٰ سیّدِ الأنبیاءِ و المرسلینَ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعینَ۔ أمّا بعدُ!

ہم نے اب تک گولڈن رول(Golden Rule) پر گفتگو کی، اس کے بعد مساوات (Equality) کے اوپر بات کی، کیوں کہ گولڈن رول ہی مساوات کی بنیاد ہے، اس لیے ہم نے ثابت کیا کہ یہ رول بالکل غیر عقلی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ عدم توازن (Inconsistency) پایا جاتا ہے۔ پھر ہم نے مساوات کی حقیقت کھولی۔ اس کے بعد دو مکاتب فکر بیان کیے گیے تھے، ایگلی ٹیر ئنزم (Egalitarianism)اور پرائوری ٹیریٹنزم(Prioritarianism) ۔ ایگلی ٹیر ئنز (Egalitarianism) کے مطابق مساوات برائے مساوات ہونی چاہئے۔ یعنی بذات خود مساوات ایک اعلی ترین اخلاقی قدر ہے۔ اور پرائوری ٹریٹنزم (Prioritarians) کے نزدیک ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ ترجیح دیکھتے ہیں، جہاں یکسانیت ہو وہاں مساوات کرتے ہیں جہاں یکسانیت نہ ہو وہاں مساوات نہیں کرتے۔ پھر ہم نے آخری گفتگو جنسی مساوات (Gender Equality) کے اوپر کی تھی۔ یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے؛ جب اسلام پر بات آتی ہے تو لوگ فوراً الزام لگاتے ہیں کہ اسلام مرد اور عورت کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ تو ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ فزیولوجی (Physiology) یعنی علم الاعضاء اور سائکولوجی (Psychology) یعنی علم نفسیات دونوں سائنسز کی بنیاد پر مرد اور عورتوں کے درمیان فرق ہے۔ جب فرق ہے تو پھر معاملے میں بھی فرق ہوگا اور یہ فرق بالکل درست اور جسٹیفائڈ (Justified) ہے۔ یہ ساری باتیں ہو چکی ہیں، اب ہم اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

Religious Equality

آج کا پہلا مسئلہ ہے Religious Equality یعنی مذہبی مساوات۔ چونکہ لبرلز کے یہاں مساوات بے انتہا ضروری ہے اور جہاں مساوات نہیں وہاں ظلم ہے اس لیے لبرلز کی طرف سے اسلام کے اوپر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں مذہبی مساوات نہیں ہے۔ مسلمانوں کو الگ انداز سے ٹریٹ کیا جاتا ہے اور غیر مسلمانوں کو الگ انداز سے دیکھا جاتا ہے۔ غیر مسلموں پر زیادہ قیود اور پابندیاں ہیں مسلمانوں کے مقابلے میں۔ اس کی مثال یہ دی جاتی ہے اسلامی ریاست میں جو مذہبی اقلیات (Religious Minority) رہتی ہیں، جو جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں رہ رہی ہیں چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا مشرکین ہوں، ان کے

حقوق الگ ہیں اور مسلمانوں کے حقوق الگ ہیں۔ ان کے اور مسلمانوں کے حقوق میں بڑا فرق ہے۔ تو یہ فرق کیوں ہے؟ کیا سب انسان نہیں ہیں؟ محض عقیدے کے فرق کی وجہ سے آپ دونوں طرح کے لوگوں کے درمیان فرق کیسے کر سکتے ہیں؟ اب مسلم و غیر مسلم کے حقوق کا فرق کہاں ہے، میں اسلامی قوانین کی دو مثالوں کے ذریعے اس فرق کو واضح کرتا ہوں:

پہلی مثال تو یہ ہے کہ غیر مسلموں کو ایک مسلم ریاست میں امن و امان کے ساتھ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جزیہ دیں۔ مسلمان کے اوپر جزیہ نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان زکاۃ دیتا ہے اور غیر مسلم زکاۃ نہیں دیتے۔ لیکن ہمیں یہ فرق ذہن میں رکھنا چاہئے کہ زکاۃ ایک عبادت ہے جبکہ جزیہ عبادت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے اسلامی ریاستوں کا یہ عمل رہا ہے کہ جو اموال ظاہرہ ہیں یعنی گائے، بھینسیں، اونٹ وغیرہ ان کی زکاۃ حکومت وصول کرتی ہے۔ لیکن جو اموال باطنہ ہیں جیسے سونا، چاندی، نقدی، زیورات، مال تجارت وغیرہ ان کی زکاۃ حکومت وصول نہیں کرتی۔ تو ایک مسلمان اگر سونا چاندی یا مال تجارت کے اوپر زکاۃ نہیں بھی دے رہا، تو اس سے حکومت کو کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ عند اللہ جواب دہ ہوگا۔ لیکن جزیہ ایسی چیز ہے کہ غیر مسلموں کو دینا ہی پڑے گا۔ البتہ غیر مسلموں کے بھی کچھ افراد جزیہ سے مستثنٰی ہیں، جیسے ان کی مذہبی شخصیات، چھوٹے بچے یا ایسے بوڑھے جو کام نہیں کر سکتے وغیرہ۔ لیکن جن کو دینا ہے ان کو لازمی دینا ہے، وہ بچ نہیں سکتے۔ اگر کوئی ذمی جزیہ نہیں دیتا ہے تو اسلامی ریاست جو اس کو تحفظ اور امن و امان فراہم کرتی ہے، وہ اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ایک مسلمان ٹیکس ادا نہیں کرتا یا زکاۃ نہیں دیتا تو ایسا نہیں ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے حاصل ہونے والا امن و امان یا تحفظ اس سے ہٹا لیا جائے گا۔ تو آخر یہ فرق کیوں ہے؟ کہ آپ مسلمان سے تحفظ نہیں ہٹاتے، غیر مسلم سے تحفظ ہٹا لیتے ہیں؟ ایک مسلمان کو اپنے تحفظ کے لئے پے منٹ نہیں کرنا پڑتا، غیر مسلم کو اپنے تحفظ کے لیے پے منٹ کرنا پڑتا ہے؟ یہ تو عدم مساوات ہے۔

دوسری مثال ہے انسیسٹ (Incest) یعنی نکاحِ محارم۔ اس کا مطلب ہے محرم رشتے داروں سے یا خونی رشتے داروں سے نکاح کرنا یا جسمانی تعلق قائم کرنا۔ بہت سے مذہبوں میں اس کی اجازت ہے، لیکن اگر اس مذہب کے ماننے والے اسلامی ریاست میں رہیں گے تو وہ اپنی اس اجازت کے اوپر عمل نہیں کر سکیں گے۔ مثلاً فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مجوسیوں کے یہاں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے محارم یعنی اپنی ماؤں اور بہنوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اب یہ کہاں تک صحیح ہے، اس کے لئے آپ کو تاریخ میں جانا پڑے گا اور مجوسیوں کی کتابیں کھنگالنی پڑیں گی۔ البتہ آج کی تاریخ میں اگر ہم دیکھیں تو ساؤتھ انڈیا کے ہندوؤں

میں یہ بات ہے کہ ماموں اپنی بھانجی سے شادی کرلیتا ہے، بلکہ پہلا حق ماموں کا ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ نکاح محارم میں شامل ہے اور اسلامی اعتبار سے یہ بالکل جائز نہیں ہے۔ اب اگر ایسے لوگ اسلامی ریاست میں جزیہ دے کر بھی رہ رہے ہیں تو بھی وہ اپنے مذہب اور روایت کے اوپر عمل نہیں کرسکتے، جبکہ ایک مسلمان کو اپنے مذہب اور روایات پر عمل کرنے کا مکمل حق ہے جبکہ وہ جزیہ نہیں دے رہا ہے۔ تو جو مذہبی مساوات ہونی چاہئے وہ نہیں ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ مساوات کی تعریف یہی ہے کہ جو یکساں معاملات ہیں ان کو یکساں ٹریٹ کرنا ہے اور جو الگ الگ چیزیں ہیں ان کے ساتھ الگ الگ معاملہ کرنا ہے۔ جو مسلمان شہری اسلامی ریاست میں رہتے ہیں وہ سارے کے سارے یکساں ہیں لیکن جو غیر مسلم وہاں رہتے ہیں وہ آپس میں تو یکساں ہیں لیکن غیر مسلم اور مسلم دونوں اپنے اسٹیٹس (Status) میں یکساں ہوں، یہ درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ایک قوم (مسلمان) اس مذہب (اسلام) کی تعلیمات پر عمل کرتی ہے جس کو ریاست درست سمجھتی ہے، جس کی بنیاد پر ریاست قائم ہے جبکہ دوسرے (غیر مسلم) ایسے کفریہ مذہب کے اوپر عمل کرتے ہیں کہ جس کو اسلامی ریاست غلط تصور کرتی ہے۔ ایک طرف حق ہے اور دوسری طرف باطل ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ جب دونوں برابر نہیں ہیں تو دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور برابری کا معاملہ نہ کیا جانا، غیر مساوی چیزوں کے ساتھ عدم مساوات کرنا ہی مساوات ہے۔ یعنی مساوات یہی ہے کہ مختلف چیزوں کو الگ ٹریٹ کرو۔ تو اگر غیر مسلم اور مسلمانوں کے ساتھ الگ الگ ٹریٹ کیا جارہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہی مساوات کا تقاضہ ہے، یہ مساوات کے اصول کے عین مطابق ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ خود مغربی تہذیب میں توازن کا فقدان (inconsistency) ہے۔ ایک طرف یہ مسلمانوں کو درس دیتے ہیں کہ تمہارے یہاں مساوات نہیں ہے لیکن جب ہم ان کے یہاں لبرل ریاستوں میں دیکھتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ اگر ہمارے یہاں بظاہر مساوات نہیں ہے تو ان کے یہاں تو مساوات کا دور دور تک کوئی تذکرہ بھی نہیں ہے۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی ہے کہ ایک غیر مسلم اگر یہ سمجھ رہا ہے کہ میں مسلم ریاست میں دوسرے درجے کا شہری ہوں تو اس کے لئے اسلام قبول کرکے وہی حقوق حاصل کرنا بہت سان ہے، جو حقوق ایک مسلمان کے ہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ چاہے وہ بطور نفاق بھی اسلام قبول کررہا ہے، اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اس کا دل چیر کر دیکھے کہ اس نے صحیح طریقہ سے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر

آپ لبرل اور سیکولر ریاستوں میں جا کر دیکھیں، ان میں عدم مساوات بظاہر مذہب کی بنیاد پر تو نہیں ہے، لیکن جن بنیادوں کے اوپر ہے وہ بڑی عجیب و غریب ہیں۔

Birth based inequality

مثال کے طور پر سب سے پہلی بنیاد ہے پیدائش Birth based inequality۔ یعنی اگر آپ اس ملک میں پیدا نہیں ہوئے تو آپ کے حقوق الگ ہیں۔ آپ کو وہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے جو وہاں کے پیدائشیوں کو حاصل ہیں۔ بلکہ آپ آسانی سے وہاں جا بھی نہیں سکتے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلادیش، سری لنکا جیسے ممالک کے باشندے اگر یوروپ وامریکہ آنے کی کوشش کریں توان کو ویزہ ملنے میں جتنی پریشانیاں ہوتی ہیں وہ ساری دنیا کے سامنے واضح ہے۔ کیوں ان ممالک کے لوگوں کو ویزہ ملنے میں دقت ہے؟ محض اس لئے کہ وہ امریکہ یا یوروپ میں پیدا نہیں ہوئے؟ حالانکہ پیدا ہونا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ لیکن ایک غیر اختیاری چیز کے اوپر آپ نے ایسا امتیازی سلوک کیا۔ اگر یورپ سے کوئی امریکہ آتا ہے تو بغیر ویزہ کے آجاتا ہے، دوسرے ممالک جیسے سعودی عرب، قطر یا دبئ کے باشندے اگر امریکہ آنا چاہتے ہیں تو ویزہ ضرور لینا پڑتا ہے لیکن ان کو بہت آسانی کے ساتھ ویزہ مل جاتا ہے۔ وہی امریکہ جانے کے لئے یا یورپ جانے کے لیے اگر آپ کے پاس ہندوستانی، پاکستانی، افغانی، یا سریلنکن پاسپورٹ ہے، تو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ تو یہ Birth based inequality ہے جو سیکیولر ریاستیں آج سے نہیں ہمیشہ سے کرتی چلی آرہی ہیں۔

اسی طریقے سے ابھی تین چار سال پہلے انڈیا میں ایک قانون بل کی شکل میں آیا سی اے اے (CAA) یعنی سٹیزنشپ امینڈمینٹ ایکٹ (Citizenship Amendment Act)۔ اس بل میں یہ تھا کہ افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو مذہبی اقلیتیں ہیں یعنی غیر مسلم ہیں اگر وہ انڈیا آکر یہاں کی شہریت لینا چاہیں تو ان کو شہریت دے دی جائے گی اگر وہ یہ ثابت کردیں کہ ہم پر وہاں ظلم ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو ریاست ہے اور خود کو سیکیولر کہتی ہے تو پھر وہ مذہب کی بنیاد پر تفریق نہیں کر سکتی، پیدائش کی بنیاد پر بھی نہیں کر سکتی کہ اگر آپ فلاں فلاں جگہ پر پیدا ہوئے ہیں اور آپ غیر مسلم ہیں تو ہم آپ کو شہریت دیں گے۔ اگر آپ ظلم کی بنیاد پر شہریت دیتے ہیں تو پھر مسلمانوں کو بھی دیں غیر مسلم کو بھی دیں۔ لیکن آپ صرف غیر مسلم کو دے رہے وہ بھی ان غیر مسلموں کو دے رہے ہیں جو صرف ان تین ممالک کے اندر پیدا ہوئے۔ اب مثال کے طور پر اگر ایک ہندو سری لنکا میں پیدا ہوا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ مجھ پہ یہاں ظلم ہوا ہے، مجھے بھی ہندوستان کی شہریت دی جائے تو اس کو شہریت نہیں ملے گی۔ یہ ہے

Birth based inequality۔ ایک طرف آپ لبرلزم کا ڈھونگ رچاتے پھرتے ہیں اور دوسری طرف آپ پیدائش کی بنیاد پر تفریق کرتے ہیں اور اعتراض اسلام کے اوپر کرتے ہیں کہ اسلام میں مذہبی مساوات کیوں نہیں ہے۔

Racial inequality

صرف اتنا ہی نہیں، لبرل ریاستوں میں نسلی عدم مساوات (Racial inequality) بھی ہے۔ یعنی نسل پرستی پر مبنی عدم مساوات۔ آپ اسرائیل کی مثال لے لیں؛ اسرائیل کے دستور (Constitution) میں یہ واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ اسرائیل ایک سیکیولر ریاست ہے (بظاہر)، لیکن عملی اعتبار سے وہ سیکولر ریاست نہیں ہے۔ آپ اسرائیل کا قانون دیکھیں تو اس میں ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اگر کوئی یہودی پیدا ہوا جو کبھی اسرائیل گیا بھی نہیں، وہ صرف اسرائیلی سفارت خانے میں جا کر اپنے پیدائشی یہودی ہونے کا ثبوت دے دے، تو اس کو اسرائیل کی شہریت مل جائے گی۔ بلکہ اس کو وہاں کا ٹکٹ بھی دیا جائے گا کہ آپ یہاں آیئے یہ آپ کا مادر وطن ہے، یہاں آپ کو رہنا ہے۔ لیکن جو یہیں اسرائل میں پیدا ہوا جو کہ اصل میں فلسطین ہے، اور وہ غیر یہودی ہے یعنی مسلمان ہے اور سن 60 میں جو جنگ ہوئی تھی اس وقت وہ وہاں سے چلا گیا تھا، اب وہ واپس آنا چاہتا ہے اپنے وطن میں کہ یہ ہمارا وطن ہے، ہمارا یہاں مکان ہے، ہم یہاں رہتے تھے، تو ان کو واپس آنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہے Racial inequality، یعنی نسل پرستی کی بنیاد پر عدم مساوات۔ اسرائیل وہ ملک ہے کہ جس کو ساری دنیا اپنا دوست تسلیم کرتی ہے۔ جس کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مشرق وسطی کے اندر سب سے زیادہ لبرل، سب سے زیادہ پروگریسو اور سب سے زیادہ مبنی بر انصاف ریاست ہے۔ تو مبنی بر انصاف ریاست کے اندر اگر یہ صورت حال ہے کہ وہاں عدم مساوات ہے وہ بھی نسل کی بنیاد پر، تو پھر ہم لبرل ریاستوں سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر اسلام سے کیا تکلیف ہے؟ اور اسلامی ریاست سے کیا تکلیف ہے؟ اگر وہاں عدم مساوات ہے تو ہم بھی حق بجانب ہیں کہ ہم اقلیت کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو مسلم عوام کے ساتھ آپ کے یہاں کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حقیقت اس کے بر خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم ریاستوں کے اندر جو اقلیتیں رہتی ہیں ان کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے:

لَهُم مَالِلمُسلِمِين و عليهم ما علَى المسلِمِين۔ یعنی ان کے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں کی ہیں۔ بلکہ بعض معاملات میں ان کو وہ حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو حاصل نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر دو ذمی اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے آپس میں شراب کا معاملہ کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے شراب کی خرید و فروخت

ایسے ہی ہے جیسے کسی شربت، سرکہ یا پانی کی خرید و فرخت کرنا۔ لیکن ایک مسلمان شراب فروخت نہیں کر سکتا۔ ذمی شراب بھی فروخت کر سکتا ہے، شربت بھی فروخت کر سکتا ہے، یہ اس کو ایک اضافی حق ہے۔

اسی طریقے سے مسلمان خنزیر کا گوشت فروخت کر سکتا ہے نہ ہی خرید سکتا ہے، لیکن ایک غیر مسلم اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے خنزیر کا گوشت فروخت بھی کر سکتا ہے خرید بھی سکتا ہے۔ اس کے لئے بکری، گائے، مرغی، خنزیر تمام جانوروں کا گوشت جائز ہے، وہ ان کی خرید و فروخت کر سکتا ہے، جبکہ ایک مسلمان نہیں کر سکتا۔ تو غیر مسلم کو وہ حق حاصل ہے جو مسلمان کو نہیں ہے۔

اسی طریقے سے ایک غیر مسلم کو اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے اپنے پرسنل لاء کے اوپر عمل کرنے کی بھی اجازت ہے یعنی وہ نکاح، طلاق اور وراثت جیسے مسائل میں ایک حد اور دائرے میں رہتے ہوئے اپنے پرسنل لاء کے اوپر عمل کر سکتے ہیں۔ ہاں نکاحِ محارم کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اگر کسی مذہب کے اندر اس کی اجازت ہے تو وہ ایک انسانی اجازت ہے، وہ خدائی اجازت نہیں ہو سکتی۔ تو یہ جو بظاہر اسلام کے اوپر جو الزام لگتا ہے کہ اسلام میں مذہبی مساوات نہیں ہے، ہم اس مساوات کو بہت آسانی کے ساتھ ثابت بھی کر سکتے ہیں اور اگر کوئی ہم پر عدم مساوات کا الزام لگائے تو یہ عدم مساوات بھی جسٹیفائڈ ہے یعنی بالکل درست ہے۔

Islam is anti Reciprocity?

اگلا سوال جو اسلام پر کیا جاتا ہے وہ Reciprocity ریسیپر وسیٹی کو لیکر ہے۔ ریسیپر وسیٹی کا مطلب ہے باہمی تعاون یا باہمی لین دین۔ یعنی جو میں آپ کو دوں وہی آپ مجھے دیں اور جس طرح میں آپ کے ساتھ تعاون کروں آپ بھی اسی طریقہ سے میرے ساتھ تعاون کریں، یعنی برابر سرابر کا معاملہ ہونا چاہئے۔ ریسیپر وسٹی دراصل مساوات کی ایک دوسری شکل ہے۔ ریسیپر وسیٹی کی بنیاد بھی گولڈن رول ہی ہے۔ دنیا میں اس باہمی تعاون اور یکساں باہمی لین دین کو بہت ہی اعلی اخلاقی قدر کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے اوپر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام ایک اینٹی ریسیپر وسٹی ہے، اسلام میں یکساں

بنیادوں پر باہمی لین دین نہیں ہے۔ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ غیر مسلم ریاستوں میں ان کو وہ حقوق ملیں جو سب کو مل رہے ہیں، لیکن وہی حقوق وہ اپنی ریاستوں کے اندر دینا نہیں چاہتے۔ اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال:

Islamic schools in secular countries vs. non-Islamic schools in Islamic countries.

یعنی اگر مسلمان سیکیولر ملکوں میں رہتے ہیں تو وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو اپنے اسلامی اسکول قائم کرنے کی اجازت دی جائے، انڈیا اس کی ایک درست مثال ہے کہ جہاں کے دستور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اقلیتوں کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور ان کو چلانے کا حق حاصل ہے۔ تو ایک سیکیولر ریاست کو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا کہ اگر کوئی مذہبی اقلیت چاہے وہ مسلمان ہوں یا عیسائی ہوں یہودی ہوں یا کسی بھی مذہب کے ہوں وہ اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور اپنے مذہبی اعتبار سے اپنے طلبا کو نصاب پڑھائیں یا ماحول فراہم کریں۔ لیکن جب آپ اسلامی ریاست کی بات کرتے ہیں تو اسلامی ریاستوں میں ایک ہندو اسکول برداشت نہیں کیا جا سکتا، ایک کیتھولک اسکول برداشت نہیں کیا جا سکتا، اسلامی ممالک کے اندر مشنری اسکولز برداشت نہیں کئے جا سکتے جو عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور عیسائت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسا ڈبل اسٹینڈرڈ (دوہرا معیار) کیوں؟ آپ کو امریکہ یوروپ اور آسٹریلیا، انڈیا یا جہاں بھی سیکیولر ریاستیں ہیں وہاں آپ کو اپنا اسلامی نصاب اور اسلامی ماحول چاہئے لیکن کوئی اسلامی ریاست ہو جیسے سعودی عرب حالانکہ ہم ان ممالک کو پوری طرح اسلامی ریاست نہیں مانتے لیکن اگر کہیں اسلامی ریاست ہو مثلاً افغانستان میں یا قطر میں اگر اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو ان ممالک میں اقلیت کو اپنے مزاج اور ماحول کے مطابق اسکولز قائم کرنے کا حق نہیں ملے گا۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ میں ہو لیکن ایک اسلامی ریاست میں بہرحال نہیں ہے۔ تو ایسا کیوں؟ یہ تو ریسیپروسٹی کے خلاف ہے۔

دوسری مثال:

Hijab in public in secular countries vs. LGBT+ symbols in Islamic countries.

Public places یعنی عوامی جگہوں پر حجاب! آپ پوری مسلم دنیا کو دیکھتے ہیں کہ وہ فرانس کے تعلق سے یہ احتجاج کرتی ہے کہ فرانس میں مسلم خواتین کو عوامی جگہوں پر حجاب اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یونورسٹیوں میں، عدالتوں میں، سرکاری دفاتر

وغیرہ میں حجاب کی اجازت نہیں ہے۔ اور اب تو بعض ممالک اس پر غور کر رہے ہیں کہ کسی بھی عوامی جگہ پر، سڑک پر چلتے ہوئے بھی حجاب پہننے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن مسلمان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حجاب ہمارا حق ہے! ہماری خواتین حجاب لگائیں گی، ایک ریاست کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک مسلم خاتون کے حوالے سے یہ طے کرے کہ انہیں حجاب پہننا ہے یا نہیں۔ یہی بحث انڈیا میں کرناٹکا میں تعلیمی اداروں کے تعلق سے چلی؛ مسلمانوں کا مطالبہ ہوا کہ یہ تو ہمارے تشخص سے متعلق مسئلہ ہے یا مسلم بچیوں کی آزادی سے جڑا مسئلہ ہے، انہیں یہ آزادی ہونی چاہئے کہ وہ کیا پہنیں اور کیا نہ پہنیں۔ حجاب کے تعلق سے حکومت کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ طے کریں کہ انہیں اسکول یونفارم پہننا ہے یا حجاب پہننا ہے۔

تو ایک طرف یہ رویہ ہے مسلمانوں کا، لیکن جب LGBT+ کا مسئلہ آتا ہے، جب ہم جنس پرست لوگ اپنے رویہ کا اظہار کرتے ہیں مختلف سمبلز (علامتوں) کے ذریعہ مثلاً ان کا ریمبو کلر (Rainbow Colour) کا یک نشان ہے، جس کو قوسِ قزح کہا جاتا ہے لیکن قوسِ قزح میں سات رنگ ہوتے ہیں اور اس میں چھ رنگ ہیں۔ یہ ریمبو کلر ان کا سب سے بڑا سمبل اور شعار ہے۔ اگر کہیں پر آپ یہ ریمبو کلر دیکھ لیں تو سمجھ جائیں کہ یہاں LGBT+ کا مسئلہ چل رہا ہے۔ ابھی قطر میں ورلڈ کپ چل رہا ہے تو پوری دنیا کے اندر یہ مسئلہ اٹھا کہ یہاں LGBT+ کو اپنے رویے اور اپنے سمبلز کے اظہار کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ وہ ایسی شرٹز پہن کر کیوں نہیں جاسکتے کہ جس میں LGBT+ کے حق میں سلوگنز (نعرے) لکھے ہوں یا جس میں رینبو کلرز ہوں، یا وہ رینبو کلر والی شرٹ پہن کر یا جھنڈے لیکر کیوں نہیں جاسکتے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ اپنے ممالک کے اندر تو ایسے رویوں کے اظہار کی اجازت نہیں دیتے لیکن سیکیولر ممالک میں آپ کو حجاب کی اجازت چاہئے اور پبلک میں اپنے مذہب کے اظہار کی اجازت چاہئے۔ یہ توریسیپر اسٹی کے خلاف ہے۔ تو اسلام ریسو پر اسٹی کے مخالف ہے، یہ اعتراض عام طور پر کیا جاتا ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب تھوڑا تفصیلی ہے اور اس کے لئے میں چاہوں گا کہ آپ کو ایک اہم اصول اور ضابطہ بتادوں۔ ایک واقعہ یاد آیا ہے امام مسلمؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے، امام شعبیؒ سے ایک خراسانی نے آکر ایک بات پوچھی کہ ہمارے خراسان میں ایک معمول رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کردے تو اس سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تو امام شعبیؒ نے حدیث بیان کی کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرتا ہے تو اس کو دہرا ثواب ہے۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام شعبیؒ

نے کہا: خراسانی اس حدیث کو مفت میں لے لے، ایک زمانہ تھا جب اس سے چھوٹی حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔ تو یہ والا ضابطہ بھی آپ کو ویسے ہی مفت میں مل رہا ہے اور انشاء اللہ آپ کو بڑا فائدہ دے گا۔

درج ذیل تصویر ملاحظہ فرمائیں:

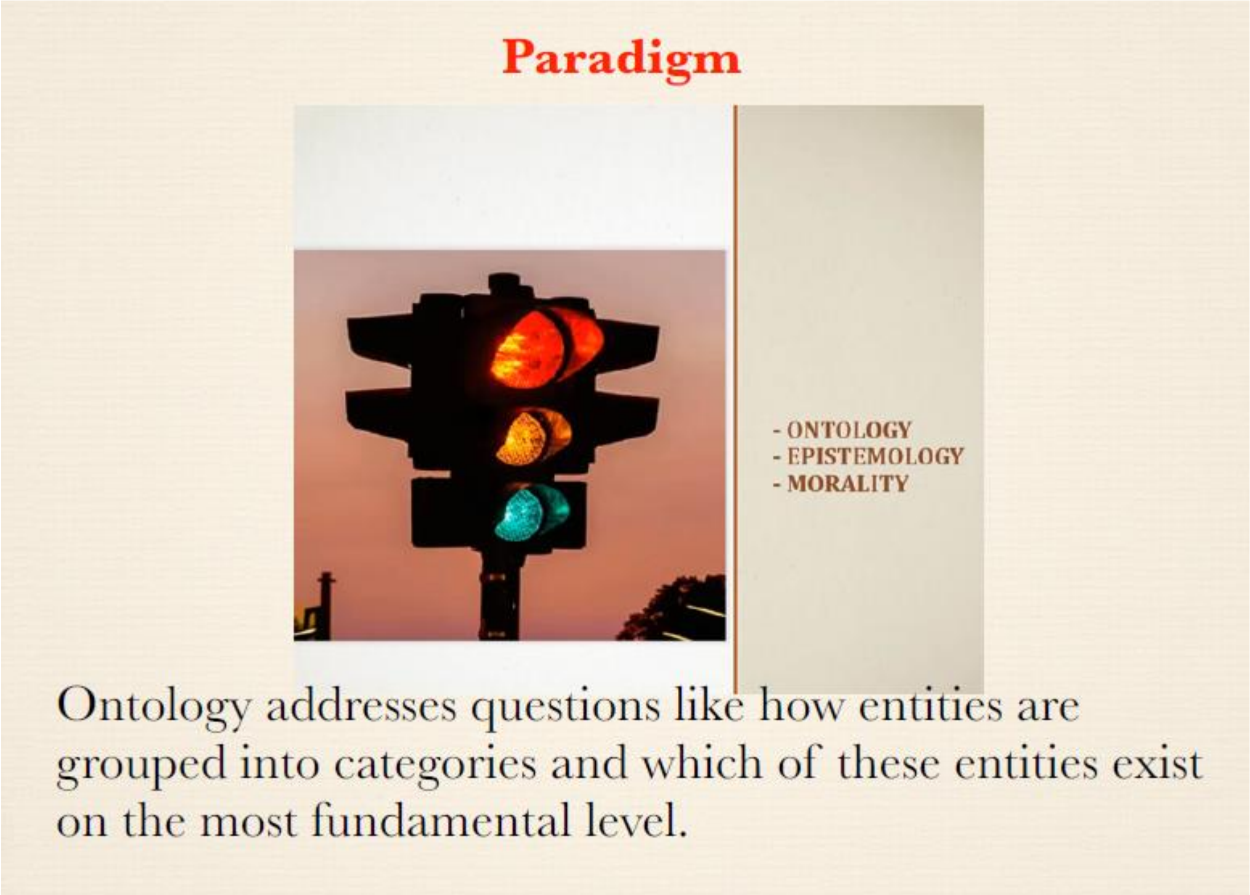

یہ لفظ جو آپ اوپر دیکھ رہے ہیں لال بتی کے اوپر پیراڈائم (**Paradigm**) اس کے لئے اردو میں مجھے کوئی خاص لفظ تو نہیں ملا، اس کے معنی عام طور سے **نمونہ** یا **مثال** سے کیا جاتا ہے، یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے لیکن اس لیے ذکر کر دیا تاکہ آپ کو اس لفظ سے کچھ قربت ہو جائے۔ بعض اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا، یہ انہیں میں سے ایک ہے۔ پیرادائم کیا چیز ہے؟ پیراڈائم سمجھ لیں کہ ایک دائرہ کار ہے جس کے اعتبار سے آپ کو تمام حقوق ملیں گے اور آپ کے اوپر تمام ذمہ داریاں آئیں گی یا جتنے قوانین بنائے جائیں گے وہ اس دائرہ کار کے اعتبار سے ہوں گے۔ یہ دائرہ کار بنتا کیسے ہے؟ اور اس دائرے کو بنانے کے لیے کیا چیز چاہیے؟

پیراڈائم تین چیزوں سے بنتا ہے اور ان میں سے دو چیزوں کو آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ پہلی چیز کو آپ نہیں جانتے، وہ ہے **Ontology** (وجودیات)، دوسری چیز ہے **Epestimology** (علمیات) اور تیسری چیز ہے **Morality** (اخلاقیات)۔ آخری دو آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں (جو لوگ بعد میں آئے ہیں اور ہمارا ایپسٹیمولوجی کا کورس نہیں کیا تو آپ کر لیں ویڈیوز اور تحاریر دونوں موجود ہیں)۔ آنٹولوجی کا مطلب ہے وجودیات۔ تو علم الوجود، علمیات اور اخلاقیات مل کر ایک پیراڈائم تشکیل کرتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ **Ontology** کسے کہتے ہیں؟

Ontology addresses questions like how enemies are grouped into categories and which of these entities exist on the most fundamental level.

Ontology کا علم ایسے سوالات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے جیسے "مختلف موجودات کو الگ الگ انواع میں کیسے تقسیم کیا گیا؟" مثال کی طور پر انسان کو حیوان کی **Category** میں رکھا گیا تو کس بنیاد پر رکھا گیا؟ یہ آپ کو **Ontology** کا علم بتائے گا۔ اسی طرح یہ سوال "ان میں سے کون سی موجودات اپنی بنیادی سطح پر کیسے پائی جاتی ہیں؟" یعنی کوئی چیز جو موجود ہے وہ کیسے موجود ہے؟

شرح عقائد میں آنٹولوجی اس لفظ کے ساتھ تو نہیں، لیکن اچھی خاصی بحث آنٹولوجی کے اوپر شرح عقائد میں موجود ہے۔ وہ اس طریقہ سے کہ "العالَم اِمّا اَعیان واعراض" کہ یہ کائنات دو چیزوں میں تقسیم ہے یا تو اعیان ہیں یا اعراض ہیں۔ اس کے بعد اعیان کی تقسیم کی "اِمّامرکّب فھو جسم و اَمّا غیر مرکّب فھو جوھر" یعنی اگر مرکب ہو گا تو اسے جسم کہا جائے گا اور اگر غیر مرکب ہو گا تو اسے جوہر کہا جائے گا۔ "وھو الجُزءُ الذی لایتجزّیٰ" اسے جزءلایتجزیٰ بھی کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حدوثِ اعیان اور حدوثِ اعراض کے اوپر دلیل دی گئی ہے۔ یہ ساری باتیں ان کو سمجھ آئیں گی جنہوں نے شرح عقائد پڑھی ہے۔ تو یہ جو اتنے سارے صفحات امام نسفیؒ اور تفتازانیؒ نے شرح عقائد میں سیاہ کیے ہیں وہ ویسے ہی نہیں کئے بلکہ آنٹولوجی کے اوپر انہوں نے گفتگو کی ہے کہ جب تک کسی چیز کے وجود کو ثابت نہ کیا جائے کہ وہ موجود کیسے ہوا، تب تک اس کے حادث ہونے کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ بہر حال آنٹولوجی سب سے پہلی بنیاد ہے پیراڈائم کی۔

اب پیراڈائم کی دوسری بنیاد Epestimology کو دیکھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی اپسٹیمولوجی بالکل الگ ہے اسلامی اپسٹیمولوجی کے مقابلہ میں۔ ہمارے نزدیک اسلام میں جو علمیات ہے جن کو ہمارے عقائد کی کتابوں کے اندر بیان کیا گیا ہے وہ اس طریقہ سے ہے کہ اسبابِ علم یعنی جن ذرائع سے ہم علم حاصل کرتے ہیں وہ تین ہیں: حواسِ سلیمہ یعنی ہمارے سینسیز، عقل یا الخبر الصادق یعنی Testimony۔ الخبر الصادق کے اندر پھر خبر الرسول، وحی، خبر متواتر یہ ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ تو ہم علم صرف عقل یا حواس کے ذریعہ حاصل نہیں کرتے بلکہ ہم وحی کے ذریعہ بھی علم حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہماری اپیسٹیمولوجی ہے۔ لیکن مغربی تہذیب کی Epestimology یہ ہے کہ ہم حواس کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ اگر ہمیں علم کرنا ہو تو عقل کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ماڈرن Epestimology میں حواس کے ذریعہ علم حاصل کرنے کو ہی اصل سمجھا جاتا ہے، عقل کو وسیلۂ علم اور ذریعہ علم نہیں سمجھا جاتا۔ یہ ایک لمبی تفصیل ہے جس کو میں Epestimology کے اندر بیان کر چکا ہوں۔ تو وحی کا تو مغربی Epestimology میں وجود ہی نہیں ہے۔ یہ تھی وضاحت Epestimology کی۔

پیراڈائم کی تیسری بنیاد ہے Morality۔ یہ Morality کیا ہے؟ ہمارے نزدیک Morality دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ہے آبجیکٹو (Objective) یعنی معروضی اخلاقیات اور دوسری ہے سبجیکٹو (Subjective) یعنی خصوصی یا ذاتی اخلاقیات۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک قوم یا معاشرے میں اچھی سمجھی جاتی ہیں اور دوسرے معشرے کے اندر ان کو برا سمجھا جاتا ہے۔ میں نے ایک مثال دی تھی کہ مثلاً ہندوستان میں ہی برّصغیر کے کلچر میں آپ دیکھ لیں۔ بعض مسلم معاشروں میں اس بات کو برا سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی والوں طرف سے لڑکے والوں کے یہاں رشتہ جائے۔ بلکہ رشتہ جائے گا لڑکے والوں کی طرف سے، لڑکی انتظار کرے گی۔ اور بعض مسلم معاشروں میں اس کا الٹا ہوتا ہے۔ یہ سبجیکٹو مورالٹی ہے۔ یہ اخلاقیات معاشرے پر مبنی ہے۔ یہ زمان و مکان کے اوپر مبنی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ساری انسانیت اسی طریقہ سے چلے گی اور ہر زمانے اور ہر دور میں اسی پر عمل کیا جائے گا، بلکہ یہ چیزیں بدلتے رہنے والی ہیں۔ لیکن کچھ چیزیں آبجیکٹو مورالٹی کے اندر آتی ہیں جو مٌعروضی طور پر تمام انسانوں کے اندر یکساں ہیں۔ مثال کے طور پر نضافت، طہارت یا انصاف وغیرہ، یہ آبجیکٹو مورالٹی کے اندر آتے ہیں۔ یعنی تمام انسان ہر زمان و مکان میں اس چیز کے اوپر متفق ہیں۔ مغربی تہذیب میں آبجیکٹو مورالٹی یعنی معروضی اخلاقیات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ان کے یہاں صرف سبجیکٹو مورالٹی کا وجود ہے، یعنی جس چیز کو میں اچھا سمجھ رہا ہوں وہ اچھی ہے اخلاقی ہے اور جس چیز کو میں برا سمجھتا ہوں وہ غیر اخلاقی ہے۔ یہ میں خود طے کروں گا۔ اس کو کوئی سپر نیچرل پاور (مافوق الفطرت) چیز یعنی خدا طے نہیں کرے گا۔ یہ ان کی

مورالٹی ہے۔ تو آپ دیکھیں کہ پیراڈائم کی ان تینوں بنیادوں (Morality ، Epestimology،Ontology) میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے، اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان۔

یہ آپ کے سامنے ایک ٹریفک لائٹ کی تصویر ہے، اس سے ساری دنیا واقف ہے۔ اس ٹریفک لائٹ کا بھی ایک اپنا پیراڈائم ہے۔ سب سے پہلے آنٹولوجی کی بات کرتے ہیں، یہ لائٹ موجود ہے اور ایک اوبجیکٹ ہے، یعنی ایک عین ہے، ایک چیز ہے جس کا جسم ہے اور یہ اپنا وجود رکھتی ہے۔ اسی طریقہ سے گاڑیاں، سڑک یہ سارے بھی اپنا وجود رکھتے ہیں۔ قوانین اپنا وجود رکھتے ہیں جیسے کہ لال لائٹ ہے تو آپ کو رکنا ہے، اگر پیلی لائٹ ہے تو آپ کو رکنے کی تیاری کر لینی ہے اور اگر ہری لائٹ ہے تو رکنا نہیں ہے چلتے رہنا ہے۔ یہ قوانین بھی وجود رکھتے ہیں۔ قوانین بھی موجود ہیں، سڑک بھی موجود ہے، گاڑیاں بھی موجود ہیں اور یہ لائٹ بھی موجود ہے۔ یہ تو ہو گئی آنٹولوجی۔ اب اس پر مزید بحث کر سکتے ہیں کہ یہ لائٹ کیسے بنی؟ اس کے اندر کون کون سی چیزیں لگیں؟ گاڑیاں کیسے بنیں؟ گاڑیوں کو آپ کس گروپ میں رکھیں گے؟ وغیرہ۔

پھر اس اسٹاپ لائٹ پر رکنا ہے اور کیسے رکنا ہے اس کی اپنی ایک اپیسٹیمولوجی ہے۔ یہ لائٹ کا کبھی لال ہونا کبھی ہرا اور کبھی پیلا ہونا، یہ میتھ (ریاضی) کے اصولوں پر مبنی ہے۔ اس کے پیچھے پوری ایک سائنس ہے۔ اور نہ صرف میتھ ہے بلکہ سوشیولوجی (sociology) بھی ہے۔ ایک پورا سوشل بہیویئر (سماجی رویہ) ہے لوگوں کا اس کے مطابق ہے اس کو بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک چوراہے پر ایک ٹریفک لائٹ لگی ہوئی ہے۔ لیکن ایک طرف سے مین روڈ (مرکزی سڑک) ہے اور دوسری طرف سے جو راستہ جا رہا ہے وہ مین نہیں ہے۔ اب جو مرکزی سڑک ہے، ظاہر ہے اس پر چلنے والی گاڑیاں زیادہ ہوں گی اور اس کو کاٹ کر جو دوسری طرف راستہ جا رہا ہے اس پر گاڑیاں کم ہوں گی۔ مین روڈ جو گاڑیاں چل رہی ہیں ان کا چلنا زیادہ اہم ہے اور دوسری طرف سائڈ میں جو راستہ جا رہا ہے اس پر چونکہ گاڑیاں بھی کم ہیں اس پر تجارتیں کم ہیں، اس پر صرف رہائشی لوگ ہیں، ان کا چلنا زیادہ اہم نہیں ہے۔ اس عمرانی اصول اور سوشل پیمانے کو سامنے رکھ کر یہ طے کیا جاتا ہے کہ مرکزی سڑک کی ہری بتی زیادہ وقت تک جلتی رہے گی اور

دوسری طرف کے راستے کی ہری بتی کم دورانیے کے لئے جلے گی، تاکہ ادھر کی گاڑیاں جلدی جلدی گزر جائیں اور مین روڈ کی گاڑیوں کو زیادہ وقفہ چاہئے۔ یہ ساری کی ساری ایک ایپسٹیمولوجی ہے۔

اب مورالٹی یعنی اخلاقیات بھی دیکھ لیں۔ ایک آدمی گاڑی چلا رہا ہے، وہ اسٹاپ لائٹ کے اوپر پہنچتا ہے۔ اس وقت وہاں کوئی ادھر ادھر سے گاڑی نہیں آرہی۔ وہ سوچتا ہے کہ کسی کو کیا نقصان ہو گا، میں اس اسٹاپ لائٹ سے کراس کر جاتا ہوں۔ اور وہ اسٹاپ لائٹ سے گزر جاتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ میرا اس وقت سگنل توڑنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر میں رک گیا تو میں وقت پر ائیر پورٹ نہیں پہنچ پاؤں گا جس کے وجہ سے میری فلائٹ چھوٹ جائے گی اور میں اپنی منزل مقصود پر نہیں پہنچ پاؤں گا اور نہیں پہنچ پایا تو میری میٹنگ مس ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ وہ پورا حساب کرتا ہے اور پھر طے کرتا ہے کہ میرے لئے اس وقت اہم یہ ہے کہ میں اس ریڈ لائٹ پر نہ رکوں، چونکہ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہا۔ لیکن دوسرا آدمی کہتا ہے کہ نہیں! آپ اگر نہیں رکے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے پیچھے ایک گاڑی اور آرہی ہو اور وہ سوچے کہ اگلا بندہ نہیں رکا تو چلو ہم بھی نکل جاتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے بھی کوئی گاڑی آرہی ہو گی۔ تو آپ نقصان پہنچانے کا سبب بن جائیں گے، یہ ایک غیر اخلاقی کام ہے۔

تو دیکھیں ایک اسٹاپ لائٹ جیسی عام چیز میں بھی یہ آنٹولوجی، ایپسٹیمولوجی اور مورالٹی تینوں چیزیں چلتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں بھی قانون ہو گا، چاہے وہ کسی بھی چیز سے متعلق ہو، وہ کسی نہ کسی پیراڈائم کے اوپر مبنی ہوتا ہے۔ اور ہر پیراڈائم انہی تین چیزوں کے اوپر مبنی ہوتا ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ لہذا دنیا کا کوئی بھی قانون نیوٹرل (Neutral) نہیں ہو سکتا، چاہے آپ کسی بھی علاقے میں رہتے ہوں، کوئی بھی قانون Neutral یعنی غیر جانبدار نہیں ہو سکتا۔

یہ جو مسلمانوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ اپنے قوانین اپنے شہریوں پر تھوپتے ہیں، قوانین غیر جانبدار ہونے چاہئیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ قوانین نیوٹرل ہو ہی نہیں سکتے، ہمیشہ کسی نہ کسی پیراڈائم کے اوپر مبنی ہوں گے اور پیراڈائم ان تین چیزوں کے اوپر مبنی ہو گا۔ میں اس کی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

مثال نمبر 1۔ Property (ملکیت):

مثلاً آپ کسی زمین کے مالک ہیں۔ اس زمین کے نیچے سے تیل نکل آیا۔ تو اس تیل پر زمین کے مالک کی ملکیت ہے یا حکومت کی ملکیت ہے؟ یہ قانون پیراڈائم کے اوپر مبنی ہے۔ اسی طریقے سے آپ اس زمین کی فضائی حدود کے مالک ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کتنے اوپر تک ہیں؟ آپ اس زمین کے اوپر کتنی منزلہ بلڈنگ بنا سکتے ہیں؟ تین منزلہ، چھ منزلہ یا ستر منزلہ؟ یہ سارے

قانون پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں۔ اب ایک آدمی یہ کہے کہ میں نے جب زمین خریدلی تو زمین کے اندر کے حصہ کا بھی میں مالک ہوں اگر زمین سے کوئی خزانہ نکل وہ بھی میرا، اور زمین کے اوپر کا حصہ بھی میرا۔ لیکن بہت سی حکومتیں اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ کیوں کہ قوانین پیراڈائم کے اوپر مبنی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ویلفئیر اسٹیٹ ہے، وہ یہ کہے گی کہ آپ زمین کے مالک تو ہیں، لیکن زمین کے نیچے جو منرلز (Minerals) ہیں، وہ حکومت کے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں منرل رائٹس (Mineral Rights)۔ اسی طریقہ سے جو ائیر اسپیس ہے وہ حکومت کا ہے، اس میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

امریکہ کے گوروں کی ایک زمانے میں ریڈ انڈینز سے جنگ چلی ہے۔ ریڈ انڈینز امریکہ کے اصل باشندے ہیں، آج بھی بہت سے علاقوں میں آباد ہیں۔ پہلے پورے امریکہ میں انہیں لوگوں کے قبیلے پھیلے ہوئے تھے۔ پھر گورے آئے اور امریکہ کے اوپر قبضہ کیا۔ لڑائی کس بات پر تھی؟ اصل امریکیوں کو گوروں کے آنے سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بلکہ امریکہ میں ایک خاص تہوار منایا جاتا ہے جس کو تھینکس گیونگ (Thanks Giving) بولتے ہیں۔ اس میں ہوا ہی یہ تھا کہ گوروں نے آکر ریڈ انڈینز کو ایک پرندہ "ٹرکی" پیش کیا تھا کہ یہ کھائیں۔ یعنی ایک طرح کا دوستانہ ماحول قائم ہوا تھا۔ اس روایت کو آج بھی زندہ رکھا گیا ہے اور نومبر کا جو آخری ویک اینڈ ہوتا ہے اس میں پورے امریکہ میں اس کو منایا جاتا ہے۔ لیکن پھر لڑائی کس بات پر تھی؟ ریڈ انڈینز کا کہنا یہ تھا کہ یہ پوری زمین ان کے اپنے پیراڈائم کے حساب سے ہے، یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ آپ کہیں بھی ڈیرا ڈال لیں، وہاں آپ رہ سکتے ہیں۔ پھر آپ کسی اور جگہ چلے جائیں، وہاں رہ لیں۔ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے، زمین خالق کی ملکیت ہے، یہ ان کا ماننا تھا۔ یہ لوگ مذہبی تھے۔ لیکن گوروں کا کہنا تھا کہ نہیں! زمین خالق کی ملکیت نہیں، مخلوق کی ملکیت ہے۔ صرف کسی جگہ پر ڈیرہ ڈالنا کافی نہیں ہے۔ ہم زمین پر قبضہ کریں گے اور یہ زمین ہماری ہے، اب کوئی اور اس میں نہیں آسکتا۔ یہ گوروں کا اپنا پیراڈائم تھا۔ تو پیراڈائم کی بنیاد کے اوپر ساری دنیا میں ملکیت کے قوانین طے ہوتے ہیں۔

مثال نمبر 2۔ Borders (سرحدیں):

یہ ایک تصوّر ہے، ضروری نہیں ہے کہ ساری دنیا اس تصور پر راضی ہو، لیکن پہلی جنگ عظیم اور اس کے بعد دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں پوری دنیا میں لکیریں کھینچ دی گئیں۔ اور ساری دنیا کو اس کا پابند بنایا گیا کہ آپ کو ان لکیروں کو فالو کرنا پڑے گا۔ اگر ایک ملک کا باشندہ دوسرے کے ملک میں ویسے ہی جانا چاہے تو وہ نہیں جاسکتا، الّا یہ کہ ان کے بیچ میں کوئی معاہدہ ہو۔ اگر دوسرے ملک میں پایا گیا تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ مثلاً بنگلہ دیش کا ایک شہری انڈیا میں یا انڈیا کا ایک شہری بانگلادیش میں بارڈر پار کر کے

چلا گیا تو دونوں جگہ اس کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ پاکستان کا شہری انڈیا میں یا انڈیا کا شہری پاکستان میں سرحد پار کر کے چلا گیا بغیر ویزہ کے تو اس کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ جبکہ یہ ایک قوم ہیں، ان کی تہذیب ایک ہے۔ کیا فرق ہے دونوں ملک کے لوگوں میں، ادھر کے مسلمان اور ادھر کے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن صرف اس بنیاد پر کہ سرحدیں قائم کر دی گئی ہیں، لہذا اب آپ کو اس کو ماننا پڑے گا۔ اب کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہر ملک کی اپنی پالیسی اور اپنا پیراڈائم ہے، اس کی بنیاد پر سرحدیں بنتی ہیں۔ اگر آپ آجائیں، یورپ میں جتنے ممالک ہیں سب کی سرحدیں کھلی ہوئی ہیں، ان کا اپنا پیراڈائم ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہم ایک رنگ اور ایک نسل کے لوگ ہیں، اگرچہ ہماری زبانیں الگ ہیں، لیکن ہمارے مفادات مشترکہ ہیں۔ لہذا ہماری اقتصادیات بھی مشترکہ ہونی چاہئیں اور ہماری سیاسی خارجہ پالیسی بھی مشترکہ ہونی چاہیئے۔ تو تمام سرحدیں کھول دو ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک میں باآسانی جاسکے۔ یہ ان کا پیراڈائم ہے، تو انہوں نے اپنے پیراڈائم کے حساب سے سرحدوں کے قوانین بنائے۔ انڈیا پاکستان نے اپنے پیراڈائم کے اعتبار سے سرحدوں کے قوانین بنائے۔ اور لوگوں کو ان قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ مثالیں میں اپ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ اگر کبھی بھی آپ کسی ملحد سے مناظرہ کریں تو مرعوبیت کا شکار نہ ہوں اور یہ مثالیں آپ کی نوک زبان پر رہنی چاہئیں۔ کیوں کہ یہ اسی طریقے کی باتیں کر کے لوگوں کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مثال نمبر 3۔**Climate Change**(ماحولیاتی بدلاؤ):

کلائمیٹ چینج کی تحریک اس وقت پوری دنیا میں چل رہی ہے کہ موسم بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہا ہے اور ہمارے کرّہ ارضی کو بڑا خطرہ ہے۔ اور خطرہ اس طرح ہے کہ ہم بحیثیت انسان بہت زیادہ **Carbon Emission**(کاربن کا اخراج) کر رہے ہیں۔ ہم ایسی مشینیں استعمال کر رہے ہیں جس سے کاربن کا اخراج بہت زیادہ ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے اوزون لیئر میں بڑا سا سوراخ ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ آفات آگئی وہ سیلاب آگیا اور یوں زلزلے آرہے ہیں وغیرہ۔ یہ پوری تحریک چل رہی ہے جس کو بہت سے لوگ ایک **Scam** (فراڈ) کہتے ہیں، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ یہ سچ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کرنا چاہئے؟ دنیا کے بہت سے ممالک یہ تحریک چلا رہے ہیں کہ کاربن کے اخراج کو محدود کرنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر آپ کی ایک فیکٹری ہے تو آپ اس فیکٹری میں ایک حد تک ہی کاربن ایمشن کر سکتے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ کریں گے تو آپ پر جرمانہ لگے گا یا آپ کی فیکٹری کو بند کر دیا جائے گا۔

اسی طرح سے آپ انڈیا میں دیکھ لیں۔ دہلی میں سردیوں میں آڈ Odd (طاق) اور ایون Even (جفت) کا قانون بن جاتا ہے۔ مطلب اگر آپ کی گاڑی کے نمبر کا آخری نمبر جفت ہے دو، چار، چھ یا آٹھ تو آپ گاڑی لا سکتے ہیں اور اس دن طاق نمبر والے افراد گاڑی نہیں لا سکتے۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کلائمیٹ چینج کی وجہ سے ہے۔ کیوں کہ دہلی کا موسم متاثر ہو رہا ہے۔ لہذا لوگوں کو اس کا پابند بنایا گیا۔ ظاہر ہے کہ گاڑی خریدتے وقت تو آپ کے پاس دو ہی آپشن ہیں یا تو آپ کا آخری نمبر طاق ہو گا یا جفت ہو گا، دونوں تو نہیں ہو سکتے۔ اب آپ ایک دن گاڑی چلانے سے محروم ہیں۔ حالاں کہ آپ نے گاڑی خریدی تھی استعمال کے لیے، آپ کے ساتھ مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طریقے سے دنیا کے بہت سارے ممالک میں یہ قانون بنتا ہے کہ آپ ایک عرصہ کے بعد فلاں گاڑی جو اتنے سال پرانی ہے اس کو نہیں چلا سکتے، کیوں کہ اس کی کاربن ایمشن بہت زیادہ ہو گئی ہے اور ہمیں کلائمیٹ چینج کے بارے میں فکر مند ہونا چاہئے۔ تو یہ کلائمیٹ چینج ایک خاص پیراڈائم کے اوپر مبنی ہے۔ یہ ان سائنسدانوں کی سائنس کے اوپر مبنی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں جو حوادث آرہے ہیں، جو زلزلے اور سیلاب آرہے ہیں، وہ اس لئے آرہے ہیں کہ ہمارے کاربن کے اخراج کی وجہ سے اوزون کی تہہ میں ایک بہت بڑا سوراخ ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے کرّہ ارضی کو خطرہ ہے۔ اور یہ بہت جلدی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اس لئے ہماری آنے والی نسلوں کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کلائمیٹ چینج کے قانون بنائیں۔ یہ پیراڈائم کے اوپر مبنی ہے، اب آپ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں لیکن آپ کو یہ قوانین ماننے پڑیں گے۔

<u>مثال نمبر 4۔ LGBT (ہم جنس پرستی):</u>

میں اس کا بار بار اس لئے ذکر کرتا ہوں کہ یہ آج کل سب سے بڑا فتنہ ہے۔ آپ مغربی ممالک یا لبرل سوسائیٹیوں کے اندر آجائیں، اسکولوں میں آپ کے بچوں کو LGBT کے حقوق پڑھنے پڑیں گے۔ آپ کے پاس کوئی آپشن نہیں ہے کہ آپ ان سے کہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بچے یہ سب پڑھیں۔ امریکہ میں تو پھر بھی کچھ حد تک ہوم اسکولنگ کی اجازت ہے یعنی آپ اپنے بچوں کو اپنے گھر میں پڑھا سکتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے ہوم اسکولنگ کے لیے جو منظور شدہ نصاب ہے، وہ آپ اپنے بچوں کو پڑھائیں اور باہر کے ماحول سے محفوظ رکھیں۔ لیکن بہت سے ممالک میں مثلاً یورپ میں جرمنی میں ہوم اسکولنگ کے اوپر پابندی لگا دی گئی ہے۔ کیوں کہ وہ بچوں کو ایک مزاج میں اور ایک رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ اور اسکولوں کے اندر وہ LGBT کے حقوق پڑھا رہے ہیں۔ LGBT کے معاملے میں جرمنی اس وقت سب سے آگے ہے۔ یہاں تک کہ سویڈن میں اسلامی اسکولوں کے اوپر پابندی لگائی جارہی ہے، جو سالہا سال سے چل رہے تھے اور ان کی تعلیمی کارکردگی بہت عمدہ اور زبردست تھی، اس کے باوجود وہ

پابندی لگا رہے ہیں۔ کیوں کہ آپ اپنا نصاب پڑھا رہے ہیں اور حکومت کہتی ہے کہ آپ کو ہمارا نصاب پڑھانا ہو گا جو ہمارے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہو گا۔

مثال نمبر 5۔Covid (کوویڈ):

ساری دنیا نے کووِڈ کو جھیلا ہے، لیکن اس کے باوجود ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو اس کو حقیقی نہیں مانتی تھی۔ وہ کوویڈ کو سازش مانتی تھی لیکن ان کو کووِڈ کی پالیسیز ماننی پڑیں۔ چاہے نقلی ہی سہی، لیکن ان کو کوویڈ کے ٹیکے لینے پڑے، ان کو کوویڈ کی پابندیاں ماننی پڑیں۔ مساجد بند رہیں اور جہاں کھلی تھیں وہاں سوشل ڈسٹینسنگ (Social Distancing) رہی۔ یہاں تک کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ کے اندر بھی سماجی فاصلہ رکھا گیا۔ امریکہ، کنیڈا، انڈیا اور بہت سے ممالک کے اندر مہینوں مساجد بند رہیں اور وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی گئیں، حکومتی پالسیز کی وجہ سے۔ ایک آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک تو کووِڈ ایک عام سا فلو (Flu) ہے اور مجھے تو اس میں سازش نظر آ رہی ہے کہ کچھ کمپنیوں نے پیسہ بنانے کے لئے کووِڈ کو ہر جگہ پھیلا دیا، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کا نظریہ یہ بھی رہا ہے۔ میں یہاں کسی بھی نظریے کی توثیق نہیں کر رہا ہوں، لیکن یہ کہنا مقصد ہے کہ حکومتیں جب قوانین بناتی ہیں تو وہ اپنے پیراڈائم کی بنیاد پر قوانین بناتی ہیں اور سامنے والے کو وہ قوانین ماننے پڑتے ہیں۔ چاہے آپ اس پیراڈائم سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ اگر ہم امریکہ، سویڈن یا یورپ میں رہتے ہیں تو ہمیں اپنے بچوں کو LGBT پڑھانا پڑے گا۔ کیوں کہ LGBT کے حقوق مغربی پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں اور مغربی پیراڈائم میں خصوصاً جو مورالٹی ہے اس کے اوپر مبنی ہے۔ مغربی مورالٹی یہ ہے کہ LGBT لوگوں کو جینے اور عزت حاصل کرنے کا بنیادی حق ہے لیکن معاشرے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے، لہٰذا ہم اپنے بچوں کو بچپن سے یہ سکھائیں گے کہ اس کمیونٹی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ برتیں، یہ بالکل نارمل لوگ ہیں جیسے کہ آپ۔ اس کمیونٹی کے ساتھ غلط سلوک نہ برتا جائے اس لئے مورل یہ ہے کہ اس کمیونٹی کے حقوق بچوں کو بچپن سے سکھا دیے جائیں۔ اس پیراڈائم کے اوپر مغربی ممالک کا نصاب مبنی ہے اور مسلمان بچوں کو یہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔

جو اعتراض ہم پر ہوتا ہے کہ اسلام اینٹی ریسیپراسٹی (باہمی تعاون کا مخالف) ہے، آپ اپنے پیراڈائم کے حساب سے قوانین بناتے ہیں اور ان کو ہم پر تھوپتے ہیں اور جو ہمارے پیراڈائم کے اوپر مبنی قوانین ہوتے ہیں ان کو آپ اینٹی ریسیپراسٹی یا عدم مساوات یا انسانیت مخالف کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دنیا کا کون سا قانون غیر جانبدار (Neutral) ہے؟ میں نے نیچے لکھا ہے:

Neutrality is Dead. یعنی غیر جانبداری مر چکی ہے۔ قوانین میں کوئی قانون غیر جانبدار ہو ہی نہیں سکتا۔ قوانین میں غیر جانبداری کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی تہذیب اور کسی نہ کسی پیراڈائم پر مبنی ہوں گے۔

جواب:

اس پوری تمہید کے بعد اصل اعتراض جو اسلام کے اوپر ہوتا ہے Islam is anti Reciprocity کہ اسلام باہمی تعاون اور یکساں معاملے کے خلاف ہے اب اس کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ ہمارے اوپر جب بھی ایسا اعتراض ہو تو ہمیں فوراً پیراڈائم شفٹ (**Paradigm Shift**) کی حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔ پیراڈائم شفٹ کی حکمت عملی یہ ہے کہ آپ کے قوانین آپ کے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں اور ہمارے قوانین ہمارے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ کیسے:

Paradigm Shift

Secular State: All religions are equal. (Treat them Equally)

Islamic State: Islam is above all. (Treat them differently)

آپ ایک سیکولر ریاست ہیں، سیکیولر ریاست کا مطلب ہے کہ سارے مذہب برابر ہیں۔ جب سارے مذہب یکساں ہیں تو عیسایت کو اسلام پر، اسلام کو یہودیت پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔ لہذا ان تمام مذاہب کو یکساں ٹریٹ کیا جائے گا۔ کیوں کہ مساوات کا تقاضہ یہ ہے کہ یکساں چیزوں کو ایک جیسے ٹریٹ کیا جائے۔ لہذا آپ تمام کے ساتھ یکساں معاملہ کریں۔ کیونکہ آپ کا سیکیولرزم یہ اجازت دیتا ہے کہ تمام لوگ اپنے اپنے مذہب کے حساب سے عمل کریں۔ لہذا اگر کوئی خاتون عوامی جگہ پر حجاب لگا رہی ہے تو یہ اس کا مذہبی حق ہے۔ اور بحیثیت سیکیولر ریاست ہونے کے آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اس کا یہ مذہبی حق اس کو فراہم کریں جس طریقے سے آپ دوسری مذہبی اقلیتوں کو ان کے مذہبی حقوق فراہم کرتے ہیں۔ آپ اجازت دیتے ہیں کہ چرچ بنے، آپ اجازت دیتے ہیں کہ سینیگاگ بنیں، آپ اجازت دیتے ہیں کہ مسجدیں اور مندر بنیں تو پھر آپ اس کی اجازت کیوں نہیں دیتے کہ ایک عورت پبلک پلیسز پہ حجاب کر کے آئے، یہ بھی اس کا مذہبی حق ہے۔

رہی بات اسلامی ریاست کی تو اسلامی ریاست میں سارے مذہب برابر ہیں ہی نہیں۔ اسلامی ریاست کہتے ہی اس کو ہیں جہاں اسلام سب سے اوپر ہو۔ کیوں کہ اسلامی ریاست اسلام کو ہی برحق تصور کرتی ہے اور دیگر تمام مذاہب کو باطل تصور کرتی

ہے۔ لہٰذا اسلام اور دیگر مذاہب یکساں نہیں ہیں، جب یکساں نہیں ہیں تو ان کو مختلف طریقہ سے ٹریٹ کیا جائے گا۔ اسلام اور LGBT کی تحریک برابر نہیں ہے۔ لہٰذا جب ہمارے ملکوں میں ورلڈ کپ چل رہا ہو گا اور اذان ہو گی تو اذان کے وقت میچ رکیں گے، چونکہ یہ اسلامی شعار ہے۔ لیکن ہم LGBT کے شعار کو اپنے اسٹیڈیمز میں لہرانے کی اجازت نہیں دیں گے کیوں کہ ہم اسلام اور LGBT کو برابر نہیں سمجھتے۔ جب یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں تو ہم ان کو الگ الگ ہی ٹریٹ کریں گے۔ اور یہ ٹریٹ کرنا بالکل جائز (Justified) ہے، یہ اصول مساوات کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ ہمارا اپنا پیراڈائم ہے، ہمارا پیراڈائم یہ ہے کہ ہم LGBT کے رویے کو سب سے زیادہ بدتہذیبی اور بداخلاقی کی مثال سمجھتے ہیں۔ تو جو چیز سب سے زیادہ بدتہذیبی ہو، سب سے زیادہ بداخلاقی ہو بلکہ انسانیت کے خلاف حملہ ہو، انسانی معاشرے کے خلاف حملہ ہو، ہم اس کو ایک مذہب کے مساوی کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

لہٰذا ہمارا عمل تو بالکل جائز ہے لیکن آپ کا عمل جو کہ سیکیولر ریاستوں میں ہو رہا ہے بالخصوص بیلجیم، فرانس کہ جہاں حجاب اور پردے کے اوپر پابندیاں لگ رہی ہیں یہ ان کے اصول کے مطابق بھی نہیں ہے۔ یہ جو بے ضابطگی ہے یہ دراصل آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔

قرآن کریم نے ہر چیز کو اس طریقہ سے بیان کیا ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے کہ جب آپ ان چیزوں کو پڑھنے کے بعد قرآن میں غور کرتے ہیں تو آپ کو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہ ایک انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا: وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراہیم-۲۶) کہ کلمہ خبیثہ کی مثال ایک ایسے برے درخت کی سی ہے کہ جس کو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ دیا جائے اور اس میں کوئی اسٹیبلٹی (Stability) نہ ہو۔ قرار کا مطلب ہے اسٹیبلٹی (استحکام، پائداری) یا کنسس ٹینسی (تواتر)۔ میں شروع سے کہتا آیا ہوں کہ لبرلزم کی جو سب سے بڑی کمی اور بیماری یہ ہے کہ اس میں Consistency (ستحکام) نہیں ہے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ اس میں ہمیشہ آپ کو عدم یکسانیت اور عدم توازن ملے گا کہ ایک طرف ان کے کچھ اصول ہیں لیکن خود اپنے اصولوں پر عمل نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ کی جو مثال دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو زمین کے اندر ایسے گاڑا ہوا ہے کہ اس کی جڑیں زمین کے اندر ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں بلند ہیں۔ یعنی اس درخت کو آپ ہلا نہیں سکتے اس میں استحکام ہے۔ اسی طریقے سے اسلامی پیراڈائم میں Consistency (ستحکام) ہے جبکہ مغربی پیراڈائم میں Consistency نہیں ہے۔ یہ ہماری طرف سے اس کا جواب ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں ایک چیز اور بتانا چاہوں گا وہ یہ کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے اندر اسلام کو ہی سب سے اوپر سمجھا جاتا ہے اور بقیہ مذاہب کو نچلا تصور کیا جاتا ہے، دیگر مذاہب کو اپنے سمبلز کے اظہار کی اجازت نہیں ہے اور اسلامی شعار کی مکمل اجازت اسلامی ریاستوں میں ہوتی ہے، تو میرا ایک سوال ہے کہ مغربی ریاستوں کے اندر جو اسکول قائم ہیں ان میں تمام ہی اسکولوں کے اندر ذہانت کی بنیاد پر بچوں میں تفریق کی جاتی ہے۔ جو ذہین بچے ہیں ان کے لئے الگ اسکول ہے ان کے لیے الگ کلاسیں ہیں اور جن کی ذہانت میں کم ہیں یعنی کچھ **Abnormality** ہے ان کی ذہانت میں، ان کے لئے الگ اسکول ہے، الگ کلاسیں ہیں، ان کا نصاب تعلیم ہی الگ ہے۔ اور اس فرق کا اثر زندگی بھر یہ پڑتا ہے کہ نارمل بچے یا کچھ ذہین بچے اپنی عملی زندگی میں خوب کامیاب رہتے ہیں کیوں کہ ان کو تعلیم کے مواقع دوسرے انداز کے ملے ہیں۔ اور جو ذرا کم ذہین بچے ہیں وہ ہمیشہ عملی زندگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں کیوں کہ ان کو مواقع دوسرے انداز کے ملے ہیں۔ تو بتایئے ایک ہی ملک کے شہریوں کو، قطع نظر اس کے کہ ان کا مذہب کیا ہے اور ان کا رنگ کیا ہے، محض ان کی ذہانت کی بنیاد پر جو کہ ان کے بس میں نہیں ہے، لبرل ریاستیں ان کے درمیان اس تقسیم کو اور عدم مساوات کو روا رکھتی ہیں، ایسا کیوں؟ جب آپ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتے ہیں تو ان کے ساتھ بھی یکساں معاملہ کریں۔ لیکن وہ یہاں جسٹیفائی کریں گے کہ کم ذہین بچوں کی وجہ سے زیادہ ذہین بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اس لئے ہمیں ان کو الگ کرنا پڑتا ہے۔

یہی جواب ہمارا بھی ہے کہ جب ہم LGBT کے شعار کو اپنے ملکوں میں اجازت دیں گے تو ہمارے مذہبی مسلمان بھی متاثر ہوں گے۔ محض آپ کے شعارات کے چکر میں اور آپ کے نعروں کے چکر میں اپنے مسلمانوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ تو یہ ہے پیراڈائم شفٹ۔ آپ فوری طور پر پیراڈائم شفٹ کریں اور اپنے پیراڈائم کو لے کر آئیں کہ ہمارے قوانین ہمارے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں، آپ کے قوانین آپ کے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں۔ قوانین نیوٹرل نہیں ہوتے۔ جب ہم آپ کے ملک میں جاتے ہیں تو آپ کے قوانین کو ماننے پر مجبور ہیں، تو جب آپ ہمارے یہاں آئیں تو ہمارے قوانین کا احترام کرنے کے لئے خود کو مجبور کریں۔ ساری دنیا اسی طریقہ سے چلتی ہے۔ یہ ہے پیرادائم شفٹ۔

Do Religions Discriminate?

یہ اعتراض بھی خوب کیا جاتا ہے۔ اسلام پر بلکہ تمام ہی مذاہب کے اوپر یہ الزام ہے کہ مذہب امتیازی سلوک کرتے ہیں۔ کیا مذاہب امتیازی سلوک کرتے ہیں؟ اس کی بہت ساری مثالیں دی جاتی ہیں کہ کس طریقے سے اسلامی ریاست اپنے شہریوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتی ہیں، چاہے وہ شہری مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اسلامی ریاست میں ایک عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ حجاب کرے، مرد حجاب میں نہیں رہتا، کیوں بھئی؟ یہ تو Discriminate ہے۔ عورت کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ باہر نکلتے وقت برقع وغیرہ پہن کر نکلے، خاص طور پر گرمی کے موسم میں اس کو سر ڈھانکنا پڑتا ہے چہرہ ڈھانکنا پڑتا ہے، جبکہ مرد آرام سے گھومتا ہے، اسے کوئی سر یا چہرہ نہیں ڈھکنا۔ بلکہ اگر کرتا بھی اتار دے صرف بنیان پہن لے تو بھی ٹھیک ہے۔

اسی طریقہ سے خواتین اکیلے سفر نہیں کر سکتیں ان کے ساتھ کوئی محرم مرد ہونا چاہئے۔ مرد اکیلے سفر کر سکتے ہیں۔ یہ امتیازی سلوک کیوں ہے؟ اور مسلمانوں ہی کے درمیان یہ سلوک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہاں کسی مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے، سب ایک ہی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ اپنے ہی باشندوں کے لئے اسلام نے الگ الگ قوانین بنا رکھے ہیں۔

دوسری مثال، عورتوں کے لئے Polyandry (ایک سے زائد شوہر) کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن مردوں کے لیے تعدد ازواج (Polygamy) کی اجازت ہے۔ اگر ایک عورت کے کئی شوہر ہوں تو اسے پولی اینڈری کہا جاتا ہے۔ پولی اینڈری کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ مرد کی اگر کئی بیویاں ہوں تو اسے پولی گمی کہا جاتا ہے اور اس کی اجازت ہے۔ یہ فرق کیوں؟ یہ امتیازی سلوک کیوں؟

اسی طریقہ سے عورت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کام کرے بلکہ بعض حالات میں باہر جا کر ملازمت کرنا اس کے لئے درست بھی نہیں ہے۔ کن حالات میں؟ اگر ملازمت ایسے ماحول میں ہو رہی ہے جہاں مرد اور عورت کے درمیان اختلاط ہو، یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیوں کہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ پردے میں رہے۔ مرد اور عورت کے درمیان Free mixing (اختلاط) درست نہیں ہے۔ لیکن مرد باہر جا کر آرام سے کام کرتا ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فیمنسٹوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مرد آرام سے باہر نکل جاتے ہیں اور اگر کوئی مسئلہ بھی ہوا تو فریش ہو کر واپس گھر آتے ہیں، عورتیں گھر میں ہی قید رہتی ہیں۔ یہ سارے فرق تو ایک ہی مذہب میں تھے، اب آئیں کافر اور مسلمان کا فرق۔

ایک کافر جو اسلامی ریاست میں رہتا ہے وہ اپنے مذہب کو پروموٹ نہیں کر سکتا، اپنے مذہب کی دعوت نہیں دے سکتا۔ عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ اسلامی ریاست میں نہیں کر سکتے۔ اور ایک مسلمان اپنے مذہب کی تبلیغ صرف مسلم ریاست میں ہی نہیں غیر مسلم ریاست میں بھی کرے گا۔ اس کو غیر مسلم ریاست میں بھی تبلیغ کرنی ہے اور جیسے ہی کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں آکر ہندوازم، عیسایت یا یہودیت کی دعوت دے گا، فوراً اس پر پابندی لگ جائے گی۔ تو مذہب تو انسانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتا ہے۔ اتنے زیادہ امتیازات، اتنی زیادہ تقسیم اور اتنا بڑھ کر امتیازی سلوک! سیکیولر ریاستوں میں تو ایسا کچھ نہیں ہے، سب برابر ہیں۔ مرد کو بھی حجاب نہیں کرنا اور عورت کو بھی نہیں کرنا۔ جس طرح سے مرد کو پولی گمی کی اجازت نہیں ہے، عورت کو پولی اینڈری کی اجازت نہیں ہے۔ دونوں برابر ہیں۔ وہ ٹھیک ہے کہ غیر قانونی طور پر جو چاہیں کریں۔ لیکن قانونی طور پر وہ ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتے۔ مرد کو اگر کام کرنا ہے تو عورت بھی کام کر سکتی ہے۔ ایک عیسائی اگر اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا ہے تو ایک مسلمان بھی کر سکتا ہے۔ تو دیکھیں کتنی زیادہ مساوات اور یکسانیت ہے، کوئی امتیازی سلوک نہیں ہے۔ تو سیکیولر ریاستیں امتیازی سلوک نہیں کرتیں ہیں لیکن مذہبی ریاستیں یا اسلامی ریاستیں ہمیشہ امتیازی سلوک کرتی ہیں۔ یہ اعتراض ان لوگوں کی طرف سے جاتا ہے۔

جواب:

یہاں جتنی بھی مثالیں پیش کی گئی ہیں، ہر ایک کے بارے میں تفصیل سے بات کی جا سکتی ہے کہ مرد کو حجاب کیوں نہیں کرنا اور عورت کو کیوں کرنا ہے؟ عورت کے لیے پولی اینڈری کی اجازت کیوں نہیں ہے اور مردوں کو پولی گمی کی اجازت کیوں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے اوپر تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہم صرف مغربی اصول کو سامنے رکھ کر بات کرنا چاہیں گے **Treat similar cases similarly and different cases differently.** یعنی یکساں چیزوں کو ایک جیسے ٹریٹ کریں اور مختلف چیزوں کو الگ الگ۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں میں مرد اور عورت الگ الگ ہیں، فیزیولوجی (**Physiology**) کے اعتبار سے بھی اور سائکالوجی (**Psychology**) کے اعتبار سے بھی۔ لہذا عورت کے احکام الگ ہیں، مرد کے احکام الگ ہیں۔ اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں اور وہ حاملہ ہو جائے تو تمام شوہر یہ دعوی کریں گے کہ بچہ میرا ہے۔ لیکن اگر ایک مرد کی متعدد بیویاں ہوں اور وہ ساری کی

ساری حاملہ ہو جائیں تو یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بچہ کس کا ہے۔ بچہ اسی مرد کا ہے۔ نسب میں اختلاط نہیں ہو گا۔ اور نسب کا اختلاط ہمارے پیراڈائم کے حساب سے ایک بری چیز ہے۔ مغربی پیراڈائم کے حساب سے بھلے برا نہ ہو۔ کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ نسب میں اختلاط ہوتا ہے تو ہوتا رہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، لیکن یہ اسلامی پیراڈائم کے حساب سے غیر اخلاقی چیز ہے۔ لہذا ہم نے اپنے پیراڈائم کے اعتبار سے قوانین بنائے ہیں۔ جس طرح آپ اپنے پیراڈائم کے اعتبار سے قوانین بناتے ہیں۔ یہ ہمارے نزدیک غیر اخلاقی ہے، اس لئے ہم عورت کو پولی اینڈری کی اجازت نہیں دے سکتے، مرد کو تعدد ازواج کی اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ پیراڈائم کا فرق ہے۔

اسی طریقہ سے ہمارے پیراڈائم کے مطابق یہ غیر اخلاقی ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان اختلاط ہو۔ کیونکہ اس اختلاط سے فواحش اور زنا کا دروازہ کھلتا ہے، بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ ہمارا پیراڈائم ہے۔ ہم نے اس کے اعتبار سے یہ قانون بنایا کہ ایسے ماحول کے اندر عورت کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے جہاں اختلاط ہو۔ آپ کا پیراڈائم یہ کہتا ہے کہ سوسائٹی کے اندر چاہے جتنے بھی منکرات اور فواحش پھیلے ہوئے ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زنا پھیلا ہوا ہو، آپ کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ نے اپنے پیراڈائم کے اعتبار سے قوانین بنائے ہیں۔

کافر کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے لیکن مسلمان کو ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلامی ریاست اسلام ہی کو برحق مانتی ہے۔ اور کفر برحق نہیں ہے، کفر باطل ہے۔ تو ہم اپنے حدود میں، اپنے گھر میں ایک باطل کام کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ یہ تو انتہائی غیر اخلاقی چیز ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ہم یہ کہیں کہ ہمیں حق ہے کہ ہم تمام لوگوں کو جنت میں جانے کی دعوت دیں، اور ساتھ ہی ایک کافر کو اجازت ہے کہ وہ تمام لوگوں کو جہنم میں جانے کی دعوت دے۔ یہ برابری کہاں ہوئی؟ جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کفر جہنم میں لے کر جائے گا اور اسلام جنت میں لے کر جائے گا، جب یہ ہمارا پیراڈائم ہے تو ہم قوانین بھی اسی پیراڈائم کے اعتبار سے بنائیں گے۔ اگر ہم اپنے پیراڈائم کے اعتبار سے قانون نہ بنائیں تو گویا ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح ایک مسلمان کو حق ہے کہ وہ لوگوں کو جنت میں لے کر جائے، اسی طرح ایک کافر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو جہنم میں لے کر جائے۔ یہ حق کسی انسان کو نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا ہم مسلمان اور کافر کو دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے برابر قرار نہیں دے سکتے، یہ الگ الگ ہیں۔ لہذا ان کو ٹریٹ بھی الگ الگ کیا جائے گا۔

Liberal Discrimination

کیالبرل ریاستیں اور سیکولر ریاستیں امتیازی سلوک نہیں کرتی ہیں؟ بالکل کرتی ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں بیان کی جارہی ہیں:

Intelligence

Beauty & Look

Birth

سب سے پہلی مثال تو وہی Intelligence ہے یعنی ذکاوت اور ذہانت۔ میں نے ابھی مثال دی تھی کہ اسکولوں میں ذہین بچوں کی کلاسیں الگ ہیں اور غیر ذہین بچوں کی کلاسیں الگ ہیں۔ نہ صرف اتنا لبرل ریاستوں کے جو انجن ہیں، جن کی وجہ سے آج لبرل ریاستیں قائم ہیں وہ ہیں ملٹی نیشنل کمپنیاں (Multi National Companies)۔ بڑی بڑی کمپنیاں ریاستوں کو پروموٹ کرتی ہیں۔ اگر یہ کمپنیاں بند ہو جائیں تو ریاستیں ڈھ جائیں۔ ان کو جو ایندھن مل رہا ہے وہ ان کمپنیوں کے سرمایے سے مل رہا ہے۔ ہالی وڈ اور بالی وڈ جیسی کمپنیاں ہیں۔ ان کمپنیوں کے اندر ذہانت کی بنیاد پر فیصلہ ہوتا ہے کہ کون آدمی کتنا ذہین ہے تاکہ اس کو رکھا جائے اور پروموٹ کیا جائے اور جو ذہین نہیں ہیں ان کو نہ رکھا جائے۔ تو ذہانت کی بنیاد پر جو کہ انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے، آپ امتیازی سلوک کرتے ہیں۔

Beauty & Look، پھر حسن وجمال کی بنیاد پر ان لبرل ریاستوں میں لوگوں کے درمیان امتیازی سلوک ہوتا ہے۔ ایک انسان کا حسن و جمال اس کے اپنے بس میں نہیں ہے، وہ خود کو حسین جمیل نہیں بنا سکتا۔ اگر حسین پیدا ہو گیا تو یہی اس کی قسمت تھی۔ اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں۔ امریکہ میں ایک ریسٹورینٹ چین ہے جس کا نام ہے ہوٹرز (Hooters)۔ یہ ہوٹرز بدنام زمانہ لوگوں کے لئے ہے۔ جو بے حیا اور بدمعاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ اس جگہ پر جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ ریسٹورینٹ جگہ جگہ بنے ہوئے ہیں، پورے امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی جو ویٹریسز (Waitresses) ہوتی ہیں ان کے حسن و جمال کا ایک خاص معیار ہے اور ایک خاص لباس ہے جس میں شائستگی دور دور تک نہیں ہے۔ اس ہوٹل میں ایسا نہیں ہے کہ کوئی بھی خاتون

جا کر کام کرلے۔ بلکہ ایک خاص پیمانے اور معیار کے مطابق ان کا حسن و جمال ہونا چاہئے اور اپنے حسن و جمال کا وہ اظہار بھی کرے، تب جا کر وہ اس ریسٹورنٹ میں کام کر سکتی ہے۔ اگر کوئی عورت خوبصورت نہیں ہے تو اس کو کام پر نہیں رکھا جائے گا۔

Sport clips Stylists: یہ ایک خاص چین ہے مغربی ممالک میں بال بنانے والیوں کی۔ اس میں ایسی بال بنانے والی لڑکیاں رکھی جاتی ہیں جن کے حسن و جمال کا ایک خاص معیار ہوتا ہے اور ان کا ایک خاص لباس ہوتا ہے۔ مرد وہاں جاتے ہیں اور اپنے بال بنواتے ہیں۔

Most/All Entertainment Jobs: اسی طریقہ سے اینٹرٹینمینٹ انڈسٹری میں جتنی بھی نوکریاں ہیں وہ تمام کی تمام حسن و جمال پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ لبرل سوسائٹیاں کمپنیوں اور اینٹرٹینمینٹ (تفریح) سے چل رہی ہیں۔ اگر ہالی وڈ نہ ہو تو پوری دنیا میں اینٹرٹینمینٹ نہ پھیلے، بالی وڈ نہ ہو تو انڈیا کی تہذیب نہ پھیلے۔ ان اڈسٹریوں میں اگر کسی عورت کو ملازمت کرنی ہے، ہیروئن بننا ہے تو اس کے حسن و جمال کا ایک خاص معیار ہونا چاہئے۔ اگر وہ معیار نہیں ہو گا یا وہ اپنے حسن و جمال کا اظہار نہ کرے، اپنے جسم کی نمائش نہ کرے تو اس کو یہاں ملازمت نہیں ملے گی۔

تو آپ دیکھ لیں کہ لبرلزم کی بنیاد جہاں سے اس کو ایندھن مل رہا ہے، وہیں پر امتیازی سلوک ہوتا ہے۔ اور کس اعتبار سے ہوتا ہے! حسن و جمال کے اعتبار سے ہوتا۔ لیکن ان کا قانون یہ ہے کہ آپ امتیازی سلوک نہیں کر سکتے۔ جب کہ امتیازی سلوک ہوتا ہے۔ ہوٹرز پر جب یہ لوگ ویٹرسز ہائر (بھرتی) کرتے ہیں تو کیسے کرتے ہیں؟ یہ میں نے ایک جگہ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے:

Instead of calling them employees, they were called "models" and instead of putting signs up saying "now hiring" they said "now casting."

ہوٹرس کمپنی انہیں ملازمہ کہنے کے بجائے موڈلز کہتے ہیں اور ہائرنگ کے بجائے کاسٹنگ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

ہوٹرس کمپنی اگر یہ کہے کہ ہم ویٹرسز ہائر کر رہے ہیں اور وہ خوبصورت ہونی چاہئے، بدصورتوں کو ہم ہائر نہیں کریں گے۔ تو جو بدصورت ہوں گی یا جو مسترد ہوں گی وہ جا کر مقدمہ کر دیں گی کہ انہوں نے مجھے بدصورت کہا ہے، میں تو خوبصورت ہوں۔ تو اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ ہم ان کو ملازمہ کہیں گے ہی نہیں، کیوں کہ ملازمہ کہیں گے تو ملازمت دینے کے اصول و ضوابط اور قوانین ہمیں ماننے پڑیں گے، لہذا ہم ان کو ماڈلز بولتے ہیں۔ یعنی ہم ملازمہ ہائر نہیں کر رہے ہم ماڈلز ہائر کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے ان

ممالک کا کبھی دورہ کیا ہو، یا جہاں بھی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں، اگر وہ ملازم رکھ رہے ہیں تو باہر ہی بورڈ آویزاں کر دیا جاتا ہے Now Hiring" اب ہائر کر رہے ہیں "یعنی آپ اندر آ کر اپنی سی وی (CV) یا ریزیومی (Resume) پیش کر سکتے ہیں۔ یہ ریسٹورنٹ والے کبھی بھی اپنے دروازے کے اوپر یہ بورڈ نہیں لگاتے، وہ بورڈ لگاتے ہیں Now Casting" ہم کاسٹ کر رہے ہیں"۔ فلموں وغیرہ میں جو رول دیا جاتا ہے اس کو کاسٹنگ کہا جاتا ہے۔ یعنی ہمارے یہاں ماڈلنگ کا مقابلہ چل رہا ہے اور ہم ماڈلز کو کاسٹ کر رہے ہیں۔ لہذا اگر آپ اپنے آپ کو ماڈلز سمجھتی ہیں تو آپ آیئے اور اپلائی کیجئے۔ اگر ہم سمجھیں گے کہ آپ اہل (Qualified) ہیں تو آپ کو رکھ لیں گے، ورنہ نہیں۔ تو اس طریقے سے ہوٹرز کی ویٹرسز کو حسن و جمال کی بنیاد پر ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ تو جو سب سے زیادہ لبرلزم کو پروموٹ کرنے والے ادارے ہیں، وہیں سب سے زیادہ امتیازی سلوک ہے۔ اور اعتراض ہوتا ہے مسلمانوں پر اور اسلامی ریاستوں کے اوپر۔

Birth۔ اسی طریقہ سے پیدائش کی بنیاد پر جو امتیاز ہے وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ ماقبل میں مثال گزری ہے کہ اگر آپ امریکہ میں پیدا نہیں ہوئے اور آپ امریکہ آنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے آنا آسان نہیں ہے، بہت مشکل ہے، اور بعض ممالک کے لئے ناممکن ہے۔ اگر کسی طرح آپ امریکہ آ گئے اور یہاں کے شہری بھی بن گئے، تب بھی آپ یہاں کے صدر نہیں بن سکتے۔ صدر امریکہ میں وہی بنے گا جو امریکہ میں پیدا ہوا ہو۔ اگر وہ وہاں پیدا نہیں ہوا تو چاہے اس کے پاس امریکی پاسپورٹ ہو یا اس کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو ایک عام امریکی کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن وہ صدر نہیں بن سکتا۔ تو کیا یہ امتیازی سلوک ہے یا نہیں؟ اگر ایک آدمی بہت ذہین ہے اور فارن پالیسیز (Foreign Policies) کے اوپر اس کی زبردست پکڑ ہے، وہ دنیا کی اقتصادیات کو تبدیل کر سکتا ہے، نہایت ذہین ہے اور اعلی تعلیمی لیاقت اس کے پاس ہے اور وہ امریکی شہری بھی ہے، محض اس لئے کہ وہ امریکہ میں پیدا نہیں ہوا، امریکہ کا صدر کیوں نہیں بن سکتا؟ اور یہ قانون صرف امریکہ کا نہیں ہے بلکہ بہت سی لبرل سیکولر ریاستوں کا ہے۔ تو آپ جو امتیازی سلوک کرتے ہیں وہ تو الگ ہی لیول کا ہے۔ وہ ذہانت کی بنیاد پر ہے، وہ حسن و جمال اور پیدائش کی بنیاد پر ہے۔

تو یہ چیزیں اگر ایسے لوگوں کی طرف سے آئیں جو خود امتیاز کر رہے ہوں اور ہمیں مورد الزام ٹھہرائیں کہ ہم امتیازی سلوک کرتے ہیں، تو اس کو دوغلا پن نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ ہمارے یہاں اگر امتیازی سلوک ہے تو وہ ہمارے پیراڈائم کے اوپر مبنی ہے۔ آپ کے یہاں جو امتیازی سلوک ہے وہ آپ کے اپنے پیراڈائم کے بھی خلاف ہے۔ خود آپ کے یہاں عدم توازن ہے۔ ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ ہم کوئی امتیازی سلوک نہیں کریں گے، ہر طرح کا امتیازی سلوک جو رنگ، نسل، انسان کے چہرے

مہرے کے اعتبار سے ہو، وہ سارے غیر اخلاقی ہیں۔ اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سارے امتیازی سلوک آپ کے یہاں برتے جاتے ہیں۔ تو آپ کے یہاں اپنے پیراڈائم کے اوپر عمل نہیں ہے اور ہمارے یہاں جو امتیازی سلوک نظر آرہا ہے اس کے پیچھے ہمارا پیراڈائم ہے، جس کے اوپر چلنے کا ہمیں **مکمل حق** ہے۔

آخر میں یہ بات کہنا چاہوں گا، اگرچہ یہ بات پہلے کہنی چاہیے تھی مگر ابھی ذہن میں آئی وہ یہ کہ پیراڈائم کتنی اہم چیز ہے۔ اس کا اشارہ رب کریم نے اپنی پہلی وحی میں ہی کر دیا تھا۔ پہلی وحی میں ہی پیراڈائم کی طرف اشارہ کر دیا تھا کہ تمام قوانین اور اسلام کا جو دائرہ کار ہو گا، وہ کیا پیراڈائم ہو گا۔ اس میں **آنٹولوجی** کیا ہے؟ وجود! اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ اللہ تعالی کو خالقِ وجودِ انسانیت کہا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ کی کسی اور صفت کا استعمال نہیں کیا گیا۔ خلق کی جگہ رحمۃ یا مغفرۃ استعمال ہو سکتی تھی، لیکن صفت خلق ہی استعمال ہوئی۔ یہی ہماری آنٹولوجی ہے کہ ہمارے یہاں وجود کا مبدا خدا ہے۔ سارا وجود خدا کے یہاں سے آیا ہے۔

پھر اللہ تعالی نے **مورالٹی** بیان کی، مورالٹی بھی خدا کے طرف سے آئی ہے: اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۔ اَکرم اور کرم ایک اعلی ترین اخلاقی قدر ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی صفت یہ بیان کی ہے کہ جو قوانین وہ بنائے گا وہ انسانیت کے اوپر رحم اور کرم کرتے ہوئے بنائے گا۔ انسانیت کے اوپر ظلم نہیں ہوں گے۔ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ہماری مورالٹی ہے، کہ ہم اپنی مورالٹی خدا سے لیں گے۔ کیوں کہ خدا اکرم ہے۔ ہم اپنے طور سے مورالٹی طے نہیں کریں گے۔

اور پھر **ایپسٹیمولوجی**: الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ کہ اللہ تعالی نے انسان کو قلم سے علم سکھایا۔ قلم سے انسان وہ چیز ریکارڈ کرتا ہے جو انسان کے اپنے تجربے کے اوپر مبنی ہوتی ہے۔ آپ کو کوئی تجربہ ہوا آپ اس کو قلمبند کرتے ہیں، یہ اس کے اپنے تجربے کے اوپر مبنی ہے جسے آپ عقل کہہ لیں یا حواس کہہ لیں، عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کے اندر حواس اور عقل دونوں آگئے۔ لیکن عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا، نہ جان سکتا تھا، نہ اپنی عقل کے ذریعے، نہ اپنے حواس کے ذریعے۔ یعنی غیب کی بہت سی باتوں کی اطلاع اللہ تعالی نے دی ہے۔ اور یہ اطلاع صرف وحی کے ذریعہ سے آسکتی ہے۔ یہ ہماری ایپسٹیمولوجی ہے۔ تو پہلی ہی وحی میں اللہ تعالی نے آنٹولوجی، مورالٹی اور ایپسٹیمولوجی کی طرف اشارہ کرکے ایک پیراڈائم دے دیا تھا کہ اب جو بھی قوانین بنیں گے وہ اس پیراڈائم کے اوپر مبنی ہوں گے۔

تو جس طریقہ سے آپ کو اپنے پیراڈائم کے اوپر عمل کرنے کا حق ہے، ہمیں ہمارے پیراڈائم کے اوپر عمل کرنے کا حق ہے۔ قوانین کبھی بھی غیر جانبدار نہیں ہوتے۔ **Neutrality is Dead** یہ یاد رکھئے گا کہ غیر جانبداری ایک مردہ چیز کا نام ہے۔ ایسی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے، چہ جائے کہ اس کے اوپر عمل کیا جاتا ہو۔ یہ ہے مساوات کے اوپر مکمل تفصیل۔ مزید اگلے درس میں بات ہو گی ان شاء اللہ۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

آٹھواں موضوع:

لبرلزم (Liberalism)

درس نمبر: 07

تاریخ: 10 دسمبر2022

فاضل محاضر: ڈاکٹرمفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط وترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح ونظرثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ وَ المُرسَلِینَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحبِہٖ اَجمَعِینَ۔ اَمَّا بَعدُ!

لبرلزم کا پورا موضوع ہی بڑا اہم ہے۔ آپ حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں ارتداد و الحاد پھیلنے کی ایک بڑی وجہ لبرلزم ہی ہے۔ لہذا اس موضوع کو تفصیل سے سمجھنا اور اس کے پیش کئے گئے اصول وضوابط اور دلائل کو سمجھنا اور ان کا رد بے انتہاء ضروری ہے۔ آج کے درس میں ہم ایک اہم اصول کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ گزشتہ کلاس میں ہم نے گولڈن رول پر بات کی تھی اور گولڈن رول بنیاد ہے مساوات کی۔ اور جب ہم نے لبرلزم کی تعریف پیش کی تھی اس کے تحت یہ بتایا تھا کہ لبرلزم کا مقصد مساوات اور آزادی کو زیادہ سے زیادہ بڑھاوا دینا ہے۔ اور مساوات کو گولڈن رول کی بنیاد پر بڑھاوا دیا جاتا ہے، اس لیے گولڈن رول پر تفصیل سے بات ہو چکی ہے، اس پر تنقید کی جا چکی ہے اور ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کے اصولوں میں بہت زیادہ عدم توازن پایا جاتا ہے۔

The Harm Principle

اصول ضرر

یہ دوسرا اصول ہے۔ یہ اصول دراصل آزادی کی بنیاد ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر مغربی تہذیب یا لبرل تیذیب آزادی کے فلسفہ کو پیش کرتی ہے۔ یہ بہت مشہور قانون ہے۔ اور آج کی تاریخ میں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کے قوانین کی بنیاد یہی ضابطہ The Harm Principle ہے۔ اس کو اردو میں اصولِ ضرر یا قاعدہ ضرر کہہ سکتے ہیں۔ اس اصول کو سب سے زیادہ مؤثر انداز میں جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill) نے پیش کیا۔ اس کی ایک کتاب ہے Liberty، لبرٹی کے معنی ہیں آزدی۔ یہ کتاب اس نے 1859 میں لکھی تھی، اس کتاب میں اس نے The Harm Principle کا اصول پیش کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے پہلے دو مغربی فلاسفہ جان لاک اور کانٹ نے بھی اس تعلق سے گفتگو کی تھی، لیکن اس ضابطہ کو سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ جس شخص نے پیش کیا ہے وہ ہے جان اسٹوئرٹ مل۔ جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill) کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

The only purpose for which power can be rightfully exercised over any member of a civilized community, against his will, is to prevent harm to others.
https://plato.stanford.edu/entries/mill-moral-political/

ایک تہذیب یافتہ معاشرہ کے کسی فرد کے خلاف اگر آپ قانونی طور پر اس کی آزادی محدود کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ آپ اس کے ذریعہ دوسروں کو پہنچائے گئے نقصان سے اس کو باز رکھ رہے ہوں۔

یعنی اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے یا پہنچا سکتا ہے، تبھی اس کی آزادی کے اوپر قدغن لگایا جاسکتا ہے، تبھی اس کی زادی کو محدود کیا جاسکتا ہے، اس پر پابندیاں لگائی جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی نقصان نہیں پہنچا رہا ہے تو اس پر کسی بھی طرح کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی، وہ آزاد ہے۔ لہذا جب تک آپ دوسروں کے لیے نقصاندہ نہیں ہیں تب تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نے کسی کا ریپ کر دیا، تو اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا، لہذا اس شخص کی آزادی پر پابندی لگائی جائے گی اور اسے جیل بھیج دیا جائے گا۔ ایک دمی نے چوری کی تو اس نے سامنے والے کو مالی نقصان پہنچایا، لہذا اس کی آزادی پر پابندی لگائی جائے گی اور یہ شخص جیل جائے گا۔ ایک آدمی نے کسی کو مارا پیٹا یا کسی بھی طرح کا نقصان پہنچایا، تو اس کی آزادی کے اوپر قدغن لگے گی۔ بظاہر یہ اصول ٹھیک معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا ہے نہیں۔ اس ضابطہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill) نے یہ ضابطہ تو پیش کر دیا اور پوری دنیا نے اس ضانطے کو قبول بھی کر لیا اور اس ضابطے کی روشنی میں قوانین بھی بنائے جانے لگے، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ نقصان کسے کہتے ہیں؟ اس نے اصولِ ضرر تو پیش کر دیا کہ اگر آپ کسی کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو پھر ہم آپ کی آزادی پر پابندی لگا سکتے ہیں۔ جب تک کسی کو نقصان نہ پہنچائیں، آپ آزاد ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نقصان کیا ہے؟ اس کی کوئی تعریف جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill) نے نہیں کی اور نہ ہی مغربی تہذیب اس کی کوئی وضاحت کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قاعدہ ضرر میں جو ضرر ہے اسے آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے، اس کی وضاحت آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

Harm in the Sariah

کچھ لوگ جب یہ ضابطہ دیکھیں گے تو انھیں یوں محسوس ہوگا کہ یہ ضابطہ تو اسلام میں بھی موجود ہے۔ یہ کونسی نئی بات ہے، اسلامی شریعت بھی اسی ضابطہ کے اوپر مبنی ہے کہ کسی کو نقصان نہیں پہنچانا ہے۔ جس طریقہ سے گولڈن رول کو دیکھ کر کچھ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصول تو آپ ﷺ کی حدیث سے مشابہت رکھتا ہے، لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ایسے ہی اصولِ ضرر کا تذکرہ ہمیں احادیث میں بھی ملتا ہے اور قرآن کی بہت سی آیات کے اندر بھی ملتا ہے، لیکن جس حدیث کو ہم ضابطہ مانتے ہیں وہ ابن ماجہ کی یہ روایت ہے:

عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن لا ضرر ولا ضرار (ابن ماجه)

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ اسلام میں ضرر اور ضِرار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ضرر کے معنی بھی نقصان کے ہیں اور ضرار کے معنی بھی نقصان کے ہیں تو پھر ایک ہی حدیث کے اندر یہ دونوں الفاظ کیوں استعمال کئے گئے ہیں؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو الفاظ یقیناً دو الگ الگ معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر دونوں کا معنی ایک ہی ہے تو تکرار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے تحت شارحین یہ لکھتے ہیں کہ "لا ضرر" کا مطلب ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی قوانین نقصان کے اوپر مبنی نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر چلے گا تو اس کا کوئی نقصان ہو جائے گا یا وہ دوسرے کا نقصان کر دے گا۔ "ولا ضرار" اس لفظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچانا ہے۔ تو دونوں الفاظ کے ذریعے دو الگ الگ باتیں کہی گئی ہیں۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ البتہ شریعت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں توازن اور تسلسل ہے۔ ایسا نہیں ملے گا کہ کوئی بات کہہ دی اور اس کی وضاحت نہیں کی۔ کوئی بات کہہ دی لیکن اس کی تعریف نہیں کی۔ کوئی بات کہہ دی لیکن اس کی قسمیں اور احکام بیان نہیں کئے، ایسا نہیں ہے۔ اگر "ضرر" کا لفظ حدیث میں آیا ہے تو شریعت میں آپ کو اس کی تعریف بھی ملے گی، اس کی اقسام بھی ملیں گی، احکام بھی ملیں گے۔ سوال یہ ہے کہ شریعت میں ضرر کی تعریف کیا؟ نقصان کسے کہتے ہیں؟ علامہ مناویؒ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

الضرر اِلحاقُ مفسدة بالغير۔ (المناوي، فيض القدير شرح الجامع الصغير) ضرر کہتے ہیں کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا۔ مفسدۃ کے معنی ہیں کرپشن۔ یہاں پر سوال ہو سکتا ہے کہ آپ نے ضرر کی تعریف مفسدہ سے کی ہے تو فساد اور مفسدۃ کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ چیز مفسدۃ یا کرپشن ہے؟ فساد کی تعریف میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

قال ابن كثير : الفساد هو العمل بالمعصية، أو العمل بما يخالف النصوص الشرعية.

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ فساد کہتے ہیں گناہ کرنے کو، کسی بھی معصیت کو فساد کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں؛ فساد کہا جاتا ہے شرعی نصوص کے خلاف عمل کرنے کو۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کسی آیت کے خلاف عمل کر رہا ہے، یہ فساد ہے۔ حدیث کے خلاف عمل کر رہا ہے تو یہ فساد ہے۔

مفسدۃ کی ایک اور تعریف طاہر بن عاشورؒ نے مقاصد الشریعۃ میں کی ہے:

المفسدة فهي ما قابَلَ المصلحةَ ، و هي وصف للفعل يحصل به الفساد دائما أو غالبا ، للجمهور أو الآحاد

(مقاصد الشريعة الاسلامية للطاهر بن عاشور)

مفسد مصلحت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے ہمیشہ یا اکثر و بیشتر فساد برپا ہوتا ہو، چاہے عوامی سطح پر ہو یا انفرادی سطح پر۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ نکالا کہ آپ ﷺ نے ضِرار یعنی دوسرے کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ یہ ہمارا قاعدہ ضرر ہے۔ لیکن ساتھ ہی نقصان کی تعریف بھی کر دی گئی کہ ضرر کے معنی ہیں فساد پھیلانا۔ اور فساد کہتے ہیں شریعت کی اور نصوص کی مخالفت کو۔ اب چاہے وہ نقصان معاشرتی سطح پر ہو یا انفرادی سطح پر ہو۔ کسی بھی طرح کا نقصان ہو، وہ نقصان شریعت کی نظر میں ناقابل برداشت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں خودکشی حرام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سی لبرل سوسائٹیوں میں خودکشی کو قانونی طور پر جائز نہیں مانا گیا ہے، لیکن کچھ علاقوں میں اسے قانونی جواز دے دیا گیا ہے۔ اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ خودکشی میں کیا برائی ہے؟ ایک آدمی اگر اپنی جان لے رہا ہے تو وہ اپنا نقصان کر رہا ہے، دوسرے کو کیا نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس فلسفے کی بنیاد پر انھوں نے خودکشی کو جائز قرار دے دیا۔ لیکن اسلام میں کبھی بھی خودکشی جائز نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اسلامی شریعت میں جس طرح سے دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، اپنے آپ کو نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں ہے۔

اسی طریقہ سے سگریٹ نوشی، شراب نوشی، ڈرگ نوشی، یہ تمام چیزیں بھی مفسدہ کے اندر آتی ہیں، کیونکہ انسان اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا ہے، چاہے تھوڑی مقدار میں ہی کیوں نہ لے۔ اسی طرح سے تہمت لگانا بھی حرام ہے چونکہ کسی دوسرے پر تہمت لگا کر آپ اس کی عزت و وقار پر انگلی اٹھا رہے ہیں۔ بعض مغربی ممالک نے تہمت کے معاملے میں تخصیص کر دی ہے کہ تہمت کس طرح کی ہے۔ مغربی معاشروں میں قانون یہ ہے کہ اگر کسی نے آپ پر کوئی تہمت لگائی اور اس تہمت کے نتیجے میں آپ کا مالی نقصان ہو گیا تو اب سامنے والے کے خلاف ہرجانے کا مقدمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کا کوئی مالی نقصان نہیں ہوا ہے، تو اس طرح کی تہمت کا مقدمہ درج نہیں ہوتا۔ یعنی عزت کے اس نقصان کو لبرل معاشرہ نقصان نہیں مانتا، جبکہ شریعت مانتی ہے۔

اسی طریقہ سے گالی دینا، شریعت میں حرام ہے، قابل گناہ ہے۔ جبکہ لبرل سوسائٹی میں گالی دینے کو نہ تو برا سمجھا جاتا ہے، نہ ہی غیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی خلاف قانون سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے انگریزی بولنے والا جتنی گالی دیتا ہے، اتنی دنیا میں کوئی دوسری قوم گالی نہیں دیتی۔ اسی طرح سے مذاق اڑانا۔ مذاق اڑانا مغربی تہذیب میں آزادی کے تحت آتا ہے۔ مغربی معاشروں میں بڑے بڑے سیاستدانوں کا مذاق اڑتا ہے، دوسرے ملکوں کا مذاق ارتا ہے، بڑے بڑے اداکاروں فنکاروں کا مذاق اڑتا ہے اور ٹی وی کے اوپر نشر ہوتا ہے، لیکن وہاں کوئی کچھ نہیں بول سکتا، چونکہ یہ آزادی کے قانون کے تحت آتا ہے۔ جبکہ اسلام نے اس پر پابندی عائد کر دی ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الحجرات-۱۱) اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ کیونکہ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے اس کے لیے یہ باعث ضرر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ضرر کو مکمل طرح سے واضح کر دیا کہ ضرر چاہے اپنے خلاف ہو یا دوسرے کے خلاف ہو اور دوسرا چاہے پوری سوسائٹی ہو کوئی فرد ہو، پھر وہ ضرر چاہے جسمانی ہو، روحانی ہو یا ذہنی ہو، ہر طرح کا ضرر نا قابل برداشت اور حرام ہے۔ اور ایسے قوانین بنائے جانے ضروری ہیں جو اس طرح کے ضرر رساں رویے کے اوپر کنٹرول کر سکیں۔ تو ضرر کی مکمل تشریح شریعت نے کر دی ہے۔

جب ہم جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill) کے اصول ضرر، (The Harm Principle) کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یہ اس حدیث سے متاثر ضرور تھا۔ یہ ضرور لگتا ہے کہ جان اسٹوئرٹ مل اپنے گھر سے یہ اصول بنا کر لے کر نہیں آیا تھا بلکہ یہ چیز پہلے سے چلی آرہی تھی۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ ﷺ سے پہلے کسی نے بھی اس ضابطے کو بطور ضابطہ بیان نہیں کیا۔ تو ہو سکتا ہے مغربی فلسفیوں نے وہیں سے یہ اصول اخذ کیا ہو، لیکن ضرر اور نقصان کی جو تعریف و تشریح ان کو کرنی چاہیے وہ انہوں نے نہیں کی، اسی لیے چیزیں بالکل غیر واضح ہیں۔

مغربی تہذیب میں ضرر کی تعریف حکومت کے اوپر چھوڑ دی گئی، ممبران پارلمنٹ کے اوپر چھوڑ دی گئی۔ پارلمنٹ کے ممبران بیٹھ کر طے کریں گے کہ کون سی چیز نقصان دہ ہے اور کون سی چیز نقصان دہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ابھی 8-7 سال پہلے تک امریکہ کے پچاس صوبوں میں سے ہر صوبے میں ڈرگ لینا غیر قانونی تھا۔ اگر کسی کے پاس ڈرگ مل جاتی تو یہ قابل سزا جرم تھا۔ لیکن پھر وہ تمام قوانین بدل گئے، ہر صوبائی حکومت نے قانون بدلا، اب آپ ڈرگ رکھ سکتے ہیں، لے سکتے ہیں۔ بطور علاج بھی لے سکتے ہیں ویسے بھی لے سکتے ہیں، البتہ چند چیزیں ابھی بھی ممنوع ہیں۔ چنانچہ ممبران پارلیمنٹ نے اور قانون ساز لوگوں نے پہلے تو یہ طے کیا ہوا تھا کہ یہ چیز نقصاندہ ہے، بعد میں ان کی رائے بدل گئی، انھوں نے کہا کہ اب یہ چیز نقصاندہ نہیں رہی۔ جب ضرر اور نقصان کی کوئی ایک تعریف ہے ہی نہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی معاشرہ کے اندر قانون میں مستقل تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی

کو ہم Inconsistency(عدم توازن) کہتے ہیں کہ آج تک مغربی معاشرہ کسی چیز کے اوپر متفق نہیں ہو سکا۔ جو چیز کل تک خراب تھی وہ آج اچھی ہے اور کل پھر وہ خراب ہو سکتی ہے۔ اصول ضرر، (The Harm Principle) کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے۔

HARM PRINCIPLE

- Not all moral restrictions related to harm.
  - Disgust, respect for authority, taboo, etc.
  - Chicken guy
- There is great variation in how people experience harm.
- Ultimately harm is defined according to paradigm.

قاعدہ ضرر کی مزید کچھ خرابیاں دیکھ لیتے ہیں۔ اس میں کچھ نکات اہم ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی خرابی:

سب سے پہلا پوائنٹ یہ ہے کہ جتنی بھی اخلاقی پابندیاں ہیں، ضروری نہیں ہے کہ وہ ساری کی ساری نقصان سے ہی وابسطہ ہوں۔ یعنی اگر کسی کو نقصان ہو رہا ہے تب ہی اخلاقی پابندی ہونی چاہئے، اگر کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے تو کوئی اخلاقی پابندی نہیں ہونی چاہئے، ایسا نہیں ہے۔ انسانی معاشرے اس طریقے سے کام نہیں کرتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان دوسرے کو نقصان پہنچا سکتا ہے، نہیں۔ لیکن مکمل اخلاقی نظام اسی اصول ضرور کے اوپر منحصر ہو، ایسا بھی نہیں ہے۔

اس کی ایک مثال لے لیجیے۔ مثلاً (Disgust) نفرت۔ ہر انسان کے اندر یہ مادہ ہوتا ہے کہ وہ نفرت کر سکتا ہے اور ہر انسان کسی نہ کسی سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن اگر آپ کسی سے نفرت کر رہے ہیں تو محض نفرت کرنے کی بنیاد پر آپ کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ ہم بہت سے ایسے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جن سے ہم زندگی میں کبھی نہیں ملے، نہ شاید مل پائیں اور ہم ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے، لہذا ہم ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تو نفرت ایک ایسی چیز ہے جس کو بعض مرتبہ اخلاقی کہا جاتا ہے اور بعض مرتبہ غیر اخلاقی کہا جاتا ہے۔ جیسے آپ کسی مجرم سے اس کے جرم کی وجہ سے نفرت کریں تو یہ نفرت ایک اخلاقی عمل ہے۔ آج اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ ہٹلر کیسا تھا؟ تو ہر آدمی آپ سے یہ توقع کرے گا کہ آپ کہیں کہ ہٹلر بہت برا شخص تھا، کیونکہ اس

نے لاکھولوگوں کو قتل کیا۔ لیکن اگر آپ یہ کہہ دیں کہ ہٹلر ایک اچھا شخص تھا، تو لوگ آپ کو بد اخلاق کہیں گے۔ اس بیانیے کو غیر اخلاقی کہا جائے گا۔ تو آپ دیکھیں کہ نفرت جس سے کسی کا بھی نقصان نہیں ہے، اس کے باوجود کبھی اخلاقی ہوتی ہے کبھی غیر اخلاقی۔ آپ کسی سے حسد اور جلن کی بنیاد پر نفرت کریں گے تو یہ غیر اخلاقی عمل ہے۔ آپ اپنے بھائی سے نفرت کرنے لگیں محض اس لیے کہ وہ زیادہ ترقی یافتہ ہے اور اس دوڑ میں آپ پیچھے رہ گئے، تو یہ نفرت غیر اخلاقی عمل ہے۔ تو نفرت کرنا جس میں کسی کا نقصان نہیں ہے، کبھی اخلاقی بنتا ہے کبھی غیر اخلاقی بنتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اخلاقیات کی بنیاد ضرر نہیں ہے۔

اسی طرح اتھارٹی کی عزت (**respect for authority**)۔ اتھارٹی سے مراد صرف حکومت نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص ہے جس کا آپ کے اوپر حق ہے۔ مثلاً والدین۔ والدین کی عزت کرنا پوری دنیا کی سوسائیٹیز میں اخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی لبرل ماڈرن سوسائٹی میں جا کر بھی آپ پوچھ لیں کہ والدین کی عزت کرنا اچھی بات ہے یا بری بات ہے؟ ہر شخص کہے گا کہ بہت اچھی بات ہے۔ محض عزت کرنا ایک اخلاقی عمل ہے۔ اور اگر آپ والدین کی عزت نہیں کر رہے ہیں اگرچہ آپ ان کو جسمانی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں (ذہنی اذیت کی تو مغربی سوسائیٹی میں کوئی حیثیت نہیں ہے) آپ والدین کو جسمانی کوئی اذیت نہیں دے رہے، بس ان کی عزت نہیں کرتے، یہ ایک غیر اخلاقی عمل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جتنی بھی اخلاقی پابندیاں ہیں، ضروری نہیں ہے ان سب کا تعلق اصولِ ضرر سے ہو۔

اسی طریقے سے ایک لفظ اوپر لکھا ہے **taboo**۔**taboo** سے مراد وہ چیز ہے جس کو معاشرتی طور پر ممنوع مان لیا جائے۔ مثلاً ایک زمانہ تھا جب مشرقی تہذیب میں بھی طلاق کو بہت زیادہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک **taboo** تھا یعنی معاشرتی طور پر ممنوعہ۔ یہی وجہ ہے کہ شادہ شدہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مر کھپ جایا کرتے تھے، اپنی زندگیوں میں پریشان رہتے تھے، لیکن اس تعلق سے کبھی بھی نہیں سوچتے تھے کہ یہ بھی ایک راستہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس میں کسی کا نقصان نہیں ہے؟ اس میں اگرچہ کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن جس معاشرہ میں طلاق کو برا سمجھا جا رہا ہے وہاں طلاق کو اس وجہ سے برا نہیں سمجھا رہا ہے کہ اس سے کسی کا نقصان ہو رہا ہے۔ بس وہ ہے ایک بری چیز، کیونکہ معاشرہ اسے برا سمجھتا ہے۔ اسی طریقہ سے سڑک پر چلتے ہوئے کھانا پینا، ایک روایت پسند مسلم معاشرہ میں راستہ میں چلتے ہوئے کھانا ایک غیر اخلاقی عمل تصور کیا جاتا ہے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں سینڈوچ دوسرے ہاتھ میں کوکا کولا کی بوتل ہو اور آپ مدرسے جا رہے ہوں تو اس کو برا سمجھا جائے گا۔ آپ کو غیر مہذب سمجھا جائے گا کہ اس کو کھانے کی تمیز نہیں ہے، بیٹھ کر طریقے سے کھانا چاہیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس عمل سے اس نے کس کا نقصان کیا؟ کسی کا بھی نہیں! اس کے باوجود اس کو غیر اخلاقی تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے نظام میں اور معاشروں میں یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں ہے۔ تو ایک ہی کام کہیں اخلاقی کہیں غیر اخلاقی ہے جبکہ اس سے کسی کا نقصان بھی نہیں ہے۔

اسی **taboo** کے ذیل میں پاکی ناپاکی ہے۔ دنیا کا کون شخص یہ کہے گا کہ پاک وصاف رہنا ایک غیر اخلاقی عمل ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی یہ بات نہیں کہے گا! ہر آدمی کہے گا کہ پاک صاف رہنا بہت اچھی بات ہے، ایک اخلاقی عمل ہے۔ ایک آدمی اگر خود گندا ہے، طہارت ونظافت کا اس کو کوئی خیال نہیں ہے تو اس نے کس کا نقصان کا سوائے اپنے؟ اس کے باوجود گندہ رہنے کو غیر اخلاقی عمل سمجھا جاتا ہے۔ یہ ساری وہ مثالیں ہیں جن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی پابندیوں کا تعلق صرف Harm Principle سے ہو، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کو معاشرے میں اخلاقی وغیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے، جبکہ ان کا دوسروں کے نفع ونقصان سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

اب میں ایک بہت ہی Disgusting (ناگوار) مثال دیتا ہوں، Chicken Guy۔ بعض مرتبہ اچھی اور بری چیز کی تمیز بھی ختم ہو جاتی ہے، لیکن جو معاشرے اپنی روایتوں ابھی سے جڑے ہوئے ہیں وہاں یہ تمیز ابھی بھی باقی ہے۔ ماہر نفسیات نے ایک سروے کیا، اس سروے کے تعلق سے دانیال حقیقت جو کی ایک ویڈیو بھی ہے، وہ اپنے دوست کے ساتھ ایک یونیورسٹی کیمپس گئے، سروے میں یہ سوال تھا کہ ایک شخص بازار سے ذبح شدہ ثابت مرغی خرید کر لایا، اس کے ساتھ پہلے سیکس کیا اس کے بعد اس کو پکا کر کھالیا، بتایئے اس کا یہ عمل اخلاقی ہے یا غیر اخلاقی ہے؟ جو خالص لبرل معاشرہ میں پلنے والے لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ اس میں کیا برائی ہے، اس نے کسی کو نقصان تو نہیں پہنچایا، لہذا یہ کوئی غیر اخلاقی عمل نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ روایت پسند تھے، ذرا سی بھی روایت پسندی ان کے اندر باقی تھی، انھوں نے کہا کہ یہ تو بہت ہی غیر اخلاقی حرکت ہے کہ آپ چکن خرید کر لائے، اس کے ساتھ یہ حرکت کی پھر اسی کو پکا کر کھا بھی لیا۔ بلکہ ان کو یہ عمل بہت ہی Disgusting اور قابل نفرت لگا۔ بہت سے لوگ تو یہ حرکت سن کر قے کر دیں۔ تو اس شخص کا یہ عمل مغربی معاشروں میں بھی بہت سے لوگوں کے نزدیک غیر اخلاقی ہے۔ آپ کسی بھی لبرل سوسائیٹی میں چلے جائیں مثلاً انڈیا میں چلے جائیں جہاں ایک لبرل سوسائٹی وجود میں آچکی ہے اور قوانین لبرلزم کے اوپر مبنی ہیں، وہاں بھی جا کر اگر اس بارے میں پوچھیں گے تو وہ فوراً یہی کہیں گے کہ اس عمل سے کسی بھی طرح اتفاق نہیں کیا جا سکتا، ایک غیر اخلاقی عمل ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اس میں نقصان کس کا ہے؟ کسی کا بھی کوئی نقصان نہیں ہے۔ لہذا یہ Harm Principle (قاعدہ ضرر) ٹوٹ رہا ہے۔ چونکہ اس اصول کے مطابق جب تک آپ دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں اس وقت آپ کا عمل غیر اخلاقی نہیں ہے اور آپ پر کسی بھی طرح کی کوئی اخلاقی پابندی نہیں لگ سکتی۔

دوسری خرابی:

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیں کہ Harm Principle ایک اچھا اصول ہے اور اس کی بنیاد پر قوانین بننے چاہئیں، تو سوال یہ ہے کہ اس میں بھی تو بڑا فرق ہے کہ لوگ نقصان کا تجربہ کیسے کرتے ہیں؟

- **There is great variation in how people experience harm.**

اس میں بڑا فرق ہے کہ لوگ نقصان کا تجربہ کرتے کیسے ہیں۔ ایک چیز ایک شخص کے نزدیک کم نقصاندہ ہے جبکہ وہی چیز دوسرے شخص کے نزدیک زیادہ نقصاندہ ہے۔ یا بالکل بھی نقصاندہ نہیں ہے۔ کیونکہ نقصان کی تعریف پیراڈائم (paradigm) کے اوپر مبنی ہے۔

- **Ultimately harm is defined according to paradigm.**

پیراڈئم سے متعلق تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ مثلاً آپ اگر ایک مغربی فیمنسٹ خاتون کے بارے میں یہ کہیں کہ بہت اچھی بات ہے کہ ایک خاتون کے بہت سارے پارٹنرز ہوں اور وہ ہر ایک کے ساتھ سوئے، مرد کے ساتھ بھی عورت کے ساتھ بھی، دونوں کے ساتھ بیک وقت بھی، سارے کام کرے، اس میں کوئی برائی نہیں ہے، یہ کوئی غیر اخلاقی عمل نہیں ہے۔ چونکہ اس سے وہ اپنے جنسی Behavior کو Explore کر سکتی ہے، اسے اس کی آزادی ہے چونکہ وہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا رہی ہے، نہ مرد کو نہ عورت کو۔ لیکن اگر آپ یہی سوال کسی مشرقی معاشرے میں جاکر پوچھیں گے تو وہ کہیں گے کہ بالکل غلط ہے، یہ تو بہت ہی برا عمل ہے۔ یعنی ایک ہی عمل کو کہیں نقصاندہ مانا گیا اور کہیں نقصاندہ نہیں مانا گیا۔ کچھ لوگ کم نقصان دہ سمجھتے ہیں کچھ لوگ زیادہ نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ مشرقی معاشرے میں اس چیز کو نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ کہنے مقصد یہ ہے کہ لوگ کس طریقے سے نقصان کا تجربہ کرتے ہیں اس میں بڑا فرق ہے۔ اور اس کا دارومدار ہے آپ کے پیراڈائم کے اوپر۔ آپ اسلامی معاشرے میں چلے جائیں تو اس چیز کو قابل سزا جرم سمجھا جائے گا۔ چونکہ ہمارا پیراڈائم قرآن و سنت کے اوپر مبنی ہے۔ ہم نقصان کی تعریف بھی قرآن و سنت سے اخذ کرتے ہیں۔ لیکن مغرب کا پیراڈائم (paradigm) ان کی اپنی عقل کے اوپر مبنی ہے، یہی وجہ ہے کہ کبھی عقل کچھ کہتی ہے تو کبھی کچھ کہتی ہے۔ تو مغرب کا Harm Principle بالکل بھی واضح نہیں ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ اسی لیے اس کے اوپر اعتراضات ہوتے ہیں۔

قاعدہ ضرر پر دو اعتراضات

اب میں آپ کے سامنے اس اصول ضرر (The Harm Principle) پر دو اعتراضات پیش کرتا ہوں۔ یہ دو اعتراضات بڑے اہم ہیں، کل کو آپ کسی ایسے ملحد سے بات کریں جو لبرلزم پر یقین رکھتا ہو تو آپ اس سے Harm Principle کے اوپر گفتگو کریں۔ اور اس سے پوچھیں کہ تمہارے یہاں اخلاقیات کی بنیاد کیا ہے؟ وہ کہے گا Harm Principle! تو ٹھیک ہے، Harm Principle کے اوپر یہ اعتراضات ہیں، ان کے جوابات دے دو۔

پہلا اعتراض: سیٹ بیلٹ اور ہیلمٹ۔

مختلف ممالک میں پہلے یہ قانون نہیں تھا کہ اگر آپ کار چلا رہے ہیں تو سیٹ بیلٹ لگائیں، اگر موٹر سائیکل چلا رہے ہیں تو ہیلمٹ لگائیں۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ پوری دنیا کے اندر یہ قوانین بنتے چلے گئے اور لوگوں کی آزادی کو محدود کر دیا گیا۔ اب آپ کو یہ آزادی نہیں ہے کہ بغیر سیٹ بیلٹ باندھے گاڑی چلا سکیں۔ آپ کو یہ آزادی نہیں ہے بغیر ہیلمٹ لگائے موٹر سائیکل چلا سکیں، ورنہ چالان ہو جائے گا۔ دنیا کے اکثر ممالک میں یہی قانون ہے۔ تو انسان کی آزادی کو محدود کر دیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس میں نقصان کس کا ہے؟ ایک شخص سیٹ بیلٹ نہیں لگا رہا ہے، اگر وہ کسی حادثہ کا شکار ہو گیا تو اس کا ذاتی نقصان ہو گا۔ تو آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیٹ بیلٹ لگا لو، آپ اسے قانونی طور پر مجبور کیوں کر رہے ہیں؟ ایک دمی موٹر سائکل چلا رہا ہے، اس کی موٹر سائکل پھسل گئی، کسی سے ٹکرایا نہیں ہے، یا کسی درخت یا جانور سے ٹکرا گیا، سڑک خراب تھی گر گیا اور سر پر ہیلمٹ نہیں تھا، تو کس کا نقصان ہوا؟ اس کا اپنا نقصان ہے، کسی دوسرے کا نہیں ہے۔ جب نقصان اس کا اپنا ہے تو اس کی آزادی کو محدود کیوں کیا گیا؟

اس کے جواب میں لبرل یہ کہتے ہیں کہ آزادی کو محدود اس لیے کیا گیا کہ ان حادثات میں دوسروں کا بھی نقصان ہے۔ اور وہ نقصان ہے ذرائع و وسائل کا۔ Health resources کا نقصان ہے۔ اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو جو امبولنس اور ہسپتال وغیرہ اِس وقت آپ کی نگہداشت کر رہا ہے اس کو آپ کی نگہداشت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، وہ وسائل کسی زیادہ ضرورت مند شخص پر خرچ ہوتے۔ لیکن یہ آپ کی اس حرکت کی وجہ یہ ذرائع اور وسائل آپ پر خرچ ہو رہے۔ تو آپ نے دوسرے کا نقصان کیا۔ اس لیے سیٹ بیلٹ اور ہیلمٹ کا قانون ساری دنیا میں موجود ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ آپ کی دلیل ہے تو پھر اس دلیل کو تو ہم بہت دور تک لے جائیں گے۔ مثلاً اگر محض اس وجہ سے سیٹ بیلٹ اور ہیلمٹ کی پابندی کی جانی چاہیے کہ اس سے صحت کے وسائل آپ کے اوپر خرچ نہ ہوں بلکہ مستحقین پر صرف ہوں، پھر تو ان ممالک میں جتنے بھی فاسٹ فوڈ کے ریسٹورینٹ ہیں سب پر پابندی لگا دینی چاہئے۔ کیونکہ یہ بات

تحقیقی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ فاسٹ فوڈ کی وجہ سے صحت پر سب سے زیادہ منفی اثر پڑتا ہے۔ اگر فاسٹ فوڈ کھانے سے آدمی کی صحت پر اثر پڑتا ہے، اس کا کولسٹرول بڑھتا ہے، شوگر لیول بڑھتا ہے، بلڈ پریشر بڑھتا ہے تو کیا وسائل صحت اس شخص کی وجہ سے جس نے فاسٹ فوڈ کھایا ہے اب متاثر نہیں ہو رہے ہیں؟ لیکن آپ فاسٹ فوڈ کے اوپر پابندی نہیں لگاتے، آپ شراب کے اوپر پابندی نہیں لگاتے، آپ ڈرگس کے اوپر پابندی نہیں لگاتے۔ جبکہ ان تمام چیزوں کی وجہ سے صحت کے اوپر جو نقصان ہے وہ بالکل واضح ہے۔ یہ دراصل مغرب کا دوغلہ اور دوہرا معیار ہے۔ خلاصہ یہ کہ نقصان کی حدود کیا ہونی چاہئے، یہ بالکل غیر واضح ہے، اسی وجہ ہے کہ اس اصول ضرر میں ہمیشہ سے عدم توازن رہتا ہے اور اختلاف رہتا ہے، ایک طرف کچھ کہیں گے اور عمل اس کے بر خلاف ہو گا۔ یہ پہلا اعتراض ہے۔

دوسرا اعتراض: اسمیلی فوڈ اور لاؤڈ میوزک۔

مثال کے طور پر آپ ایک بلڈنگ میں رہتے ہیں جس میں بہت سارے فلیٹس ہیں۔ ایک دن آپ نے مچھلی بنانے کا ارادہ کیا۔ جب مچھلی فرائی کرنا شروع کی تو برابر کے فلیٹ والوں کو بدبو آنے لگی۔ ان کے لئے یہ بدبو بہت ناگوار تھی تو انھوں نے اعتراض کیا کہ یہ آپ روز روز مچھلی بناتے ہیں، ہمیں اس سے تکلیف ہے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ٹھیک ہے میں اب ہفتہ میں ایک دن بناؤں گا، تھوڑی دیر کے لئے تو آپ کو برداشت کرنا چاہیے۔ تو اگر چہ آپ کی اس ڈش کی بدبو سے سامنے والے کو تھوڑی دیر کے لئے بے اطمینانی ہوئی کہ وہ ڈسٹرب ہو رہا ہے، لیکن آپ اس سے کہہ رہے ہیں کہ یہ تھوڑی سی زحمت برداشت کرنی چاہئے۔

اسی طرح لاؤڈ میوزک کی مثال ہے۔ عام طور سے ترقی یافتہ ممالک میں یا بڑے شہروں میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر زادے اور امیر زادیاں جب گاڑیاں لے کر نکلتے ہیں تو وہ بہت اونچی آواز میں میوزک بجاتے ہیں، اگر وہ گاڑی چلتی ہوئی جا رہی ہے تو وہ لاؤڈ میوزک آپ کو ایک دو سیکنڈ کے لئے سنائی دے گا اس کے بعد گاڑی آگے نکل جائے گی۔ لیکن اگر سگنل پر وہ گاڑی رکی اور س کے برابر میں آپ کی گاڑی ہے تو جتنی دیر تک گاڑی رکی رہے گی آپ وہ لاؤڈ میوزک سنتے رہیں گے، یہ چیز آپ کو پریشان کرے گی۔ یہ آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر اس میوزک بجانے والے سے یا پولس میں اس کی شکایت کر دیں تو وہ کہیں گے کوئی بات نہیں! تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔ اگر چہ پ ڈسٹرب ہو رہے ہیں لیکن اتنی دیر کے لیے برداشت کرنا چاہیے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں نقصان پایا گیا، پہلے والے اعتراض میں تو سامنے والے کا نقصان ہی نہیں تھا یہاں نقصان پایا جا رہا ہے، لیکن قانون اور معاشرہ دونوں یہ کہتے ہیں کہ اس تھوڑے سے نقصان کو برداشت کر لینا چاہئے۔ اب سوال یہ ہے نقصان کے تھوڑے اور زیادہ ہونے کی حد بندی کون کرے گا؟ یہ کون طے کرے گا کہ اتنی دیر میوزک بجے تو نقصاندہ ہے اور اس سے کم بجے تو

نقصاندہ نہیں ہے۔ یہ کیسے سمجھا جائے گا کہ بلڈنگ میں ایک بار مچھلی بنائیں گے تو نقصاندہ نہیں ہے لیکن اگر روزانہ بنائیں گے تو اس کو نقصاندہ سمجھا جائے گا؟ یہ کیسے طے ہو گا؟ اب یہ دورانیہ قانون طے نہیں کرتا، لبرلزم طے نہیں کرتا، ان کے فلاسفہ بھی طے نہیں کرتے۔ اس کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ Harm Principle ہمیشہ تنقید کا شکار رہتا ہے۔ ایک اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو دوسرا اپنی طرف۔

Redefining the Harm

کچھ لوگوں نے نقصان کی از سر نو تعریف کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ یہ Harm Principle ہر جگہ ناکام ہو جاتا ہے، یہ کیا بات ہوئی کہ جب آپ کسی کو جسمانی تکلیف پہنچائیں گے تب ہی یہ غیر اخلاقی حرکت ہے اگر جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی تو یہ کوئی غیر اخلاقی عمل نہیں ہے۔ لہذا ہم دوبارہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ایک فلسفی ہے Ed Gibney اس نے یہ تعریف پیش کی ہے:

Harm is that which makes the survival of life more fragile.

(Philosopher: **Ed Gibney**)

نقصان وہ ہے جو زندگی کی بقا کو زیادہ مشکل بنادے۔

یہ شخص دراصل نظریہ ارتقاء سے متاثر ہے۔ ہر وہ چیز جو زندگی کی بقا کو مشکل بنادے وہ نقصان دہ ہے، سوال یہ ہے کہ کس کی زندگی؟ انسان کی زندگی، جانور کی زندگی، کیڑے مکوڑوں کی زندگی، کس کی زندگی کی بات ہو رہی ہے؟ کیونکہ تعریف میں زندگی کو مطلق رکھا گیا ہے۔ جب مطلق ہے تو ہر جاندار کی زندگی اس میں شامل ہو گی۔ کیونکہ ظابطہ یہ ہے کہ المطلقُ اِذا اُطلِقَ یُراد بِہ الفردُ الکاملُ یعنی جب کسی چیز کو مطلق رکھا جائے تو اس کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ نقصان وہ ہے جو کسی بھی جاندار کی زندگی کو مشکل بنادے۔ اور بقا سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ آپ سانس لے لیں، بس اتنا ہی کافی ہو، نہیں! بلکہ زندگی کی بقا سے مراد ہے مکمل وسائل کے ساتھ آسانی کے ساتھ خوشی مسرت کے ساتھ، ہشاش بشاش اور ٹھاٹھ کے ساتھ آپ اگر اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور دوسرا آپ کو نقصان نہیں پہنچا رہا ہے تو بہت اچھی بات ہے، لیکن اگر اس نے آپ کی عیش و عشرت اور پرسکون زندگی کو یا آپ کے وسائل کو ذرا بھی نقصان پہنچایا ہے، چاہے پ سانس لے رہے ہوں، مر نا رہے ہوں، اس کے باوجود یہ نقصان شمار کیا جائے گا۔

اس تعریف کا نتیجہ کیا نکلا؟ اس فلسفی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کو اس بات کا پابند بنایا جانا ضروری ہے کہ وہ جانوروں کو اس طریقہ سے استعمال کرے کہ ان کی نسل کشی ہو جائے۔ چونکہ اگر جانوروں کی نسل کشی کر دی مثلا آپ نے ایک خاص قسم کی مچھلی اتنی کھالی کہ اس مچھلی کی نسل ہی سمندر سے ختم ہو گئی۔ اس وقت پوری دنیا میں یہ تحریک چل رہی ہے کہ جاپان میں جو وہیل مچھلی کھائی جاتی ہے یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔ اگر اسی طریقہ سے وہیل مچھلی کھائی جاتی رہی تو اس کی نسل ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح افریقہ میں یہ تحریک چلی کہ white rhino کے شکار پر پابندی لگائی جائے۔ یہ گینڈے کی ایک قسم ہے، اس کے سینگ کی وجہ سے اس کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر لوگ اس طرح جانوروں کو مارتے رہیں گے تو ان کی نسل کشی ہو جائے گی۔ ان کی زندگی باقی نہیں رہے گی۔ تو جو بھی عمل زندگی کی بقا کے کے لیے مشکل ہو گا، چاہے وہ انسان کی زندگی ہو یا کسی جانور کی زندگی وہ Harm full (نقصان دہ) ہے اور وہ قابل سزا جرم ہے۔

ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ دو افراد ہیں، نیکول روجرس (Nicole Rogers) اور مشیل میلنی (Michelle Maloney)۔ ان دونوں نے ایک پراجیکٹ تیار کیا ہے جس کا نام ہے Wild Law Judgement Project۔ یہ پراجیکٹ خصوصا آسٹریلیا کے حوالے سے ہے۔ ان کا ماننا یہ ہے کہ اس پراجیکٹ کے تحت ہم ملک کے قوانین کو از سر نو لکھ رہے ہیں، لیکن اب جو قوانین ہم تیار کر رہے ہیں وہ Earth-centered ہوں گے۔ یعنی اس میں انسانوں کے بجائے روئے زمین کو مرکزی توجہ حاصل ہو گی۔ مرکزیت انسان کو نہیں بلکہ روئے زمین کو حاصل ہو گی۔ اس پراجیکٹ میں ایک باب ہے قانونِ ارض (Earth Jurisprudence)۔ اس باب کے تحت انہوں نے یہ قانون لکھا ہے:

Human governance systems at all times must take account of the interests of the whole Earth community and must ... maintain a dynamic balance between the rights of humans and those of other members of the Earth community on the basis of what is best for Earth as a whole... [and] recognize all members of the Earth community as subjects before the law.

انسانی نظام حکومت کو ہمیشہ تمام کرہ ارضی پر بسنے والی کمیونٹی کے مفادات کا خیال رکھنا چاہیے (صرف انسانی کمیونٹی نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی تمام کمیونٹیز۔ اس میں تمام جانور آ گئے) اسی طرح انسانی نظام قانون انسانی حقوق اور زمین پر بسنے والی دیگر کمیونٹیز کے درمیان ایک قابل عمل توازن کو استوار رکھے۔ اور اس توازن کی بنیاد یہ ہو کہ اس زمین کے لیے کیا چیز بہتر ہے۔ نیز یہ انسانی نظامِ حکومت اس روئے زمین پر بسنے والی تمام کمیونٹیز کو قانون کے سامنے برابری کا درجہ دے۔

اگر اس عقیدے کو قانون میں شامل کر دیا گیا- جیسا کہ لبرل ممالک کے اندر تحریکیں بھی چل رہی ہیں- تو کیا ہو گا؟ سب سے پہلے تو یہ ہو گا کہ حکومتیں یہ قانون بنائیں گی کہ آپ فلاں جانور کا شکار کر سکتے ہیں، فلاں کا نہیں کر سکتے۔ انڈیا میں بھی کچھ جانوروں کے شکار پر پابندی ہے اور مختلف ممالک کے اندر بھی کچھ نہ کچھ پابندیاں ہیں۔ اور اگر آپ نے شکار کر دیا تو یہ قابل سزا جرم ہے۔ جرم بھی کوئی معمولی نہیں، بہت بڑا جرم ہے۔ نہ صرف شکار پر پابندی ہو گی بلکہ آپ اپنی گاڑی سے کتنی پالیوشن نکال رہے ہیں؟ اگر آپ کی گاڑی میں گڑبڑی ہے اور فضائی آلودگی زیادہ ہو رہی ہے تو حکومت کو یہ حق حاصل ہو گا کہ آپ کو گاڑی چلانے سے روک دے۔ کیونکہ آپ کرہ ارضی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے اس عمل کی وجہ سے زندگی کا بقا مشکل میں پڑ جائے گا۔

یہی وجہ ہے اس وقت پوری دنیا میں climate change کی بات ہو رہی ہے۔ climate change کے تعلق سے قوانین آ رہے ہیں۔ یہ قوانین کی بات کیوں ہو رہی ہے؟ اس لیے کہ لبرلز یہ کہہ رہے ہیں کہ The Harm Principle یہ کہتا ہے کہ ہم صرف انسان کے نقصان کو نہ دیکھیں بلکہ اس کرہ ارضی پر اور بھی جاندار ہیں، ان کے نقصان کو بھی دیکھنا چاہیے۔ یہ ہے ان کا عدم توازن کہ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جانور کے نقصان سے بھی لینا دینا ہے، اگر کسی جانور کا بھی نقصان ہو گیا تو انسان کو سزا دیں گے۔ لیکن اگر وہی انسان دوسرے انسان کو، پوری انسانی سوسائٹی اور معاشرے کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس پر کوئی سزا نہیں ہے۔ (اس کی مثالیں آگے آ رہی ہے)۔ یہ ہے Inconsistency۔ ایک طرف تو آپ بے جان زمین اور بے جان بادلوں ور اوزون لئیر کو نقصان پہنچانے پر انسان کو سزا دے رہے ہیں، دوسری طرح آپ ایک پورے انسانی معاشرے کو نقصان پہنچانے پر ایک انسان کو کوئی سزا نہیں دے رہے ہیں۔ یہ عدم توازن اس اصول ضرر کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ قانون تو کسی شخص نے دے دیا لیکن اس قانون کی وضاحت نہیں کی، یہ نہیں بتایا کہ نقصان یہ ہے اور یہ نہیں ہے۔ یہ انسانوں پر ہی چھوڑ دیا کہ تم خود طے کرتے رہو۔ لیکن اگر خالق کے اوپر چھوڑتے اور خالق یہ طے کر دیتا کہ یہ نقصان ہے اور خالق کی بات مان لی ہوتی جیسا کہ مسلمانوں نے مانی ہے اور جیسا کہ شریعت محمدی ﷺ کے اندر مانی گئی ہے، تو کبھی بھی اس طرح کے اختلافات رونما نہ ہوتے۔ اور انسانی معاشرہ کبھی Inconsistency کا شکار نہ ہوتا۔

قاعدہ ضرر کے نتائج

اب تک اس اصول ضرر سے اتنی بات سمجھ آ گئی کہ اس اصول کی وجہ سے ایک انسان آزادی کا مستحق اور حقدار بن جاتا ہے اور وہ اس وقت تک آزاد ہے جب تک وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچا رہا ہے، یہ ہے آزادی کی بنیاد۔ کوئی بھی معاشرہ، کوئی بھی ملک، کوئی بھی قانون آپ کی آزادی کو محدود نہیں کر سکتا۔ آپ جو چاہیں کریں، جو چاہیں سوچیں، جو چاہیں کہیں۔ آپ کے قول

، فعل، رویے پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ آپ دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں اور نقصان بھی جسمانی ہو یا مالی ہو۔ اب یہ Harm Principle جو آزادی کی بنیاد بنا، اس کے تحت مندرجہ ذیل پانچ چیزیں ہیں جو انسانی معاشرے کے اندر آج بنیادی حقوق کے طور پر تصور کی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ بنیاد حقوق نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ہم ان میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہیں:

- Sexual freedom
- Homosexuality
- Alcohol
- Choice
- Expression/Speech

۱۔ **جنسی آزادی (Sexual freedom):** لبرل معاشروں کے اندر جنسی آزادی مکمل طور پر حاصل ہے۔ مرد و عورت بغیر نکاح کے ایک ساتھ (live-in relationship) رہتے ہیں۔ ایک ساتھ نہ بھی رہیں، مرد و عورت ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے حاصل کرتے ہیں۔ یہ جنسی آزادی مغربی لبرل سوسائٹیوں میں ہر جگہ آپ کو ملے گی۔ اس کے پیچھے یہی نظریہ ہے کہ ہم اس عمل کے ذریعہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ جب ہم کسی کو نقصان ہی نہیں پہنچا رہے ہیں تو پھر آپ کو پرابلم ہے یا حکومت کو کیا مسئلہ ہے؟ وہ چاہے جو پہنیں، جتنا پہنیں، چاہے وہ اپنے جسم کی نمائش کریں، یہ ان کا حق ہے۔ یہ نظریہ دراصل Harm Principle پر مبنی ہے۔

۲۔ **ہم جنس پرستی (Homosexuality):** ہم جنس پرستوں سے اگر آپ پوچھیں کہ تم یہ حرکتیں کرتے کیوں ہو جبکہ تم اپنے اس رویے کو سائنسی بنیادوں پر ابھی تک ثابت نہیں کر سکے؟ (جنس پرستی پر جب ہم بات کریں گے تو پھر ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیں گے) جب ان سے پوچھیں کہ تمہاری ان حرکتوں پر کیوں پابندی نہ لگائی جائے اور تم کیوں پوری دنیا میں یہ تحریکیں چلا رہے ہو کہ تمہارے اس رویے کو قابل قبول مان لیا جائے؟ تو وہ فوراً چھوٹتے ہی کہتے ہیں کہ ہم کس کو نقصان پہنچا رہے ہیں؟ دو لوگ ہیں، چاہے دو مرد ہوں یا دو عورتیں، اپنی پر رضی سے اگر کوئی عمل کر رہے ہیں تو یہ ان کی مرضی ہے۔ وہ کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچا رہے ہیں، ان کو یہ آزادی ملنی چاہیئے۔ آپ ان کی آزادی کو محدود نہیں کر سکتے۔

۳۔ **شراب نوشی (Alcohol):** مغربی دنیا میں شراب نوشی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور کنٹرولڈ شراب پینے پر تو بالکل بھی پابندی نہیں ہے کہ جس میں آپ پر نشہ طاری نہ ہو، اور اگر آپ پر نشہ چڑھ بھی گیا اور آپ سڑک پر پیدل چل رہے ہیں، گاڑی نہیں چلا رہے ہیں، تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں مغربی ممالک میں ہر جمعہ کی رات اور ہفتے کی رات اگر آپ کسی نائٹ کلب کے باہر

سے گزریں تو لوگ آپ کو جھولتے جھالتے نظر آئیں گے، شراب کے نشے میں چور ہوتے ہیں اور پھر اوبر کی ٹیکسی بلاکر اپنے گھر جاتے ہیں، خود گاڑی نہیں چلاسکتے۔ تو الکحل اتنا زیادہ عام ہے کہ آپ ہر جگہ آرام سے خرید سکتے ہیں۔ اربوں ڈالر کی انڈسٹری ہے۔ آپ ان سے پوچھیں کہ اس پر پابندی کیوں نہیں ہے، یہ تو بہت خراب چیز ہے؟ تو وہ کہیں گے اس میں کس کا نقصان ہے؟ ایک آدمی شراب پی کر خود نشے میں آیا، دوسرے کا اس نے کیا نقصان کیا؟ اس لیے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

۴۔ **حق اختیار (Choice):** یعنی مجھے یہ آزادی حاصل ہے کہ میں کسی بھی چیز کو چنوں، کسی بھی شخص کا انتخاب کروں۔ اگر الیکشن چل رہا ہے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں اس پارٹی کا انتخاب کروں یا پھر دوسری پارٹی کا انتخاب کروں۔ یہ میرا حق ہے، مجھے اس کی آزادی ہے۔ مجھے یہ بھی حق حاصل ہے کہ میں جیسا طرز زندگی چاہوں اس کا انتخاب کروں۔ یہ Choice بھی اسی Harm Principle کے اوپر مبنی ہے۔

۵۔ **آزادئ اظہار رائے (Expression/Speech):** یہ سب سے اہم ہے۔ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ اگر میں اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہوں تو میں نے اس میں کسی کا کیا نقصان پہنچایا؟ میری رائے سے جب آپ کا نہ جانی نقصان ہوا، نہ ہی مالی نقصان ہوا تو آپ میری رائے کی آزادی کو کیسے محدود کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرہ میں آئے دن شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس تعلق سے یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی ہے، ایک شخص نے blasphemy (توہین) کر کے اپنی رائے کا اظہار ہی تو کیا ہے، ہم اس کی آزادی کو کیسے محدود کر سکتے ہیں، جبکہ اس نے کسی کو جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچایا۔

مذکورہ بالا تمام چیزیں مغربی معاشرے میں اور لبرل سوسائٹیوں میں freedom کے تحت آتی ہیں اور ان سب کی بنیاد وہی Harm Principle ہے کہ اس میں دوسرے کا جانی یا مالی نقصان نہیں ہے۔ لیکن کیا واقعی بات یہی ہے کہ اس میں دوسرے کا نقصان نہیں ہے؟ یہاں سے دراصل شروع ہوتی ہے مغرب کی دوہری پالیسی اور Inconsistency ۔

آزادی کے نقصانات

جنسی آزادی کے نقصانات:

سب سے پہلے ہم جنسی آزادی کے اوپر بات کریں گے۔ آگے جتنے بھی اعداد و شمار آرہے ہیں وہ امریکہ کے تناظر میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کی سوسائٹی قانونی اعتبار سے سب سے زیادہ لبرل سوسائٹی ہے۔

Worst Impacts of the 1960s Sexual Revolution

- **-ABORTION**

(1973-2022)More than 62 million babies have been aborted in the US)

- **-UNWED BIRTHS**

(Nearly 30% for whites and 70% for blacks. School dropout, Poverty, Crime)

- **-PORNOGRAPHY ADDICTION**

1960 کی دہائی میں امریکہ میں ایک جنسی انقلاب برپا ہوا۔ معاشرہ 4-5 سال کے اندر اندر بدل گیا۔ نوجوان بے راہ روی کے شکار ہو گئے۔ پہلے پھر بھی کچھ روایت پسند تھے، لیکن 1960 میں ایک انقلاب آیا۔ اس انقلاب میں ہوا یہ کہ لڑکے اور لڑکیاں مادر پدر آزاد ہو گئے، زنا عام ہو گیا، ہم جنس پرستی شروع ہو گئی، نشے کی چیزیں جگہ جگہ ملنے لگیں، شراب نوشی، سگریٹ نوشی عام ہو گئی، پورنو گرافی کی انڈسٹری اسی وقت شروع ہوئی، ایسی فلمیں بنیں جن میں پورنو گرافی کو اور زناکاری کو بڑھاوا دیا گیا۔ ظاہر ہے جب یہ سب چیزیں آپ معاشرے کو دیں گے تو معاشرہ بدلے گا، محض یہ کہنے سے کہ "تم جنسی بے راہ روی اختیار کر لو" کوئی اختیار نہیں کرتا، جب تک کہ آپ اس کو کچھ نہ دکھائیں۔ تو ایک منظم طریقے سے اس معاشرے کو بدلا گیا۔ اور یہ ضروری اس لئے تھا کہ پوری دنیا کو بدلنے کے لئے امریکہ کا خود پہلے بدلنا ضروری تھا، اگر امریکہ نہیں بدلے گا تو دنیا نہیں بدلے گی۔ اس زمانے میں امریکہ ایک سپر پاور تھا، دوسرا سپر پاور روس تھا، لیکن امریکہ کو چنا گیا کیونکہ یہاں آزادی ہے۔ لہٰذا اس پورے معاشرے کو کرپٹ کر دیا گیا۔ اور چونکہ امریکہ لبرلزم کے ایک خاص نظام کے اوپر استوار ہو گیا تھا تو ساری دنیا کو قبول کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ آج مسلم ممالک کے اندر بھی اس طرح کے رویے بہت آسانی کے ساتھ آپ کو مل جائیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ جو جنسی آزادی کا انقلاب آیا اس کے نقصانات کیا ہوئے؟ یہ جو دعوی کیا جاتا ہے کہ آزادی کو اس لیے محدود نہیں کر سکتے چونکہ اس میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہے، تو اب ہم دیکھتے ہیں وہ نقصانات کیا جو اس جنسی انقلاب کے نتیجے میں ہوئے؟

- <u>ABORTION (اسقاط حمل)</u>

سب سے پہلا نقصان ہے اسقاط حمل۔ **1973 سے 2022 تک صرف امریکہ میں 62 ملین بچوں کا اسقاط حمل کیا گیا۔**

70 کی دہائی کے آغاز میں ایک قانون بنا تھا، امریکی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسقاط حمل عورت کا حق ہے۔ وہ اگر ماں بننا

چاہتی ہے تو بن جائے، اگر نہیں بنا چاہتی تو نہ بنے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب زنا عام ہو جائے گا تو حمل کا ٹھہرنا بھی عام ہو جائے گا۔ اس کا علاج یہ ہے عورت اسقاط حملکرا لے۔ اگر اسقاط حمل کو قانونی جواز دے دیا گیا تو زنا تیزی کے ساتھ آگے بڑھے گا۔ کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی، کیونکہ اگر کوئی حاملہ ہو بھی گئی تو جا کر اسقاط کرالو۔ اور جگہ جگہ اسقاط حمل کے کلینک کھل گئے۔ یہاں تک کہ ابھی چند مہینوں پہلے پورے پچاس سال کے بعد امریکی سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ پچاس سالوں تک اسقاط حمل کو جائز رکھا گیا، 62 ملین بچوں کی قربانی دے دی گئی۔ اور یہ اعداد و شمار اس لئے موجود ہیں کہ سائنسی اعتبار سے ان بچوں کے اندر جان پڑ گئی تھی اور وہ اپنی ماؤں کے پیٹ میں زندہ تھے۔ زنا کو بڑھاوا دینے کے لئے 62 ملین بچوں کا قتل کیا گیا۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ کیا یہ زندگی کے لیے نقصان نہیں ہے؟ 62 ملین بچوں کو قتل کر دینا، کیا یہ ضرر اور نقصان نہیں ہے؟ یقیناً ضرر ہے! اس کے باوجود اسقاط کو درست رکھا گیا، اس کو قانوناً درست مانا گیا اور اخلاقی عمل مانا گیا۔ چند مہینوں پہلے سپریم کورٹ نے اپنا پچاس سال پرانا فیصلہ بدل دیا۔ اور بدلا بھی کس طریقے سے ہے؟ یہ نہیں کہا اب اسقاط حمل غیر قانونی ہے، بلکہ یہ کہا کہ اب صوبوں کو اختیار ہے کہ وہ اسقاط کے خلاف قانون بنائیں یا نہ بنائیں۔ امریکہ میں آج بھی شمال و جنوب کی تقسیم اس طور پر ہے ہے کہ جو شمالی صوبے ہیں وہ لبرل مانے جاتے ہیں، جبکہ جو جنوبی صوبے ہیں وہ جیسے فلولیڈا، ٹیکسس وغیرہ تو وہ تھوڑے روایت پسند مانے جاتے ہیں۔ یہاں عیسائیت ابھی بھی زوروں پر ہے۔ اب جنوبی صوبوں کے اندر جلدی جلدی یہ قانون بننے شروع ہو گئے کہ اب کوئی اسقاط حمل نہیں کرا سکتا الا یہ کہ کوئی طبی ضرورت ہو۔ کوئی خاتون اپنی مرضی سے اسقاط کرانا چاہ رہی تو یہ اب غیر قانونی ہو گیا ہے۔ ابھی ہمارے صوبہ میں جو گورنر کا الیکشن تھا تو اس میں امیدوار کا یہی ایجنڈا تھا کہ میں کبھی بھی اسقاط حمل پر پابندی نہیں لگاؤں گا۔ اور اسی بنیاد پر اس نے یہ الیکشن جیت لیا۔ تو وہ جنسی انقلاب کا نتیجہ نکلا اسقاط حمل اور اسقاط حمل نے 62 ملین بچوں کی جان لی ہے۔ اس سے بڑا اور کیا نقصان ہو سکتا ہے، لیکن اس نقصان کو نقصان نہیں مانا گیا۔

- **UNWED BIRTH (شادی کے بغیر پیدائش):**

یہ جنسی آزادی کا دوسرا نقصان ہے۔ امریکہ میں موجودہ اعداد و شمار کے مطابق گوروں میں 30 فیصد اور کالوں میں 70 فیصد بچوں کی پیدائش شادی کے بغیر ہوتی ہے۔ جب یہ 30 فیصد اور 70 فیصد بچے پیدا ہوئے اور معاشرے میں آئے تو ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ چونکہ ان کی نگہداشت کرنے والی صرف ان کی ماں ہوتی ہے، اور اس کو بھی ملازمت پر جانا ہے، باپ تو ہے ہی نہیں کیونکہ اس نے شادی کی ہی نہیں تھی، مرد زنا کر کے چلا گیا، تو اب ان بچوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ ان بچوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ امریکہ میں تعلیم مفت ہے پھر بھی ان بچوں کی تعلیم انتہائی ناقص ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثریت اسکول چھوڑ دیتی ہے اور اپنا ہائی

اسکول پورا نہیں کر پاتی۔ جب یہ ہائی اسکول پورا نہیں کریں گے تو ہمیشہ غریب رہیں گے، ان میں غربت بڑھتی ہے، جب غربت بڑھتی ہے تو جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ جیل میں ایسے ہی بچے بند ہیں جو بڑے ہو کر جرائم کی دنیا میں گئے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس جنسی انقلاب سے جو اتنی بڑی تعداد میں شادی کے بغیر بچوں کی پیدائش ہوئی ہیں، کیا انھوں نے معاشرہ کو نقصان نہیں پہنچایا؟ اگر معاشرہ کو نقصان پہنچایا ہے، لوگ جرائم کا شکار ہو رہے ہیں، لوگ غربت کا شکار ہو رہے ہیں تو آخر اس پر پابندی کیوں نہیں لگائی گئی؟ یہ کیسا دوہرا رویہ ہے؟ نقصان تو موجود ہے۔

• PORNOGRAPHY ADDICTION:

جنسی انقلاب کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بڑوں میں بلکہ بچوں میں بھی فحش فلمیں دیکھنے کی لت بڑھ گئی۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار کو دیکھیں، یہ امریکہ کا ڈیٹا ہے:

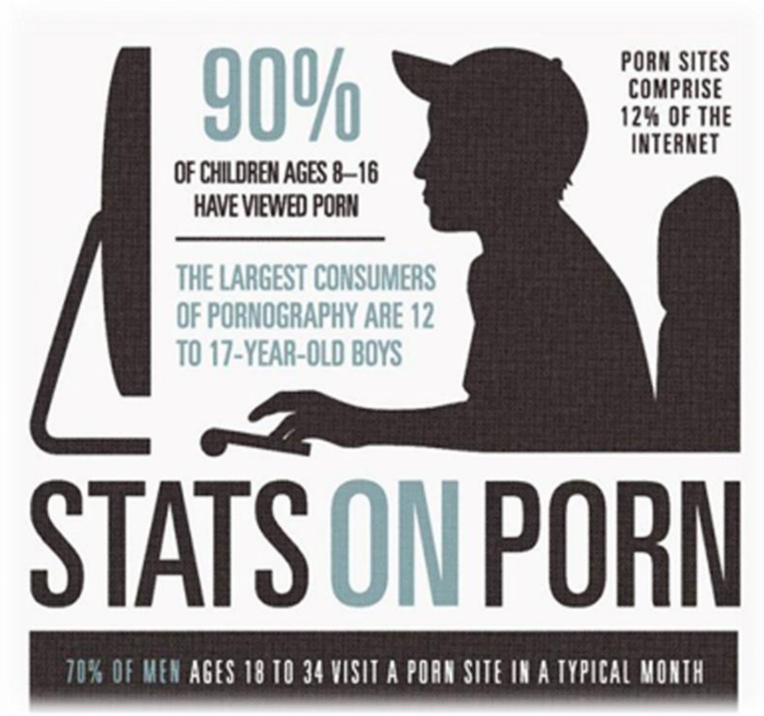

انٹرنیٹ کا 12 فیصد حصہ فحش ویب سائٹ کے لئے وقف ہے۔ 12 فیصد انٹرنیٹ پورن ویب سائٹوں سے چل رہا ہے۔ 12 فیصد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تو سوچیں کہ کتنی بڑی تعداد میں اس طرح کی ویب سائٹس انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔

اور 8 سے 16 سال کے 90 فیصد بچے پہلے ہی فحش ویڈیوز دیکھ چکے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی تعداد ہے۔

ان ویب سائٹس کے سب سے زیادہ صارفین 12 سے 17 سال کے بچے ہیں۔

70 فیصد مرد جن کی عمر 18 سے 34 سال کے درمیان ہے، عام طور سے مہینہ میں ایک مرتبہ ان ویب سائٹس پر ضرور جاتے ہیں۔ یہ ہے PORNOGRAPHY ADDICTION (فحش بینی کی لت)۔

فحش مواد دیکھنے کے نقصانات:

شروع میں جب کوئی انسان ایسی فحش فلمیں یا ویڈیوز دیکھتا ہے تو اس کی شہوانیت کو تسکین حاصل ہو گی۔ جب اس سے دل بھر جائے گا تو وہ مزید دیکھنا چاہے گا، پھر اس سے دل بھرے گا تو کچھ نیا ڈھونڈے گا، یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور اسے لت لگ جائے گی۔ جس طرح سے ڈرگس میں ہوتا ہے کہ اگر آپ لیتے رہیں تو آپ کا جسم ڈرگس کا عادی ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے ہیں آپ کا جسم اور بھی زیادہ پاورفل ڈرگس چاہتا ہے۔ یہی صورت حال فحاشی کی لت لگنے سے بھی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص اس بری عادت کو شکار ہو جاتا ہے تو اب اسے اور بھی زیادہ پاورفل فحش فلم چاہیئے تب جاکر اسے تسکین ہو گی۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسے دیکھ کر لذت حاصل نہیں ہوتی چونکہ وہ سب کچھ دیکھ چکا ہے، اب اس کو کرنا ہے۔ اب اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک ماہر نفسیات ہیں میری این لیڈن۔ اس خاتون نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے، اس سے کچھ اقتباسات نقل کرتا ہوں:

"In10 years, I had not treated one case of sexual violence that did not include pornography ".

یہ ماہر نفسیات کہتی ہیں کہ میں نے گزشتہ 10 سالوں میں جتنے بھی جنسی تشدد کے معاملے دیکھیں ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جس میں پورنوگرافی شامل نہ ہو۔

جنسی تشدد میں ریپ بھی شامل ہے، چاہے وہ کسی خاتون کا ہو، کسی مرد کا ہو، کسی بچے کا ہو یا کسی بچی کا ہو۔ پچھلے دس سالوں میں ان تمام معاملات میں کہیں نہ کہیں پورنوگرافی کا دخل رہا ہے۔ یعنی اس شخص نے پورنوگرافی سے متاثر ہو کر یہ جرم کیا۔ تو کیا یہ پورنوگرافی نقصاندہ نہیں ہے؟ جنسی انقلاب کے نتیجہ میں پورنوگرافی کی لت بڑھی، تو کیا جنسی انقلاب نقصاندہ نہیں ہے؟ لیکن آپ نے اس کو آزادی قرار دے کر بالکل بے مہابہ چھوڑ دیا۔ اس کے اتنے نقصانات ہیں سب کو نظر انداز کر دیا لبرل سوسائٹی نے؟

اس کے بعد اگلا پیراگراف ملاحظہ فرمائیں:

"The crimes that are connected to the **Permission-Giving Beliefs** which are spread in pornography are not just incest and child rape. They are adult rape, sexual harassment, adult and child prostitution, adult and child sex trafficking and domestic violence combined with sexual assault .All of these connections have been found in both clinical experience and in research". https://www.josh.org/pornography-and-crime/

وہ کہتی ہے: پورنوگرافی دیکھنے کے بعد جرائم اس وجہ سے وجود پذیر ہوتے ہیں کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پورن فلم بنوانے والا اداکار یہ اجازت دے رہا ہے کہ میرے جسم کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تو جو لوگ اس طرح کے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے

ہیں کہ سامنے والے نے ہمیں اجازت دے رکھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ یہ کام کر سکتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ جتنے بھی اس طرح کے جرائم ہیں جو اس نظریہ اجازت (سامنے والے نے ہمیں اجازت دے رکھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ اس طرح کے کام کر سکتے ہیں) سے جڑے ہوئے ہیں اور یہ نظریہ پورنوگرافی سے آتا ہے۔ ان جرائم میں صرف بچوں کے ساتھ زیادتی اور محارم (ماں، بہن، بھائی، باپ) سے زیادتی ہی شامل نہیں ہیں- اور یہ اس طرح کے رویے پورنوگرافی کی وجہ سے ہی آتے ہیں کہ سامنے والا مجھے اجازت دے رہا ہے، مجھے اشارہ دے رہا ہے کہ اس کے ساتھ جو چاہوں کروں، حالانکہ اس کی طرف سے کوئی اجازت نہیں ہوتی- بلکہ یہ تمام جرائم بھی ہوتے ہیں: بڑوں کے ساتھ زیادتی (چاہے مرد ہو یا عورت)، کسی کو جنسی طور پر ہراساں کرنا، بچوں یا بڑوں کو عصمت فروشی میں دھکیلنا، یا ان کو جسم فروشی کے لئے بیچ دینا، جنسی عمل کے دوران مرد کا بیوی کو یا بیوی کا مرد کو مارنا۔

یہ سارے وہ جرائم ہیں جو پورنوگرافی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیا یہ نقصان نہیں ہے؟ یہ خاتون کہتی ہے کہ طبی تجربات اور تحقیقی تجربات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پورنوگرافی اور ان جرائم کے درمیان ایک گہرا ربط ہے۔ اب بتائیں کہ اس میں نقصان ہے یا نہیں؟ نقصان ہے، لیکن مغربی معاشرہ اس کو قبول نہیں کرتا۔

اب ہم سیکس ٹریفیکنگ کے بارے میں دیکھتے ہیں۔ سیکس ٹریفیکنگ کا مطلب ہے کسی بچے یا بچی کو اغوا کر کے، غلام یا باندی بنا کر اس مقصد کے لئے بیچ دینا۔ پھر وہ بچہ یا بچی پوری زندگی اسی جہنم کا حصہ رہتا ہے۔ 1960 کی دہائی میں جو جنسی انقلاب آیا، اس کے نتیجہ میں امریکہ میں سیکس ٹریفیکنگ کتنی بڑھی؟ اس تصویر میں جو ڈیٹا ہے وہ امریکی وزارت انصاف سے نکلا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امریکہ میں جو سیکس ٹریفیکنگ ہوتی ہے اس سے وہاں اربوں ڈالر کا فائدہ ہوتا ہے۔ وزارت انصاف نے امریکہ میں ہیومن ٹریفیکنگ کے 20 بڑے ٹھکانوں کا پتہ لگایا ہے۔ تصویر میں ان تمام شہروں کے نام نقشے کے ذریعے درج ہیں جہاں ہیومن ٹریفیکنگ ہو رہی ہے۔

ایک دلال اوسطاہر سال 1.5 سے 2 لاکھ ڈالر کماتا ہے اور اس کے تحت 4 سے 6 لڑکیاں ہوتی ہیں۔ صرف امریکہ میں ہی یہ انڈسٹری ہر سال 9.5 بلین ڈالر کا کاروبار کرتی ہے۔ اس وقت تقریبا 3 لاکھ بچے ایسے ہیں جن کو اس بات کا خطرہ ہے کہ انھیں عصمت فروشی میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہر 3 میں سے 1 بچہ گھر سے نکلتے ہی 48 گھنٹہ کے اندر اندر اس عصمت فروشی کے بازار میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

یہ ہے جنسی انقلاب کا نقصان۔ مانتے ہیں کہ سیکس ٹریفیکنگ کے خلاف قوانین ہیں لیکن جب حکومت کو یہ پتہ ہے کہ اتنے بلین ڈالر کا کاروبار ہو رہا ہے تو جس طریقے سے کرونا کے وقت آپ نے پالیسی بنائی تھی کہ لوگوں کو گھروں سے نہیں نکلنے دیا، لوگوں کو مسجدوں اور چرچوں میں جمع نہیں ہونے دیا گیا، اسکول بند کر دیئے گئے، تو کیوں آپ سیکس ٹریفیکنگ کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیتے؟ اور وہ کون لوگ ہیں جو 9.5 بلین ڈالر دے کر ان بچے بچیوں کے ساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں؟ یہ کوئی خلائی مخلوق نہیں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو لبرلزم کے دلدادہ معاشروں میں رہتے ہیں۔ کیا یہ بچوں کا نقصان نہیں ہے؟ یہاں تک تو جنسی انقلاب کے نتیجہ میں ہونے والے نقصانات کو شمار کرادیا گیا۔ ایک اور چیز ذکر کرتا ہوں۔

HOMOSEXUALITY(ہم جنس پرستی)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ہم جنسی پرستی کو کیوں روا رکھا گیا؟ ایک وجہ ہے آزادی، دوسرا کسی کا نقصان نہیں ہے۔ آئیں ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ ہم جنس پرستی ہی کی وجہ سے دنیا میں سب سے زیادہ HIV (ایڈز کی بیماری) پھیلتی ہے۔ ہیومن رائٹس کی ویب سائٹ سے یہ اقتباس نقل کیا ہے:

There is no vaccine or cure, and tens of thousands of people continue to contract HIV every year. (Human Rights Campaign)

اس مرض کی نہ تو کوئی دوا ہے، نہ ہی کوئی ویکسین ہے۔ اور ہر سال ہزاروں لوگ ایڈز کا شکار ہو رہے ہیں۔

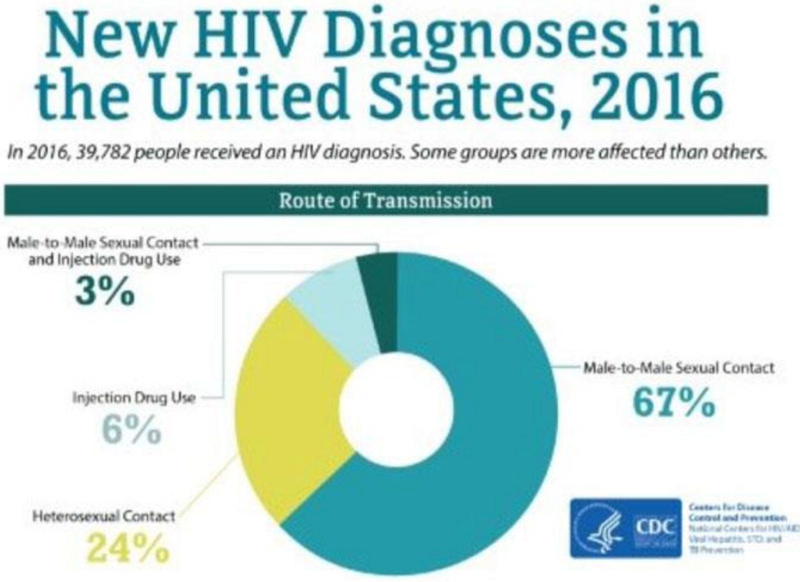

اس تصویر میں اعداد و شمار دیکھیں۔ CDC جو امریکہ کا سرکاری ادارہ ہے، اس کی طرف سے یہ ڈیٹا شائع کیا گیا ہے۔

2016 میں 39،782 افراد امریکہ میں ایڈز کا شکار ہوئے۔ جب ان کے بارے میں تحقیق کی گئی تو کچھ گروپس ایڈز سے زیادہ متاثر تھے اور کچھ کم۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تو یہ بات سامنے آئی کہ ان 39،782 لوگوں میں سے 67 فیصد لوگ ہم جنس پرست تھے، جن کو یہ بیماری ہوئی۔ ہاں! بعض مرتبہ یہ بیماری استعمال شدہ انجکشن کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، لیکن اس کی تعداد 6 فیصد ہے۔ اور 24 فیصد ایڈز Heterosexual Contact کی وجہ سے ہوا یعنی ایک عورت متعدد مردوں سے ہم بستر ہو۔ لیکن ایڈز کی سب سے زیادہ تعداد 67 فیصد، ہم جنس پرستی کی وجہ سے ہوئی۔

کیا یہ ایڈز کی بیماری نقصان دہ نہیں ہے؟ کیا اس کی وجہ سے معاشرے میں مرض نہیں پھیلتا؟ ابھی کوویڈ سے دنیا پوری طرح نکلی نہیں ہے، کوویڈ سے کتنے لوگ مرے؟ کل کی رپورٹ ہے، آپ گوگل پر چیک کرسکتے ہیں کہ کوویڈ کی وجہ سے پوری دنیا میں کل 6.65 ملین لوگوں کی موت ہوئی ہے دو ڈھائی سال کے اندر۔ اور اس کی وجہ سے پوری دنیا کو سر پر اٹھالیا گیا، ہر جگہ پابندیاں لگا دی گئیں، ویکسین ایجاد کر دی گئی اور لوگوں کو زبردستی لگائی گئی، ان کو سفر سے روکا گیا۔ لیکن HIV کے شکار ابھی تک 1980-2022 تک، ان گزشتہ 40 سالوں میں 40.1 ملین لوگ ایڈز میں مرے ہیں۔ جو مبتلا ہوئے ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ لیکن اس کے لئے نہ تو کوئی ویکسین ہے اور نہ ہی اس پر کوئی پابندی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر آپ کوویڈ کی وجہ سے اسکول بند کرسکتے ہیں، عبادت گاہوں کو بند کرسکتے ہیں، سفر پر پابندی لگا سکتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے کوویڈ پھیلتا ہے، تو آپ ہم جنس پرستی کے اوپر پابندی کیوں نہیں لگا سکتے؟ جبکہ 67 فیصد ایڈز پھیلانے کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں، کیا یہ ضرر نہیں ہے؟

یہ ہے ان کا دہرا معیار۔ ایک طرف تو یہ لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ مذہب ڈوگما(Dogma) کا شکار ہے، یعنی محض اس وجہ سے کہ ایک بات چونکہ مذہب میں آگئی ہے اس کو ماننے لگ جاتے ہیں، اس کے پیچھے کوئی معقول وجہ نہیں ہوتی۔ یہ لوگ Dogma کا لفظ بہت استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اپنے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہماراThe Harm Principle بہت ہی منطقی اور معقول ہے کہ جب تک آپ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچارہے ہیں تب تک آپ آزاد ہیں، جو چاہیں کریں۔ لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے اصول ضرر کا نقصان کتنا زیادہ ہے۔ یہ اتنا زیادہ نقصان دہ ہے کہ اس کی وجہ سے انھوں نے جو آزادی دی ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ انسانوں کو بلکہ پورے انسانی معاشروں اور کنبوں کو تباہ وبرباد کر دیا ہے۔ اس میں اور بھی چیزیں ذکر کرنی ہیں جو آئندہ درس میں بیان ہوں گی، ان شاء اللہ۔

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

آٹھواں موضوع:

لبرلزم (Liberalism)

درس نمبر: 08

تاریخ: 17 دسمبر 2022

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظرثانی: محمداحمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ وَ المُرسَلِینَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحبِہٖ اَجمَعِینَ۔ اَمَّا بَعدُ!

گزشتہ ہفتہ کا درس قاعدہ ضرر (The harm principle) پر مشتمل تھا۔ اور The harm principle کی بنیاد پر لبرل سوسائٹی میں آزادی کو فروغ دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان انفرادی سطح پر مکمل طور پر آزاد ہونا چاہیئے۔ یعنی وہ جو چاہے کرے اس کی مرضی، جب تک کہ وہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچا رہا ہو۔ گزشتہ درس میں ہم نے اس اصول پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی کہ لبرل سوسائٹیز ایسے بہت سے قوانین بناتی ہیں جن سے بہت سے مواقع پر وہ انسان کی انفرادی آزادی کو محدود کر دیتی ہیں، جبکہ اس انسان کی آزادی سے کسی دوسرے کو نقصان نہیں بھی پہنچتا۔ جس کی چند مثالیں بھی پیش کی گئی تھیں۔ اسی طرح یہ بات بھی آئی تھی کہ لبرل معاشرہ بہت سی ایسی چیزوں کی آزادی دیتا ہے کہ جن سے دوسروں کو سخت نقصان ہوتا ہے۔ اگر The harm principle اتنا ہی اہم ہے تو پھر ان سب چیزوں کی آزادی بھی نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ گزشتہ درس کے آخر میں اصول ضرر کے نتیجے میں ملنی والی پانچ طرح کی آزادیوں کا ذکر کیا گیا تھا جن سے دو پر یعنی جنسی زادی اور ہم جنس پرستی کے اوپر گفتگو ہو چکی ہے کہ ان کے کیا کیا نقصانات ہیں۔ اب ہم آگے بڑھتے ہیں:

The harm principle = Freedom

- Sexual freedom
- Homosexuality
- Alcohol
- Freedom of Choice
- Expression/Speech

Absolute Freedom of Alcohol (شراب نوشی کی مکمل آزادی)

یعنی آپ جتنی چاہیں شراب پییں، نشہ کریں، کوئی مسئلہ نہیں ہے، جب تک کہ آپ دوسرے کو نقصان نہ پہنچا رہے ہوں۔ اگر آپ دوسرے کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو پھر شراب پینا ایک جرم ہے۔ مثلاً اگر آپ شراب کے نشہ میں گاڑی چلا رہے ہیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ گاڑی صحیح سے نہ چلا سکیں، جس کے نتیجہ میں دوسرے کے جان اور مال دونوں کے لیے آپ نقصاندہ بن سکتے ہیں، اس لیے یہ قانوناً جرم ہے۔ لیکن اگر آپ نشہ کی حالت میں گاڑی نہیں چلا رہے ہیں، آپ اپنے گھر میں شراب پی رہے

ہیں، کسی پب میں بیٹھ کر شراب پی رہے ہیں، کسی نائٹ کلب میں جاکر شراب پی رہے ہیں، یا آپ ڈرگ لے رہے ہیں، تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آج کے دور میں امریکہ میں اور بہت سے مغربی ممالک میں ڈرگز لینا بھی بہت عام بات ہو گئی ہے۔ پہلے ایک زمانہ تھا جب امریکہ میں ڈرگز کے اوپر پابندی تھی، لیکن گزشتہ دس سالوں میں آہستہ آہستہ صوبہ در صوبہ یہ پابندی ہٹا دی گئی، اور اب امریکہ کے پچاس صوبوں میں سے اکثر صوبوں میں آپ کسی بھی دکان سے بہت ہی آسانی کے ساتھ ڈرگز خرید سکتے ہیں۔ کچھ خاص ڈرگز ہیں جو ابھی بھی ممنوع ہیں، جو بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں لیکن عام طور سے پہلے جن پر پابندی تھی اب وہ بہت آسانی کے ساتھ مل سکتی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ خرید سکتے ہیں بلکہ کچھ صوبوں میں تو آپ اپنے گھر کے باغیچہ میں افیم کی کھیتی کرنا چاہیں تو بلا جھجھک یہ کام کر سکتے ہیں۔ یہی افیم کی کاشت اگر افغانستان میں ہو تو پورے افغانستان پر پابندی، لیکن امریکہ میں ایک آدمی خود اپنے گھر کے باہر افیوم کی کاشت کر رہا ہے تو کوئی بات نہیں۔ یہ ان کا دہرا معیار ہے۔ بہر حال الکوحل کے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ہو گا کہ کس طرح سے لوگ شراب پی کر جرائم کرتے ہیں اور کتنے جرائم شراب سے متعلق ہیں:

Alcohol-Related Crimes

- On average, roughly 40% of inmates who are incarcerated for violent offenses were under the influence of alcohol during the time of their crime.
- **Robbery:** 15% (intensifies a robber's feelings of desperation)
- **Sexual Assault:** 37 % (intensifies aggressive behavior)
- **Aggravated Assault:** 27% (extreme mood swings)
- **Child Abuse:** (Roughly four in ten child abusers have admitted to being under the influence of alcohol during the time of the offense.)
- **Homicide:** 40% (The short- and long-term effects of alcohol blur a person's mental state)

(https://www.alcoholrehabguide.org/alcohol/crimes/

اوسطا تقریبا 40 فیصد ایسے مجرمین جو پر تشدد جرائم کی وجہ سے جیلوں میں ہیں، ان کا جب سروے کیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ وہ جرم کا ارتکاب کرتے وقت نشہ میں تھے۔ یہ بہت بڑا نمبر ہے کہ 100 میں سے 40 مجرموں نے نشہ کی حالت میں پر تشدد جرائم کا ارتکاب کیا۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ شراب کا نشہ ایک بہت بڑی وجہ ہے جرائم میں اضافے کی۔ تو ایک طرف آپ شراب کی کھلی اجازت دیتے ہیں لیکن اس اجازت کی وجہ سے معاشرہ کے اندر 40 فیصد پر تشدد جرائم واقع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے دوسروں کا جانی نقصان بھی ہوتا ہے اور مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ نقصان آپ کو نظر نہیں آتا ہے۔

نشہ میں کون کون سے جرائم پیش آتے ہیں وہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔

Robbery(ڈاکہ):

ڈاکہ زنی کے جو واقعات ریکارڈ میں آئے ان میں سے 15 فیصد ایسے واقعات ہیں جن کا تعلق شراب کے نشے سے ہے۔ یعنی یہ لوگ شراب کا نشہ کر کے ڈاکہ زنی کرتے ہیں۔ اب شراب کا ڈاکہ زنی سے کیا تعلق ہے؟ اس کے اوپر باقاعدہ تحقیقات ہیں، نفسیاتی ماہرین نے اس کے اوپر باقاعدہ ریسرچ کی ہیں۔ انہوں نے یہ رپورٹ پیش کی ہے کہ جب کوئی انسان شراب پیتا ہے تو بعض مرتبہ اس کے اندر عجلت پسندی پیدا ہو جاتی ہے یعنی کسی چیز کو جلد از جلد حاصل کرنے کی چاہ پیدا ہونا مایوسی کی بنیاد پر کہ ایک شخص خود مایوس ہے اس لیے کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ زیادہ کر نہیں پایا، لیکن وہ جلد از جلد کچھ بڑا کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح کے جذبات شراب نوشی کی وجہ سے انسان کے اندر بڑھ جاتے ہیں۔ ایک آدمی غریب ہے، اس کے پاس تعلیم نہیں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت ہو، تمام آسائشیں ہوں۔ لیکن مال و دولت آئے کہاں سے، اچھی ملازمت اس کو ملے گی نہیں۔ اب اس کے اندر ایک مایوسی ہے، اور شراب پینے کے بعد اس کا یہ احساس مزید بڑھ گیا ہے، تو یہ احساس اس کے اندر چوری اور ڈاکہ زنی کے اوپر مجبور کر دیتا ہے۔

جنسی طور پر ہراساں کرنا(**Sexual Assault**):

امریکہ میں جنسی ہراساں کے جو مقدمات آتے ہیں ان میں 37 فیصد کیسز وہ ہیں جو نشہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی نشے کی حالت میں واقع ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان شراب پیتا ہے کہ تو اس کا برتاؤ بہت زیادہ تشدد پسند ہو جاتا ہے۔ اور اس تشدد پسند رویے کی وجہ سے وہ دوسروں کو جنسی طور پر ہراساں کرتا ہے، زور زبردستی کرتا ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں کہ شراب کے نشے میں کسی کو چھیڑ دیا بلکہ ریپ کرنا، اور عصمت دری کے بعد اس کو قتل کر دینا، یا میاں بیوی کا جنسی عمل کے دوران ایک دوسرے پر تشدد کرنا، یہ تمام چیزیں جنسی ہراساں کے اندر داخل ہیں۔ تو کیا یہ نقصان نہیں ہے؟

جسمانی تشدد(**Aggravated Assault**):

سڑک پر چلتے ہوئے لڑائی کر رہے ہیں، گروپ بنا کر کسی کو مار دیا کسی کو پیٹ دیا۔ اس طرح کے جو معاملات ہیں ان میں 27 فیصد وہ مقدمات ہیں جو شراب کے نشے سے متعلق ہوتے ہیں۔ یعنی لوگ شراب کی وجہ سے یہ جرائم کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ

ہے کہ جب انسان شراب پیتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان کا مزاج بہت زیادہ تیز ہو جاتا ہے اور بہت تیزی کے ساتھ انسان کے مزاج اور موڈ میں تبدیلی آتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی بہت پر سکون مزاج کا مالک ہے، لیکن جیسے ہی وہ شراب پیتا ہے وہ بہت زیادہ ہائی ہو جاتا ہے اور جو بہت زیادہ ہائی ہے وہ شراب پی کر پر سکون ہو جاتا ہے۔ تو یہ جو extreme mood swings (مزاج میں بہت تیزی کے ساتھ تبدیلی) اس کی وجہ سے امریکی معاشرہ میں 27 فیصد جسمانی تشدد کے جرائم ہوتے ہیں۔

بچوں کا استحصال (Child Abuse):

یہ بچوں کا استحصال کوئی اور نہیں بلکہ بچوں کے اپنے رشتے دار کرتے ہیں، بچوں کے ماں باپ ہی کرتے ہیں، شراب پی کر۔ ریسرچ کے مطابق 10 میں سے 4 بچوں کا استحصال کرنے والوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جب وہ بچوں کے ساتھ جسمانی استحصال کر رہے تھے تو وہ شراب کے نشے میں دھت تھے۔ اور جسمانی استحصال کا مطلب ہے بچوں کو مارنا پیٹنا۔ استحصال میں بچوں کا ریپ کرنا تو شامل ہے ہی، ساتھ میں ان کو مارنا پیٹنا بھی شامل ہے۔ جب کہ آپ اس بات سے واقف ہوں گے کہ لبرل مغربی معاشروں میں بچوں کو مارنا پیٹنا سختی سے منع ہے، ماں باپ بھی بچوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، نہ ہی کوئی ٹیچر ان پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے، یہ قانوناً جرم ہے۔ جب قانوناً جرم ہے تو ظاہر ہے کہ لوگ اس سے بچتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شراب کے نشے میں دھت ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں کا استحصال کرتے ہیں، ان کو مارتے پیٹتے ہیں۔ اور اس طرح تقریباً ہر 10 میں 4 ایسے بچے ہیں جو اس وقت استحصال کا شکار ہوئے جب ان کے ماں باپ، رشتہ دار یا جو بھی ان کے نگران تھے وہ نشے کی حالت میں تھے۔

قتل (Homicide):

قتل کی جتنی بھی وارداتیں پیش آئی ہیں ان میں سے 40 فیصد کیسز نشے سے متعلق ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ شراب کے نشہ کی وجہ سے بعض مرتبہ مختصر دورانیہ کے لئے اور بعض مرتبہ طویل دورانیے کے لئے انسان کی ذہنی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ لینے پر قادر نہیں رہتا۔ اور جیسے کوئی تصویر بلر ہو جاتی ہے، ایسے ہی شراب نوشی کی وجہ سے دماغی حالت بلر ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے انسان صحیح فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اور صحیح فیصلہ نہ کرنے کے نتیجہ میں وہ سامنے والے کو قتل کر دیتا ہے۔ بعض مرتبہ منصوبہ بندی سے قتل کرتا ہے اور بعض مرتبہ غصے میں آ کر قتل کر دیتا ہے، یہ نہیں سوچتا ہے کہ پھر میرے ساتھ کیا ہو گا۔ 40 فیصد قتل کی وارداتیں شراب کی وجہ سے ہوئی ہیں۔

شراب کی وجہ سے اتنے سارے جرائم معاشرے میں موجود ہیں لیکن لبرل معاشروں میں شراب کی مکمل آزادی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اگر آپ The harm principle کی بنیاد پر لوگوں کو آزادی دیتے ہیں اور اس وقت تک آزادی دیتے ہیں جب تک وہ دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں تو آپ کی ان آزادیوں کی وجہ سے دوسروں کو چھوٹا موٹا نہیں بلکہ بہت بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

مدارس میں ہمیں جب کسی چیز کی تعریف پڑھائی جاتی ہے تو یہ بتایا جاتا ہے کہ تعریف جامع اور مانع ہونی چاہیے۔ جامع کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تعریف کی جارہی ہے اس کے تمام افراد اس میں شامل ہوں اور مانع کا مطلب یہ ہے کہ غیر افراد اس تعریف میں داخل نہ ہوں۔ ان کا The harm principle نہ تو اپنے تمام افراد کو جامع ہے اور نہ ہی دخولِ غیر سے مانع ہے۔ جہاں پر آزادی کو محدود نہیں کرنا چاہئے تھا وہاں پر انھوں نے آزادی کو محدود کر دیا اور جہاں تحدید ہونی چاہئے وہاں انھوں نے آزادی دے دی ہے۔ مثال کے طور پر سیٹ بیلٹ یا ہیلمٹ پہننے کی آزادی کو محدود نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن محدود کیا گیا جبکہ دوسرے کو کوئی نقصان نہیں ہے۔ اور جہاں پر آزادی کو محدود کر دینا چاہیے تھا جیسے جنسی آزادی، ہم جنس پرستی کی آزادی، شراب نوشی کی آزادی وغیرہ وہاں آزادی کو محدود نہیں کیا گیا۔ اور جو اصول نہ جامع ہو نہ مانع ہو، وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ The harm principle کے اوپر اتنی شدید تنقید کی جاتی ہے۔ اور یہ اصول لبرلزم کی بنیاد ہے۔ جب بنیادیں کھوکھلی ہوں تو اس پر تعمیر شدہ عمارت کا کیا حال ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت جو معاشرہ وجود میں آیا ہے اس میں انسان کی اہمیت نہیں ہے بلکہ انسانی خواہشات کی اہمیت ہے۔ انسان ثانوی درجہ رکھتا ہے جبکہ انسانی خواہشات اولین درجہ رکھتی ہیں۔ تو پھر ایسا ہی معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں جرائم کی کثرت ہو گی اور لوگ صرف نفسی نفسی کریں گے، اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا مقصد نہیں ہو گا زندگی کا۔ یہ تھا **Freedom of Alcohol**۔

حقِ اختیار (Freedom of Choice)

The harm principle کی بنیاد پر حقِ اختیار بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کو **Autonomy** بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو یہ اختیار ہے کہ جو چاہے کرے، جس چیز کا چاہے فیصلہ کرے، جس چیز کا چاہے انتخاب کرے۔ مغربی دنیا میں اس پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے پاس فیصلہ کرنے کی یا اختیار کرنے کی آزادی نہیں ہے تو پھر آپ آزاد نہیں

ہیں۔ دنیا میں جہاں جہاں جمہوریت کو مسلط کر دیا گیا ہے اور وہ مسلم ممالک جہاں قرآن و سنت سے براہ راست قوانین کا استنباط نہیں کیا جاتا وہ تمام لبرل معاشرے ہیں۔ اس جمہوری معاشرہ میں آپ یہی تو دیکھتے ہیں کہ آپ چاہیں تو اِس پارٹی کا انتخاب کر لیں اور چاہیں تو اُس پارٹی کا انتخاب کر لیں۔ آپ جس کو چاہیں ووٹ دے دیں، آپ کی مرضی ہے، کوئی اخلاقی دباؤ نہیں ہے، یہی تو حق اختیا رہے۔ آپ جس طرح چاہیں طریقہ زندگی اختیار کریں، چاہیں تو نماز پڑھیں، چاہیں تو نہ پڑھیں، یہی حال لباس کا ہے، یہ تمام آزادیاں اسی حق اختیار کے اندر آتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس حق اختیار سے ہمیں کبھی نقصان پہنچ سکتا ہے؟ کیا اتنی زیادہ **Freedom of Choice** ہونی چاہیے؟ اس بات کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ درج ذیل جملہ ملاحظہ فرمائیں:

"The lack of clothes is illegal if they are "lewd" or designed "to arouse sexual gratification".

کپڑوں کی کمی غیر قانونی ہے اگر وہ فحش ہیں یا جنسی تسکین کے لیے ڈزائن کیے گئے ہیں۔

مغربی معاشروں میں اکثر، خصوصا امریکہ میں ایک عورت اگر مکمل برہنہ ہو کر سڑک پر چلنا چاہے تو وہ نہیں چل سکتی۔ دنیا کے اکثر لبرل معاشروں کا یہی حال ہے۔ ہاں! اگر وہ بکنی (**Bikini**) پہن کر سڑک پر آ رہی ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مکمل برہنہ ہو کر سڑک پر آئے گی تو اب مسئلہ ہے، اب قانون حرکت میں آئے گا۔ لہذا کپڑے نہ پہننا غیر قانونی ہے اگر کپڑے نہ پہننے کی وجہ سے سامنے والے کو جنسی تسکین (لذت) ملتی ہو۔ یعنی وہ لباس سبب بن رہا ہو سامنے والے کی جنسی تسکین کا تو پھر کپڑے نہ پہننا غیر قانونی ہے۔ یہ بات اس لئے کہی گئی کہ مثلا ایک مرد ڈاکٹر کسی خاتون مریضہ کا آپریشن کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس جگہ کا ڈاکٹر آپریشن کرے گا اس جگہ کو دیکھے گا لیکن اس دیکھنے کی وجہ سے، اس جگہ پر کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے جنسی تسکین (لذت) نہیں ہوتی۔ لیکن اگر سڑک پر یا عوامی مقامات پر اس طرح کوئی کپڑے پہنے بغیر آ جائے تو جنسی جذبات ابھرتے ہیں۔ اور امریکی معاشرے میں یہ حرکت غیر قانونی ہے۔

اب یہاں پر سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے عورت کے اس اختیار کو محدود کیوں کر دیا؟ ٹھیک ہے سامنے والے کے جنسی جذبات بھڑکتے ہیں تو بھڑکتے رہیں۔ اگر ایک عورت یہ چاہتی ہے یا مرد یہ چاہتا ہے کہ وہ بغیر کپڑے پہنے مکمل برہنہ ہو کر سڑک پر چلے تو آپ کو کیا پرابلم ہے؟ مسئلہ ہو گا تو اس کو ہو گا، سردی میں اس کو سردی لگے گی گرمی میں اس کی کھال جلے گی، شرم آئے گی تو

اس کو آئے گی، سامنے والے کو کیا پرابلم ہے؟ سامنے والے نے اس کی آزادی کو کیوں محدود کر دیا؟ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ س کو مکمل حق اختیار ہے، لیکن پھر آپ نے اس کے حق اختیار کو محدود کر دیا۔ اور محدود بھی اس طرح سے کیا کہ تم آدھے کپڑے پہنو یا پھر آدھے سے بھی کم کہ 90 فیصد حصہ دکھ رہا ہو تو بھی کوئی پرابلم نہیں ہے، بس کسی کے جنسی جذبات نہ بھڑ کیں۔ حالانکہ ہمیں یہ بات معلوم ہے:

The wearing of clothing is mostly restricted to human beings and is a feature of all human societies.

یعنی انسانی معاشروں نے ہمیشہ کپڑے پہنے ہیں اور کپڑے پہننا انسانوں کے ساتھ خاص ہے، جانوروں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تو اگر آپ ایولوشنری بیالوجی (**Evolutionary Biology**) میں یقین رکھتے ہیں اور آپ کا ارتقا ہوا ہے، بندر آپ کے تایازاد اور ماموزاد ہیں تو پھر آپ بھی ان ہی کی طرح ننگے پھریں۔ جس طرح جانوروں کو کوئی مسئلہ ہے، ان کو کپڑے نہیں چاہیے، تو پھر انسانوں کو کیوں کپڑے چاہئے۔ اور اگر کوئی انسان بغیر کپڑے پہنے برہنہ ہو کر سڑک پر چلنا چاہتا ہے، اپنے ماموزاد یا خالہ زاد کی وجہ سے یا جس طرح 10 لاکھ سال پہلے اس کے ابا اماں کرتے تھے ان کی وجہ سے، تو آپ اسے روکتے کیوں ہیں؟ آپ کیوں اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ کپڑے پہنے، چاہے تھوڑے ہی کپڑے پہنے؟ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا لبرلزم جعلی (**Fake**) ہے۔ آپ اس کی انفرادی آزادی کو محدود کر رہے اور اس کے حقِ اختیار کو چھین رہے ہیں۔ اس کے باوجود مغربی معاشرے میں یہ تصور ہے کہ آپ جو چیز خود سے اختیار کریں گے جو چیز آپ کے حق اختیار میں آتی ہے وہ ہمیشہ اخلاقی (**Moral**) ہو گی۔ یعنی مورالٹی یہ ہے کہ میں جو چاہوں کروں، اسی کو سبجیکٹیو مورالٹی (**Subjective Morality**) کہا جاتا ہے۔ اور جو چیز آپ اپنی مرضی کے بغیر کریں وہ غیر اخلاقی (**Immoral**) ہے۔ آپ کو مجبور کیا جائے کسی کام کے کرنے پر یہ **Immoral** ہے۔

اب ہم سوال یہ کرتے ہیں کہ ایک مرد نے یا ایک عورت نے **Nudity** (مکمل برہنہ ہونے) کا انتخاب کیا، تو کیا کہ یہ اخلاقی ہے؟ ساری دنیا کے اکثر معاشرے یہی کہیں گے کہ یہ غیر اخلاقی ہے۔ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ جو کام آپ اپنی مرضی سے اختیار کرو گے وہ ہمیشہ اخلاقی ہو گا تو پھر **Public Nudity** (سب کے سامنے برہنہ ہونا) غیر اخلاقی کیسے ہو گئی؟

اسی طریقہ سے لبرل نظریہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز آپ کے اوپر تھوپی جائے جس کے نہ کرنے سے سامنے والے کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے اس کے باوجود وہ آپ کے اوپر تھوپا جا رہا ہے تو یہ عمل غیر اخلاقی ہے۔ تو ہم سوال کرتے ہیں کہ ایک آدمی گاڑی چلا رہا ہے اور وہ سیٹ بیلٹ نہیں پہنتا تو قانون اسے کیوں مجبور کرتا ہے کہ وہ سیٹ بیلٹ پہنے؟ تو یہاں پر سلیٹ بیلٹ

پہنتا اس کے اوپر تھوپا گیا اس کے اختیار کے خلاف، جبکہ نہ پہننے میں کسی کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود سیٹ بیلٹ پہننا اخلاقی کہلائے گا۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں قانون ہے اور قانون توڑنا غیر اخلاقی ہے۔ لہذا سیٹ بیلٹ پہننا آپ کو پسند ہو یا نہ ہو لیکن سیٹ بیلٹ پہننا ہر حال میں اخلاقی ہی ہو گا۔ تو مغرب میں جو یہ مورالٹی کا تصور ہے یہ بالکل **vague** (غیر واضح، غیر معین) ہے۔ جس کی میں مثال دیتا ہوں خالی گلاس سے، آپ کی مرضی ہے اس میں جو چاہے بھر دیں۔ تو یہ ہے ان کے حق اختیار کی حقیقت، **Autonomy** کی حقیقت، کہ جہاں ایک شخص اپنے مکمل حقِ اختیار کو استعمال کرتا ہے، اس کے باوجود بہت سی چیزیں غیر اخلاقی رہتی ہے ہیں، مثلاً مکمل برہنہ ہونا۔ اور جہاں کوئی شخص اپنے حقِ اختیار کو استعمال نہیں کر سکتا کسی قانون کی پاسداری وجہ سے، اس کے باوجود وہ عمل اخلاقی رہتا ہے، جیسے سیٹ بیلٹ اور ہیلمٹ وغیرہ۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ کو کس نے کہا کہ برہنہ ہونا غیر اخلاقی ہے۔ اگر کسی کو یہ پسند ہے کہ وہ برہنہ رہے تو وہ مکمل طور پر برہنہ رہ سکتا ہے۔ بہت سے ملکوں میں باقاعدہ اس کی مہم چل رہی ہے خصوصاً جرمنی اور یورپ کے کچھ علاقوں میں۔ وہاں پر کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر اس طرح کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جو اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ معاشرے سے جنسی جرائم کو اسی وقت ختم کیا جاسکتا ہے جب ہم انسان کی اس شرم کو ختم کر دیں۔ لہذا سب ننگے ہو جاؤ۔ تو وہاں چھوٹے بڑے، مرد و عورت سارے ہفتہ دس دن کے لئے جمع ہوتے ہیں، اس دوران سب ننگے ہی رہتے ہیں۔ باقاعدہ اس کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ لہذا کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں ہم آہستہ آہستہ ترقی کر رہے ہیں، ابھی مغربی معاشرے مکمل طور پر لبرل نہیں ہوئے ہیں۔ ہاں! ہم یہی مانتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی مکمل برہنہ ہو کر سڑک پر چلنا چاہے تو اس کو غیر اخلاقی اور غیر قانونی نہ کہا جائے، ابھی ہم وہاں تک نہیں پہنچے، لیکن پہنچیں گے۔ کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگ تو سائنس کے پجاری ہیں۔ تو سائنس سے ہی پوچھتے ہیں کہ **Nudity** (عریانیت) اخلاقی ہے یا غیر اخلاقی؟ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کی ایک تحقیق ہے جسے مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر شائع کیا گیا ہے، اس کا ایک اقتباس یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے۔

A study from UCLA found markers of inflammation and levels of the stress hormone cortisol both spike almost immediately among people who feel a sense of shame.

https://www.shape.com/lifestyle/mindand-body/your-brain-guilt

یہ تحقیق اس تناظر میں ہوئی ہے کہ انسان جب دوسروں کے سامنے برہنہ ہوتا ہے تو اسے شرم کیوں آتی ہے؟ جب کسی انسان کو کسی بھی وجہ سے شرم محسوس ہوتی ہے تو ایک تو جسمانی سوزش ہوتی ہے، دوسرا کورٹی سول نامی ہارمون بڑھ جاتا ہے۔ لہذا اگر کسی شخص کو کپڑے نہ پہننے کی وجہ سے شرم آتی ہے تو اس کی یہ دونوں چیزیں بڑھ جائیں گی۔ اب اگر ایک شخص برہنہ ہورہا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر احساس شرم ہے اور اس احساس شرم کی ایک سائنسی وجہ ہے، تو پھر آپ اس چیز کا انکار کیسے کرسکتے ہیں کہ برہنہ رہنا بالکل ٹھیک ہے؟ جبکہ اس کے پیچھے ایک سائنسی وجہ موجود ہے۔ یہ جواب اس صورت میں دیا جائے گا جب سامنے والا یہ کہے کہ برہنہ رہنا بالکل اخلاقی ہے۔

حق اختیار کے تعلق سے ایک اور اہم مثال ذکر کرتا ہوں۔ میں جب مثال دیتا ہوں تو میری یہ کوشش رہتی ہے کہ ایک مثال ایسی ہو کہ جس کا تعلق معاشرے سے ہو اور ایک مثال ایسی ہو جس کا تعلق قانون سے ہو۔ چونکہ لبرل معاشرے کے نزدیک سوائے قانون کے اور کوئی بھی چیز مقدس نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت ایک مقدس گائے ہے لہذا جمہوریت کی بنیاد پر جو قوانین بنتے ہیں وہ بالکل درست ہوتے ہیں۔ وہ لبرل سوسائٹی کا عکاس ہیں۔ اس لیے ہم ایک قانونی مثال بھی پیش کرتے ہیں۔ درج ذیل اقتباس میں اس بات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے کہ لبرل معاشروں کس حد تک طبی خود مختاری پائی جاتی ہے:

Medical autonomy is not only a cornerstone of medical ethics; it is also one of the most basic building blocks of freedom, guaranteed by our Constitution. If you own yourself, then you have the freedom to make these personal intimate decisions. Otherwise, you are not truly free to exercise any of your other rights.

طبی خود مختاری نہ صرف طبی اخلاقیات کا سنگ بنیاد ہے بلکہ یہ (فرد کی) آزادی کا سب سے بنیادی پتھر بھی ہے، جس کی ضمانت ہمارے آئین نے دی ہے۔ اگر آپ اپنی ذات اور جسم کے خود مالک ہیں، تو آپ کو یہ آزادی ہونی چاہئے کہ آپ اپنے تعلق سے اہم ترین فیصلے خود کریں۔ بصورت دیگر آپ اپنے کسی دوسرے حقوق کو استعمال کرنے کے لیے واقعی آزاد نہیں ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات یاد رکھیں! اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ آپ کو اپنے جسم پر مکمل اختیار ہونا چاہئے کیونکہ آپ اپنے جسم کے مالک ہیں، تو آپ یہ جواب دیں کہ یہ آپ کا پیراڈائم ہے۔ ہمارا پیراڈائم الگ ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کو طبی خود مختاری ہونی چاہئے کہ وہ جو چاہے دوا لے۔ جس مرض کے لیے چاہے دوا لے۔ جس ڈاکٹر کے پاس چاہے جائے۔ جس ہسپتال میں جاکر چاہے علاج کروائے، جس طرح چاہے علاج کروائے، اس کو

مکمل اختیار ہونا چاہیے، تبھی وہ آزاد ہے ورنہ وہ آزاد ہی نہیں ہے۔ اگر اس کو کوئی نقصان ہو گا تو نقصان اس کا اپنا ہو گا، فائدہ ہوا تو اس کا اپنا ہو گا۔ اگر آپ اس کے اس اختیار کو محدود کر دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ طبی خود مختاری کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن امریکہ اس طبی خود مختاری کو محدود کر دیا گیا ہے اور قانون بنا کر محدود کیا گیا۔ باقاعدہ اس کے حامیوں نے اس کے لئے ایک اصطلاح ایجاد کی ہے "میڈیکل پیٹرنلزم (Medical Paternalism)"۔ پیٹرنلزم کا لفظ یہ لوگ کہیں بھی فٹ کر دیتے ہیں۔ پیٹرنلزم کا مطلب ہے **پدرانہ رویہ**۔ اس کو یوں سمجھیں جیسے ایک مشرقی فیملی ہے، جس میں ماں باپ ہیں بیوی بچے ہیں، اس میں عام طور پر یہی تصور ہوتا ہے کہ باپ خاندان کا سربراہ ہے۔ اور اس کی تربیت کے انداز میں ذرا سختی ہوتی ہے بنسبت ماں کے۔ باپ کی شفقت ذرا مختلف انداز کی ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ وہ اپنے بچوں کے اوپر چیزوں کو تھوپتا ہے، مسلط کرتا ہے اور زبردستی ان سے عمل کراتا ہے، بعض مرتبہ مارپٹائی بھی کر دیتا ہے۔ اس رویے کو پدرانہ رویہ کہتے ہیں۔ مشرقی معاشروں کے اندر یہ بالکل عام بات ہے۔ اس رویے کے لیے مغرب نے اصطلاح ایجاد کی ہے **Paternalism**۔ اب **Paternalism** کو وہ کہیں بھی فٹ کر دیتے ہیں۔ گویا کہ پدرانہ رویہ بہت بے کار چیز ہے، بہت منفی چیز ہے۔ کیونکہ یہ کیسا رویہ ہے کہ جس میں صرف باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت جیسے چاہے کرے ماں کو اختیار نہیں ہے۔ آخر کیوں باپ اپنے بیوی بچوں پر کوئی چیز مسلط کر سکتا ہے، نہیں کر سکتا۔ **Medical Paternalism** ایک اتھارٹی ہے جو طبی میدان میں پدرانہ رونہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ **Medical Paternalism** ایک منفی اصطلاح ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہوا **"طبی میدان میں پدرانہ رویہ"**۔ لیکن ہر اصطلاح کا لفظی ترجمہ نہیں ہوتا اس لیے ہم اس اصطلاح کو ایسے ہی رکھیں گے۔

امریکی قانون میں میڈیکل پیٹرنلزم موجود ہے جو واضح طور پر طبی خود مختاری (**Medical Autonomy**) کے خلاف ہے۔ اس کے لیے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ اقتباس کی وضاحت سے پہلے دو چیزیں ذہن نشین کر لیں۔

1۔ **FDA** (**Food & Drug Authority**) ایف ڈی اے امریکہ کا ایک سرکاری ادارہ ہے۔ جو بھی چیزیں امریکہ میں کھائی جاتی ہیں، چاہے وہ دواہوں یا کھانے ہوں، اگر وہ ایف ڈی سے منظور شدہ نہیں ہیں تو آپ ان دواؤں اور کھانوں کو فرخت نہیں کر سکتے۔ خود اپنے گھر میں جو مرضی کھائیں، لیکن مارکیٹ میں فرخت نہیں کر سکتے۔ بالخصوص اگر وہ چیزیں باہر سے آ رہی ہیں تو ایف ڈی اے سے منظور کروانا پڑے گا۔

2۔ آف لیبل ٹریٹمنٹ(**Off-label treatments**)۔ آف لیبل کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایف ڈی اے نے کوئی دوا بازار میں لانے کی اجازت دے دی۔ چونکہ ایف ڈی اے کے پاس ماہرین ہیں وہ اس پر تحقیق کرتے ہیں کہ اگر کمپنی یہ کہہ رہی ہے کہ یہ دوا سر درد کے لئے مفید ہے تو واقعی ایسا ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو منظوری مل جاتی ہے۔ اگر دوا بنانے والی کمپنی ساتھ میں یہ کہہ کر دوا کو بیچنے لگے کہ یہ دوا جس طرح سے سر درد کے کے لئے مفید ہے اسی طرح یہ بخار اور کھانسی کے لئے بھی مفید ہے، لیکن ایف ڈی نے اس دوا کی منظوری بخار اور کھانسی کے لئے نہیں دی، تو اب اس دو کو بیچنا اور یا ڈاکٹر کا اس دوا کا مشورہ دینا، یہ دونوں چیزیں قانوناجرم ہیں۔

میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں؛ پچھلے سال جب مجھے کوویڈ ہوا تو میں نے یہاں (شکاگو میں) ایک جاننے والے شخص کو اپنے بارے میں بتایا کہ مجھے کوودڈ ہو گیا ہے۔ تو انہوں نے اپنی واقف کار ایک مصری خاتون ڈاکٹر سے رابطہ کیا اور میرا بھی ان سے رابطہ کروایا۔ اس ڈاکٹر نے بتایا کہ ایک دوا ہے جو ہر جگہ نہیں ملتی ہے، یہ دوا بہت ہی خفیہ انداز سے فلاں فلاں دواخانوں میں مل جاتی ہے، وہ دوا کوویڈ کا سب سے بہتر علاج ہے۔ لیکن ایف ڈی اے نے اس دوا کی منظوری دراصل گھوڑوں کی بیماری کے لئے دی ہے۔ اس دوا کا نام یہ ہے(**Hydroxychloroquine**)۔ اس دوا کو ایف بی اے نے منظور کیا جانوروں کے لیے اور ڈاکٹر مجھ سے یہ کہہ رہی ہے کہ یہ کوویڈ میں فائدہ مند ہے۔ تو میں بھی چونکا کہ گھوڑے کی دوا انسان لے گا تو کیا ہو گا۔ میں نے اس کے بارے میں تھوڑی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس دوا کے بنانے والے کو تو نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ اور بعض علاقوں کے اندر خصوصاً افریقی ممالک میں جو وبائیں پھیلی ہیں ان میں یہ دوا سب سے زیادہ کارگر ہوئی ہے۔ بہر حال اس مصری خاتون ڈاکٹر نے کہا کہ مصر میں یہ دوا ہر میڈیکل اسٹور پر مل جاتی ہے، یعنی وہاں پر تو یہ بالکل عام ہے، حکومت کی طرف سے بھی اس کی مکمل اجازت ہے۔ یہاں امریکہ میں پابندی ہے۔ اس دوا کو حاصل کرنے کے لئے میں نے پانچ چھ سو ڈالر خرچ کئے تب کہیں جا کر مجھے چند دنوں کی خوراک ملی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب تک وہ دوا مجھ تک پہنچی، میری طبیعت بہتری کی طرف تھی اس لیے میں نے وہ دوا استعمال نہیں کی۔ لیکن اس وقت مجھے اس بات کا علم ہوا کہ یہ ایک آف لیبل ٹریٹمنٹ(**Off-label treatments**) ہے۔ اگر میرے پاس گھوڑا ہو اور وہ بیمار ہو جائے اور میں کسی جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس جاؤں، وہ یہی دوا لکھ کر دے پھر میں کسی بھی **Drug Store**(فارمیسی یعنی دوا کی دکان) سے یہ دوا خرید کر لاؤں اور گھوڑے کو کھلا دوں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر حکومت کو یہ پتہ چل گیا کہ کسی انسان کو کوویڈ کے لئے یہ دوا دی گئی ہے تو اس فارمیسی کا لائسنس سوخت ہو جائے گا، اگر کسی ڈاکٹر کے مشورہ سے یہ دوا لی گئی ہے تو اس ڈاکٹر کا بھی لائسنس سوخت ہو جائے گا۔ اور بعض حالات میں باقاعدہ ان کے اوپر کیس بھی چلے گا اور کیس بھی اس طرح چلے گا کہ ان پر

صرف جرمانہ نہیں لگے گا بلکہ جسمانی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ یہ آف لیبل ٹریٹمنٹ(**Off-label treatments**)ہے۔ اب آپ اس پس منظر میں مندرجہ ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں۔

Medical paternalism

Off-label treatments (for purposes different from what the **FDA** originally approved) Manufacturers can be subject to criminal penalties for sharing truthful, non-misleading information about these treatments. This ultimately prevents patients from getting the best possible care.

The Federalist Society

https://fedsoc.org/commentary/fedsoc-blog/bodilyautonomy-and-ndividual-rights-subtitle-showcasepanel-iv-law-science-and-public-policy

آف لیبل ٹریٹمنٹ(**Off-label treatments**) نام ہے ایف ڈی اے(**FDA**)سے منظورہ شدہ مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقاصد کے لئے دوا کا استعمال ہو۔ دوا بنانے والوں کو مجرمانہ سزائیں دی جاسکتی ہیں اگر انھوں نے ان دواؤں کے تعلق سے درست اور غیر جانبدار معلومات عوام کے درمیان عام کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ مریض ممکنہ بہتر علاج سے محروم رہ جاتے ہیں۔

یعنی ایف ڈی اے نے تو اس دوا کو منظور کیا گھوڑے کے لئے، آپ یہ دوا کسی انسان کو کوویڈ میں کیسے دے سکتے ہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ہمارے پاس سائنسی تحقیق اور اعداد و شمار ہیں کہ یہ دوا کوویڈ میں مفید ہے۔ تو ایف ڈی اے یہ کہے گا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب تک ہم اسے منظور نہ کر دیں، آپ یہ سچی اور درست معلومات عوام کے درمیان شیئر نہیں کر سکتے۔ محض معلومات شیئر کرنے کی وجہ سے ان کو باقاعدہ سزا دی جاسکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مریض کو جو درست علاج ملنا چاہیے اور اس کے پاس جو مختلف آپشنز ہونے چاہئے تھے، کہ وہ چاہے تو اِس علاج کا انتخاب کرے چاہے تو دوسرے علاج کا انتخاب کرے، وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے لیے دوسرے علاج کا انتخاب نہیں کر پاتا۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ جب حکومت نے یہ پابندی لگا دی کہ دوائیں بنانے والی کمپنیاں صحیح اور درست معلومات عوام تک نہیں پہنچا سکتی ہیں تو گویا کہ عوام کو آپ نے مجبور کر دیا کہ ہم جو علاج آپ کو بتا رہے ہیں وہی آپ کو لینا پڑے گا۔ آپ کسی دوسری دوا سے اپنا علاج نہیں کر سکتے۔ تو پھر طبی خود مختاری (**Medical Autonomy**) کہاں رہی؟ اسی کو میڈیکل پیٹر نلزم بولتے ہیں اور باقاعدہ قانون بنا کر **Medical Paternalism** کو معاشرے میں رائج کیا گیا ہے۔ تو پھر طبی خود مختاری کہاں

رہی؟ حق اختیار کہاں رہا؟ کیونکہ حق اختیار تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک انسان کو مکمل آزادی ہوتی ہے کہ وہ چاہے تو گائے کی دوا کھائے، چاہے گھوڑے کی دوا کھائے یا بھینس کی دوا کھائے، نقصان ہو گا تو اس کا اپنا ہو گا اور فائدہ بھی ہو گا تو اس کا اپنا ہو گا۔

یہ ہے مغرب کا دوہرا اور کھوکھلا معیار کہ ایک طرف وہ کلی آزادی (Absolute Freedom) کی بات کرتے ہیں لیکن وہ آزادی کبھی دیتے نہیں ہیں۔ اور جہاں آزادی دیتے ہیں تو یہ بول کر دیتے ہیں کہ اس سے دوسروں کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے اس لیے ہم آزادی دے رہے ہیں، لیکن ہم نے دیکھ لیا کہ وہاں تو دوسروں کا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان کا اصول ضرر (The Harm Principle) معاشرے کے لیے اس قدر ضرر رساں (Harmful) ہے کہ اس سے کوئی بھی معاشرہ کبھی بھی اخلاقی اعتبار سے، روحانی اعتبار سے یہاں تک کہ مجموعی طور پر سکون کے اعتبار سے کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ وہ معاشرہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا، اس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی پرابلم آتی رہے گی۔

Freedom of Expression

آزادیٔ اظہارِ رائے

یہ موضوع کافی طویل ہے۔ پوری دنیا کے مشرق و مغرب میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ آزادیٔ اظہارِ رائے (Freedom of Expression) کو لیکر ہے۔ خصوصاً مسلمانوں اور مغربی معاشروں کے درمیان جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ دراصل آزادیٔ اظہارِ رائے کو ہی لے کر ہے۔ مغرب یہ کہتا ہے کہ ہمیں چونکہ آزادیٔ اظہارِ رائے ہے لہٰذا ہم جس کا چاہے دل دُکھائیں۔ ہم کسی مذہب کے اوپر تنقید کریں، کسی خدا کے اوپر تنقید کریں، یا کسی رسول کے اوپر تنقید کریں، اس سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن مشرقی معاشرے خصوصاً مسلمان اس بات کے قائل ہیں کہ اگر آپ ہمارے مقدسات کی توہین (Blasphemy) کریں گے تو اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے، لہٰذا آپ کی اس آزادیٔ اظہارِ رائے کو محدود ہونا چاہئے۔ لیکن مغربی معاشرہ اور لبرل معاشرہ یہ کہتا ہے کہ انسان کو مکمل طور پر اپنی رائے کے اظہار کی آزادی ہے۔ چنانچہ آج ہم یہ سمجھیں گے کہ مغربی معاشرہ جس آزادیٔ اظہارِ رائے کی بات کرتا ہے کیا وہ اپنے یہاں کے باشندوں کو آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق دیتا بھی ہے یا نہیں دیتا؟

ذیل میں مختلف ممالک کے اعداد شمار پیش ہیں ۔ یہ تمام ممالک آزادئ اظہارِ رائے کے چمپئن مانے جاتے ہیں۔ لبرل معاشروں کا آئیڈیل طبقہ انھیں ملکوں میں رہتا ہے۔ ان میں سر فہرست امریکہ اور کینیڈا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ملحدین چاہے وہ انڈیا کے ہوں، پاکستان کے ہوں، ایران یا سعودی عرب کے ہوں، سب کہاں بھاگتے ہیں؟ کینیڈا! اور کینیڈا سب سے پہلے ایسے لوگوں کو پناہ دیتا ہے کہ ہمارے یہاں آزادئ اظہارِ رائے ہے، آپ آجائیں اور جس مذہب کو جو چاہے کچھ بھی کہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ابھی چند سالوں پہلے کی بات ہے، سعودی عرب کی ایک ریہاب نامی لڑکی نے ارتداد اختیار کیا۔ اور سعودی عرب سے کسی طرح بھاگ کر ہانکانگ پہنچی۔ پھر کینیڈا کی وزیر خارجہ نے اس کے ہانکانگ سے کینیڈا آنے کا مکمل انتظام کیا، اس کو اسپیشل ویزا ملا اور جب وہ کینیڈا کے ایئرپورٹ پر اتری تو کینیڈا کی وزیر خارجہ نے اس کا استقبال کیا۔ یہ سارا صرف یہ بتانے کے لئے تھا کہ ہمارے یہاں آزائ اظہارِ رائے ہے اور ہم اخلاقی اعتبار سے خود کو سب سے زیادہ برتر سمجھتے ہیں۔ چونکہ ہم فرد کو آزادی دیتے ہیں، وہ جو چاہے بولے اور جس طرح کی رائے کا چاہے اظہار کرے۔ لہذا سب سے پہلے ہم کینیڈا کے آزائ اظہارِ رائے کو دیکھتے ہیں۔

Freedom of expression in Canada

James Keegstra was a public school teacher in Eckville, Alberta. In 1984, he was charged under section 281.2(2) of the Criminal Code that he "..did unlawfully promote hatred against an identifiable group, to wit: the Jewish people.

1984 میں کینیڈا کے البرٹا نامی صوبہ کے شہر ایکول میں ایک کیس ہوا تھا۔ جیمز کیگسٹرا نامی شخص جو کہ ایک سرکاری اسکول ٹیچر تھا، اس کو گرفتار کر لیا گیا، اس پر کینیڈا کے کرمنل کوڈ کی دفعہ 281.2 لگی اور اس کو باقاعدہ سزا ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس نے غیر قانونی طور پر اسکول میں ایک متعینہ گروپ یعنی یہودیوں کے خلاف نفرت کو بڑھاوا دیا تھا۔ اور کس طریقے سے نفرت کو بڑھاوا دیا تھا؟ اس کی پوری تفصیل ویکیپیڈیا پر موجود ہے:

James Keegstra held anti-Semitic views and believed in a Jewish conspiracy bent on world domination and annihilating Christianity. He asserted that the current historical information being taught in universities and schools is a trap set by the Jews to mislead the public. He claimed that the education system has failed because of their awareness regarding Jewish conspiracy with the Holocaust.

جیمس کیگسٹرا کے خیالات یہود مخالف (**anti-Semitic**) تھے۔ وہ یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ پوری دنیا میں یہودی اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے سازشیں رچا رہے ہیں اور اسی طرح سے عیسائیت کو ختم کرنے کے لئے وہ سازشیں کر رہے ہیں۔ وہ اسکول میں اسی خیال اور اعتقاد کا اظہار کرتا تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں پڑھائی جانے والی موجودہ تاریخی معلومات دراصل یہودیوں کی لکھی ہوئی ہیں اور اس سے عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا یہ دعوی تھا کہ موجودہ تعلیمی نظام فیل ہو چکا ہے کیونکہ اس تعلیمی نظام میں یہودیوں کی طرف سے جو سازش ہے ہولوکوسٹ کے حوالے سے، اس سے متعلق کوئی آگاہی موجود نہیں ہے۔ (یعنی موجودہ تعلیمی نظام اس تعلق سے باخبر نہیں ہے کہ یہودیوں نے ہولوکاسٹ میں کیا سازشیں کی ہیں۔ یعنی اس نے ہولوکاسٹ کو یہودی سازش قرار دیا کہ اس کو بلاوجہ اتنا بڑا بنا کر پیش کیا گیا ہے، وغیرہ)

جب اس نے اسکول میں اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تو پولس میں رپورٹ ہو گئی اور اس کے اوپر کیس چل گیا۔ جب کیس چلا تو ضلع عدالت میں اس کے خلاف فیصلہ آیا، تو اس نے ہائی کورٹ میں دوبارہ اپیل کی اور کہا کہ کینیڈا کا دستور ہر فرد کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جو چاہے کہے۔ اس نے باقاعدہ کینیڈا کی سرکاری ویب سائٹ کا حوالہ دیا جو کہ درج ذیل ہے:

Fundamental freedoms – section 2

2. Everyone has the following fundamental freedoms:

a) Freedom of conscience and religion;

b) Freedom of thought, belief, opinion and expression, including freedom of the press and other media of communication;

c) Freedom of peaceful assembly; and

d) Freedom of association.

https://www.canada.ca/en/canadian-heritage

بنیادی آزادی۔ سیکشن 2

2۔ ہر ایک شخص کو یہ بنیادی آزادی حاصل ہیں:

الف) مذہب کی آزادی

ب)فکر،عقیدہ،اظہار رائے کی آزادی،میڈیا کہ آزادی،

ج)پر امن اجتماعات کی آزادی

د)کسی تنظیم یا ادارہ کے وابستگی کی آزادی

یہ ساری آزادیاں آپ کو کینیڈا کا دستور دیتا ہے۔ جب جیمز نے ہائی کورٹ میں ان قوانین کے حوالے دیے تو ہائی کورٹ نے ضلعی کورٹ کے فیصلے کو بدل دیا۔ اب استغاثہ (حکومت) سپریم کورٹ میں چلی گئی اور اس ٹیچر کو سپریم کورٹ میں گھسیٹا گیا۔ یہ کوئی عام لوگ نہیں تھے حکومت تھی، اور وہاں سپریم کورٹ نے ضلعی کورٹ کے فیصلے کو باقی رکھا۔ کیوں باقی رکھا؟ کینیڈا کے دستور میں ایک بات یہ بھی مندرج ہے:

However, the rights and freedoms in the Charter are not absolute. They can be limited to protect other rights or important national values. For example, freedom of expression may be limited by laws against hate propaganda or child pornography.

https://www.canada.ca/en/canadianheritage

(یہ ہے کہانی میں ٹوئسٹ) گزشتہ صفحہ پر جو حقوق اور آزادیاں دی گئی ہیں یہ آزادیاں مطلق اور لامحدود نہیں ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو محفوظ رکھنے کے لیے اور اہم قومی اقدار کی حفاظت کے لئے ان آزادیوں کو محدود کیا جاسکتا ہے۔ (یعنی اگر آپ ہماری کسی قومی قدر (National Value) کے خلاف اپنی رائے دیں گے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے۔ جمہوریت، سیکولرزم، مساوات اور آزادی ہماری قومی اقدار ہیں، اگر ان کے خلاف بولنا چاہیں گے تو یہ آزادی آپ کو نہیں ہے) مثال کے طور پر اگر کسی طرح کی آزادئ اظہارِ رائے سے نفرتی پروپیگنڈا پھیلا رہا ہے یا چائلڈ پورنوگرافی پھیل رہی ہے تو اس آزادی کو محدود کردیا جائے گا۔

چنانچہ جو ملک آزادی کا اتنا بڑا چمپئن ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمارے یہاں تو اظہارِ رائے کی آزادی ہے، آپ چاہے جو کہیں، کسی بھی مذہن کو گالی دیں۔ تو کیا یہ آزادی آپ کو صرف مذہب کے خلاف نظر آتی ہے؟ اور آپ کی قومی اقدار کے خلاف کوئی آدمی اپنی اظہارِ رائے کی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے کچھ بول دے تو اس کی آزادی کو محدود کردیا جاتا ہے۔ یہ تو دوغلا رویہ ہے۔ پھر آپ یہ دعوی نہ کریں کہ ہمارے یہاں تو جانبدارانہ اور دوہرا رویہ ہے۔ لہذا آپ یہ نہ کہیں ہمارے یہاں **Freedom of**

expression ہے، بلکہ آپ یہ کہیں کہ ہمارے یہاں Limited Freedom of expression ہے، اور وہ حدود ہم طے کریں گے کہ کہاں بولنے کی اجازت ہے اور کہاں بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہی معاملہ کوئی مسلم حکومت کرتی ہے تو پھر آپ کو مسئلہ کیا ہے؟ پاکستان یا سعودی عرب میں اگر توہین کے لئے قانون (Blasphemy Low) موجود ہے تو پھر آپ کو کیوں مسئلہ ہو رہا ہے؟ کیا ان ممالک کی بنیادی اقدار اسلام نہیں ہے؟ کیا نبی ﷺ کی محبت مسلم معاشروں کی بنیادی قدر نہیں ہے؟ اگر آپ اپنی اہم ترین قومی اقدار کے خلاف آواز کو برداشت نہیں کر سکتے تو آپ کو مسئلہ کیا ہے اگر مسلم معاشرے اپنی اہم ترین اقدار کے خلاف آواز کو برداشت نہ کر سکیں؟

یہ سوال آپ کسی بھی ملحد سے کریں تو اس کا جواب وہ صبح قیامت تک نہیں دے سکے گا۔ کیوں کہ ان لوگوں کے یہاں دوغلہ پن ہے۔ اور جن کے رویے میں دوغلہ پن ہوتا ہے وہ ہمیشہ مکالمہ اور مناظرہ کے میدان میں شکست کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک چیز کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو صرف کینیڈا کی بات ہے، ضروری تو نہیں ہے کہ کینیڈا پورے لبرل معاشرے کی ترجمانی کر رہا ہو۔ اگر یہی معاملہ امریکہ میں پیش آیا ہوتا تو پھر اس ٹیچر کے خلاف فیصلہ کورٹ سے نہ آتا۔ کیونکہ امریکہ میں دستور کی پہلی ترمیم کے مطابق فرد کو مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کہے۔ تو کوئی بات نہیں؛ آگے چل کر امریکہ کا قانون بھی دیکھ لیں گے۔ فی الحال آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ دوسرے ممالک آزادیٔ اظہارِ رائے کے تعلق سے کیا کہتے ہیں۔

Free speech in Norway

یہ خبر دو دن پرانی 15 دسمبر 2022 کی ہے۔ بالکل تازہ کیس ہے۔ ایک اخبار ہے "نیویورک پوسٹ" اس کی ویب سائٹ پر یہ خبر چھپی ہے۔ پہلے یہ خبر دیکھ لیں اس کے بعد ناروے میں آزادیٔ اظہارِ رائے کے معاملے کو دیکھیں گے۔

Tonje Gjevjon, a lesbian filmmaker and actress, was informed on Nov. 17 that she was under investigation for speaking out against prominent Norwegian activist Christine Jentoft on Facebook. Jentoft is a transgender female that often refers to herself as a lesbian mother.

Jentoft previously accused another woman, Christina Ellingsen, of transphobia for a similar claim. Ellingsen is also under investigation and faces three years in jail if found guilty.

The post on Gjevjon's Facebook page under investigation read, it's just as impossible for men to become a lesbian as it is for men to become pregnant. Men are men regardless of their sexual fetishes."

[https://nypost.com/2022/12/15/tonje-gjevjon-faces-up-to-3-years-in-prison-for-saying-men-cannot-be-lesbians /](https://nypost.com/2022/12/15/tonje-gjevjon-faces-up-to-3-years-in-prison-for-saying-men-cannot-be-lesbians/)

ایک لیس بِیَن (**lesbian**) اداکارہ ہے جو لیس بِیَن (**lesbian**)فلمیں بھی بناتی ہے۔ اس کا نام تونجے جیوجون (**Tonje Gjevjon**)ہے۔اس لیس بِیَن(**lesbian**)فلم ساز کو 17 نومبر کو یہ اطلاع دی گئی کہ فیس بک پر ناروے کی ایک ایکٹی وسٹ کرسٹین جین ٹوفٹ کے خلاف تبصرہ(**Comment**)کرنے کی وجہ سے اس(تونجے)کے خلاف تحقیقات کی جارہی ہیں۔ جین ٹوفٹ ایک ٹرانس جینڈر فی میل ہے (یعنی یہ پیدائشی طور پر ایک مرد تھا لیکن بعد میں اپنی جنس تبدیل کر کے وہ عورت بن گئی/گیا) اور یہ اب خود کو لیس بِیَن ماں(**lesbian Mother**)بولتی ہے۔یعنی اس کو جنسی تسکین ایک عورت سے ہی ملی گی۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ ان کے یہاں کس طرح کے عجوبہ ہوتے ہیں۔ اگر تجھے عورت سے ہی جنسی تسکین چاہئے تھی تو پہلے تو مرد ہی تو تھا، عورت کیوں بنا؟ اب عورت بھی بن گیا ہے اور عورت سے ہی تسکین بھی لینی ہے۔

جین ٹوفٹ نے ایک دوسری خاتون کرسٹینا ایلنگسن پر بھی اسی طرح کے لے الزامات لگائے تھے، وہ الزامات ٹرانس فوبیا (**Transphobia**) سے تعلق رکھتے تھے۔ (ٹرانس فوبیا کا مطلب ہے ہم جنس پرستی سے خوف)۔ چنانچہ اب تونجے اور ایلنگسن دونوں کے اوپر تحقیقات چل رہی ہیں کہ واقعی انھوں نے کیا کہا ہے اور کیوں کہا ہے۔ اگر ان کا جرم ثابت ہو گیا تو ان کو 3 سال کے لئے جیل ہو گی۔ اب ایسا بھی کیا کہہ دیا کہ جین ٹوف کے جذبات مجروح ہو گئے؟ تونجے نے پوسٹ میں جو لکھا تھا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

The post on Gjevjon's Facebook page under investigation read, it's just as impossible for men to become a lesbian as it is for men to become pregnant. Men are men regardless of their sexual fetishes."

اس نے کہا: ایک مرد کے لیے لیس بِیَن بننا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا ایک مرد کے لئے حاملہ ہونا ناممکن ہے۔ مرد تو مرد ہی ہوتے ہیں، چاہے ان کی جنسی خواہشات کچھ بھی ہوں۔

یعنی تو نے یہ کہنا چاہ رہی ہے کہ تو تو ایک مرد تھا، اپنی جنس تبدیل کروا کر تو عورت بنی، پہلے تو یہی ناممکن ہے، اور اب تو کہہ رہی ہے کہ تو لیس بِیَن ہے۔

بہر حال؛ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اگر ناروے میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے تو پھر ایک عجیب و غریب مخلوق جو خود کو ٹرانس جینڈر فی میل لیس بین مدر کہہ رہی ہے، اس کے خلاف کوئی بات کہنے سے 3 سال کی جیل کیسے ہو سکتی ہے؟ جس کا واضح مطلب ہے اظہارِ رائے کی آزادی نہیں ہے۔ تو پھر آپ یہ دعوے کرنا چھوڑ دیں کہ ناروے میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے، لبرل معاشروں میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔ یہ دعوے کرتا کون ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ اظہارِ رائے کی آزادی کے دعوے کرتے بھی خود ہی ہیں۔ دیکھ لیجیے:

Norway is ranked first in the Index for the fifth year.

Reporters without Borders:

https://rsf.org/en/2021-world-press-freedom-index

آزادیٔ اظہار رائے کی فہرست میں گذشتہ پانچ سالوں سے ناروے پہلے نمبر پر ہے۔**Freedom of expression** میں پہلے نمبر پر آنے والے ملک کا حال یہ ہے کہ وہاں آپ کسی لیس بین یا کسی ٹرانس جینڈر کے خلاف فیس بک پر نہیں لکھ سکتے، ورنہ 3 سال کی جیل ہو جائے گی۔ ہاں اسلام کے خلاف آپ جو چاہیں بول سکتے ہیں، آپ قرآن جلا سکتے ہیں۔ سویڈن اور ناروے قریب قریب ہی ہیں، ابھی کچھ سالوں پہلے سویڈن میں باقاعدہ قرآن کریم جلائے جا رہے تھے اور دنیا یہ کہہ رہی تھی کہ یہ تو **Freedom of expression** ہے۔

ایک اور فہرست ہے جو گوگل پر آرام سے مل جائے گی، آپ **Freest Countries 2022** لکھ سرچ کر سکتے ہیں:

Freest Countries 2022

Country	Human Freedom	Ranking
Norway	**8.76**	**13**
United Kingdom	8.75	14
United States	8.73	15
Japan	8.73	15

یہ ان ممالک کی فہرست ہے جہاں سب سے زیادہ آزادی ہے، ہر اعتبار سے آزادی ہے۔ اس

میں آپ کو ناروے 13 ویں نمبر پر، امریکہ 14 ویں نمبر پر اور یورپ 15 ویں نمبر پر ملے گا۔ یعنی مغربی ممالک آزادی کی فہرست میں سب سے اوپر نظر آتے ہیں اور اسلامی ممالک کا نمبر تو 100 کے بھی بعد آتا ہے۔ پہلے 20 میں مغربی اور لبرل معاشرے ہی نظر آتے ہیں کہ ہم بہت زادی دیتے ہیں۔ اس طرح یہ خود ہی فہرست شائع کرتے رہتے ہیں اور اپنی اخلاقی برتری کو ثابت کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر آپ اتنے ہی اخلاقی برتری کے حامل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ بہت آزاد ہیں 13 ویں نمبر پر ہیں یا **Freedom of expression** میں پہلے نمبر پر ہیں تو پھر آپ نے آزادیٔ اظہار رائے کو محدود کیوں کر دیا؟ اور کس بنیاد پر پھر آپ نمبر 1 ہیں؟ یہ سوال آپ ملحد سے کریں گے۔ چونکہ ہر ملحد لبرل ہے ہر ملحد **Leftist** ہے۔ یہ سوال آپ اس سے کریں گے کہ تم اسلام کے خلاف **Freedom of expression** کے قائل ہو تو تم ٹرانسجینڈرزم کے خلاف **Freedom of expression** کے قائل ہو یا نہیں ہو؟ چونکہ جس طریقے سے مسلمان کا اسلام ایک رویہ ہے اور رویے کے خلاف بولنا آپ اپنا حق سمجھتے ہیں، ٹرانسجینڈرزم بھی ایک رویہ ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ رہے ہیں ٹرانسجینڈرزم کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ اور ان کو مار دو، ٹھیک ہے آپ بھی یہ نہیں کہہ رہے کہ مسلمانوں کو مار دو۔ ہم منصفانہ بات کرتے ہیں، جس طرح آپ اسلام کے اوپر تنقید کرتے ہیں ہم ٹرانسجینڈرزم کے اوپر تنقید کرتے ہیں۔ تو پرابلم کیا ہے؟ اب امریکہ کی بھی حقیقت دیکھ لیتے ہیں۔

Free Speech in US Courts

Epistemic Paternalism

جیسا کہ عرض کیا تھا کہ مثالیں دینے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ کچھ مثالیں معاشرتی ہوں کچھ قانونی ہوں۔ تو یہ عنوان ہے "امریکی عدالتوں میں آزادیٔ اظہار رائے" کیا واقعی آزادیٔ اظہار رائے موجود ہے یا نہیں؟ ابھی ماقبل میں گزرا کہ یہ لوگ **Paternalism** کی اصطلاح ہر جگہ گھسا دیتے ہیں اور یہ لفظ ایک منفی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی "پدرانہ رویہ"۔ تو ایک اصطلاح قانونی حلقوں میں بنائی گئی **Epistemic Paternalism**۔ ایپسٹمالوجی ہم پڑھ چکے ہیں یعنی علمیات۔ **Epistemic Paternalism** کا کوئی لفظی معنی نہیں ہے، قریبی معنی یہ ہوسکتے ہیں **"علمی میدان میں پدرانہ رویہ"** یعنی علمیاتی میدان میں زور زبردستی۔ درج ذیل اقتباس ایک تحقیقی مقالے کا ہے جو یونیورسٹی آف شکاگو لا کالج کے ایک طالب علم نے لکھا ہے:

If speech were actually 'free' in the courts - that is, unrestricted by state power - then there would be almost no need for most rules of evidence. A judge or judges would be summoned as the official arbiters, triers of fact (if different) would be assembled, and then the parties, or their advocates, would say anything and everything, adduce any and all evidence that they believe might help their case. There might, of course, be rules that constitute, as US free speech doctrine 6 has it, 'time, place and manner' regulations, but beyond that, advocates could say anything, call any witnesses, offer any evidence, engage in any rhetorical trope that suits their cause.

امریکی عدالتوں میں اظہارِ رائے کی آزادی

علمیاتی میدان میں پدرانہ رویہ (زور زبردستی)

وہ لکھتا ہے: اگر عدالتوں میں اظہارِ رائے کی آزادی واقعی ہوتی–ایسی آزادی جسے ریاستی اداروں کی طرف سے غیر محدود نہ کیا گیا ہو–تو ہمیں ثبوت سے متعلق زیادہ تر قوانین کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہونا یہ چاہئے تھا ایک جج یا مختلف ججوں کو جو سرکاری طور پر ثالثی کرتے ہیں ان کو طلب کیا جاتا اور پھر فریقین یا ان کے وکلاء جو چاہتے کہتے اور جس طرح چاہتے کہتے، ہر وہ بات کہتے کہ جس کے بارے میں انہیں لگتا ہے کہ ان کے کیس میں وہ بات مددگار ہو سکتی ہے (لیکن ایسا نہیں ہے)۔ ٹھیک ہے، ہم ایسے قوانین لے لیتے ہیں جو آپ کو صرف وہی بات کہنے پر مجبور کریں جس کا تعلق اس کیس سے ہو (یعنی غیر متعلقہ بات کہنے کی اجازت نہ ہو)، لہٰذا ایڈوکیٹ کو ہر بات کہنے کا حق ہونا چاہیے، کسی بھی گواہ کو بلانے کا حق ہونا چاہیے، کسی بھی طرح کا ثبوت پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے، کسی بھی طرح کی زبان اختیار کرنے کا حق ہونا چاہئے جو ان کے کیس سے مناسبت رکھتی ہو۔ (یعنی اگر عدالتوں میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے تو مندرجہ بالا آزادیاں ہونی چاہئیں۔ یہ مصنف نے ایک بنیاد فراہم کی ہے) لیکن ہوتا کیا ہے؟ دوسرے پیراگراف میں ملاحظہ فرمائیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم امریکی عدالتوں کی ایک اصطلاح کو سمجھتے ہیں، اس اصطلاح کو کہتے ہیں جوری (Jury)۔ لغت میں اس کے معنی ہیں منصف یا منصفین۔ امریکہ میں ایک قانون ہے جس پر امریکہ کو بڑا فخر ہے کہ اس کو کہتے ہیں آزادی۔ وہ قانون یہ ہے کہ امریکی عدالتوں میں جس طریقے سے جج کسی بھی کیس کا یا کسی بھی جرم کا فیصلہ کرتا ہے، اسی طریقے سے عوام کو بھی کیس میں بطور قاضی یا منصف شامل ہونے کا حق ہوتا ہے۔ میں خود ایک کورٹ کیس میں بطور منصف شامل ہو چکا ہوں۔ ایک دن کے لیے

آپ جج بنتے ہیں، کل 14 لوگ ہوتے ہیں، جن میں سے ایک آپ ہوتے ہیں۔ یہ 14 لوگ متفقہ طور پر کیس کا فیصلہ دیتے ہیں، جج فیصلہ نہیں دے سکتا۔ یہ اختیار **defendant** (مدعاعلیہ) کا ہوتا ہے کہ وہ جج کے ذریعے **trial** (مقدمے کی سماعت) چاہتا ہے یا **Jury** کے ذریعے **trial** (مقدمے کی سماعت) چاہتا ہے۔ جج ظاہر ہے کہ قانون کا ماہر ہے، وہ پڑھا لکھا ہے، ایک ایک چیز بڑی غور سے دیکھتا ہے، سمجھ سکتا ہے۔ لیکن **Jury** میں معاشرے کے عام لوگ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی کا کبھی قانون سے واسطہ ہی نہ پڑا ہو، مثلاً کوئی ٹیچر ہے، کوئی آئی ٹی کا آدمی ہے، کوئی پلمبر ہے، کوئی کارپینٹر ہے، اس طرح کے 14 لوگوں کو انٹرویو کی بنیاد پر وہ سلیکٹ کرتے ہیں اور پھر ان کے سامنے دلائل رکھے جاتے ہیں۔ جب کیس چلتا ہے، تاریخوں پر تاریخیں لگتی ہیں، ان تاریخوں میں یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ کون سی چیز **Jury** کے سامنے رکھنی ہے، کون سی چیز نہیں رکھنی ہے۔ آخر میں جس دن فیصلہ ہونا ہوتا ہے اس دن **Jury** کے لوگ آکر بیٹھتے ہیں۔ ان کو پہلے سے معلوم نہیں ہوتا کہ کس کیس میں ان کو جانا ہے، ان کو اچانک بلایا جاتا ہے۔ ان کو نہیں معلوم کہ پہلے کن ثبوتوں پر گفتگو کی جاچکی ہے، کن ثبوتوں کو خارج کر دیا گیا ہے، کن ثبوتوں کو باقی رکھا گیا ہے، کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ چند ثبوت ان کے سامنے رکھ دیے جاتے ہیں کہ ان کی بنیاد پر فیصلہ کرو۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اقتباس کا دوسرا پیراگراف ملاحظہ فرمائیں:

It is basic to the Federal Rules of Evidence in the US, for example, that evidence that might make more or less probable the existence of some material fact (that is, 'relevant' evidence) can nonetheless be excluded by the judge if the risk that it will confuse or prejudice the jury is too great (that is, render them less capable of rendering an epistemically reliable verdict). So, for example, very gruesome crime photos might be excluded; so too facts about a defendant's criminal history.

(The Case Against Free Speech, p4, Brian Leiter, University of Chicago Law School)

یہ امریکہ کا بنیادی وفاقی قانون ہے اور اس پر عدالتوں میں عمل بھی کیا جاتا ہے کہ ہر وہ ثبوت جس کے تعلق سے جج یہ سمجھتا ہے کہ وہ جوری کو متاثر کر سکتا ہے یا اسے متعصب بنا سکتا تو جج اس ثبوت کو پہلے ہی خارج کر دیتا ہے (اور جوری کے سامنے آنے نہیں دیتا)۔ اب جب جوری کی ٹیم بیٹھے گی تو مدعی یا مدعی علیہ کے وکلاء وہی بات کہیں گے جن کی اجازت جج نے دی ہے (جس چیز کو جج نے پہلے ہی خارج کر دیا ہے وہ جیوری کے سامنے پیش بھی نہیں کی جاسکتی)۔ کیونکہ جج ان کے بارے یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ علمیاتی اعتبار سے اتنی مہارت نہیں رکھتے ہیں کہ اگر تمام ثبوت ان کے سامنے رکھ دئے گئے تو یہ لوگ ایک منصفانہ فیصلہ دے سکیں گے۔

مثلا جائے واردات کی تصاویر جس میں واضح طور پر جرائم دکھائے گئے ہوں، جیسے کسی کو قتل کیا گیا ہے اور وہ بھی بہت دردناک انداز سے کہ قاتل نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور اس کی ویڈیو موجود ہے، تو اسے جوری کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طریقہ سے مدعاعلیہ کے سابقہ مجرمانہ ریکارڈ بھی نہیں دکھائے جائیں گے، ورنہ تو جوری متاثر ہو سکتی ہے کہ اس کا تو پیشہ ہے جرم کرنے کا، اس لیے اس نے ابھی بھی جرم کیا ہو گا۔

مصنف کا مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ یہ قانون غلط ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ یہ نہ کہیں کہ امریکی عدالتوں میں اظہار رائے کی آزادی ہے۔ کیونکہ آپ نے اظہارِ رائے کی آزادی کو محدود کر دیا ہے۔ آپ جوری کو تمام معلومات تو دے ہی نہیں رہے ہیں کہ جن کی بنیاد پر وہ فیصلہ کرے۔ بلکہ آپ نے تو اپنے دونوں فریقین اور ان کے وکلاء کی اظہارِ رائے کی آزادی کو محدود کر دیا کہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے۔ آپ یہ ثبوت پیش کر سکتے ہیں اور یہ ثبوت پیش نہیں سکتے۔ تو پھر عدالتوں کے اندر اظہارِ رائے کی آزادی کہاں رہی؟

Hearsay Evidence

یہ بھی ایک مختصر سی مثال ہے۔ Hearsay Evidence ہیرَ سے ایویڈنس ایک خاص طرح کا ثبوت یا دلیل ہے جس کو عدالتوں میں قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ اس دلیل کو قبول کیا جائے، لیکن پھر یہ بھی دعوی نہ کریں کے عدالتوں میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔ ہیرَ سے ایویڈنس کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

Verbal and written statements are commonly offered at hearings and trials to prove facts at issue in a case. Courts are required to exclude certain statements from evidence when they were made by parties not present to testify at the trial or hearing. For example, in a family law case, Henry wants to testify that his wife's mother, Mother May, stated that she saw the wife, Wendy, hit their child. Since Henry is testifying to what Mother May said, this testimony could be hearsay.

(https://lawshelf.com/shortvideoscontentview/hearsay-evidence)

زبانی اور تحریری بیانات عام طور پر سماعتوں اور ٹرائلز میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ کسی معاملے میں حقائق کو ثابت کیا جاسکے۔ عدالتیں کچھ خاص قسم کے بیانات کو ثبوت سے خارج کر دیتی ہیں، اگر عدالتوں کو یہ لگتا ہے کہ یہ بیانات ان لوگوں کے ذریعہ دئے گئے ہیں جو خود گواہی دینے کے لئے عدالت میں موجود نہیں ہیں۔ اس کو بولتے ہیں ہیرَ سے ایویڈنس۔ مثلا خاندان میں میاں

(ہینری)اور بیوی(وینڈی) کے درمیان جھگڑا چل رہاہے اور شوہر کا یہ کہناہے کہ میری بیوی بچوں کے اوپر ظلم کرتی ہے لہذا بچوں کی کسٹڈی ماں کو نہ ملے بلکہ باپ کو ملے۔ہینری یہ کہتاہے کہ خود میری ساس نے ایک دن یہ کہا تھا کہ اس نے خود اپنی بیٹی (میری بیوی) کو دیکھا کہ وہ بچوں کو مار رہی ہے۔لہذاہینری کی یہ شہادت کہ میری ساس نے یہ دیکھاہے،اس گواہی کو عدالتی کاروائی میں شامل نہیں کیاجائے گا اور یہ کہاجائے گا کہ یہ ہیرَ سے ایویڈنس ہے اور ہیرَ سے ایویڈنس آپ پیش نہیں کرسکتے۔ہاں اگر ساس خود آکر اس بات کی گواہی دے دے پھر تو قبول کیاجائے گا ورنہ نہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ امریکی عدالتیں اور امریکی قانون جس طمطراق کے ساتھ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ آپ نے عدالتوں کے اندر جس طریقے سے آزادیٔ اظہارِ رائے کا گلہ گھونٹا ہے،ویسا تو پوری دنیا میں کہیں بھی نہیں گھونٹا جاتا۔ہم یہ نہیں کہہ رہیں کہ یہ قوانین غلط ہیں،ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پھر آپ یہ نہ کہیں کہ ہم آزادیٔ اظہارِ رائے میں یقین رکھنے والے لوگ ہیں۔آپ یہ کہیں کہ ہم اس آزادی کو محدود کردیتے ہیں۔جب آپ ایک مرتبہ یہ مان لیں گے تو دوغلہ پن ختم ہو جائے گا۔

بہر حال اب تک ہم نے کینیڈا،ناروے اور امریکہ کی آزادیٔ اظہار رائے کو دیکھ لیا،اب ہم یورپ میں آزادیٔ اظہار رائے کو بھی دیکھ لیتے ہیں:

Holocaust Denial

لبرل کے خلاف یہ آپ کا سب سے مضبوط ہتھیار ہے۔اور عام طور سے ملحد اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا لیکن اس کے پاس کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔وکیپیڈیا کے اوپر یہ معلومات درج ہیں۔

Sixteen European countries, along with Canada and Israel, have laws against Holocaust denial, the denial of the systematic genocidal killing of approximately six million Jews in Europe by Nazi Germany in the 1930s and 1940s. Many countries also have broader laws that criminalize genocide denial. Among the countries that ban Holocaust denial, Austria, Germany, Hungary, Poland and Romania also ban other elements associated with Nazism, such as the display of Nazi symbols.

(**Wikipedia)**

کینیڈا اور اسرائیل کے بشمول 16 یورپی ممالک میں ہولوکاسٹ سے انکار کے خلاف قوانین موجود ہیں، (آپ اگر ہولو کاسٹ کا انکار کریں کہ یہ نہیں ہوا، یا 6 ملین یہودی نہیں مرے بلکہ پانچ لاکھ مرے تھے، خواہ مخواہ تعداد بڑھا دی گئی، اگر آپ یہ کہیں گے اور آپ ان 16 ممالک میں سے کسی میں ہیں تو آپ کے خلاف قانونی کارروائی ہو گی۔ محض کہنے کی وجہ سے، آپ نے بس کسی کا دل ہی توڑ دکھایا ہے نا اور دل دکھانا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، مسلمانوں کے دل تو یہ لوگ دن رات دُکھاتے ہیں۔ یہودیوں کا دل دکھا دیا تو اتنی بھی کیا بڑی بات ہو گئی) ہولوکاسٹ کے انکار کا مطلب ہے 1930 اور 1940 کی دہائیوں میں نازی جرمنی کے ذریعے یورپ میں تقریباً ساٹھ لاکھ یہودیوں کے منظم نسل کشی کے قتل سے انکار۔ بہت سے ممالک میں اس طرح کے قوانین بھی ہیں کہ وہاں کسی بھی نسل کشی سے انکار کو جرم قرار دیا جاتا ہے۔ ہولوکاسٹ کے انکار پر پابندی لگانے والے ممالک میں آسٹریا، جرمنی، ہنگری، پولینڈ اور رومانیہ وغیرہ، نہ صرف یہ کہ ان ممالک میں آپ ہولوکاسٹ کا انکار نہیں کر سکتے بلکہ نازی ازم سے منسلک جتنی بھی علامات ہیں وہ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ نازی علامتوں کی نمائش۔ مثلاً سواستکا کی نشان لگی ہوئی ٹی شرٹ بھی اگر آپ نے ان ممالک میں پہن لی تو آپ پر قانونی کارروائی ہو سکتی ہے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ آپ ایک طرف کہتے ہیں کہ ننگے ہو جاؤ کوئی مسئلہ نہیں، بکنی پہن لو کوئی مسئلہ، لیکن حجاب پہننا غلط ہے۔ اب اگر ایک آدمی اپنی آزادی کا اظہار اس طریقے سے کر رہا ہے کہ سواستکا کے نشان کو اپنے بازو پر باندھ لیا تو مسئلہ کیا ہے؟ نہیں اس کی اجازت نہیں ہے! کیونکہ آزادئ اظہارِ رائے محدود ہے۔

اب ہولوکاسٹ کے حوالے سے چند یورپی ممالک کے قوانین دیکھ لیتے ہیں۔ مثلاً آسٹریا میں ایک قانون 1947 میں بنا اور پھر 1992 میں اس میں ترمیم بھی ہوئی:

Austria

National Socialism Prohibition Law (1947, amendments of 1992)1-10 Years

اس قانون کی رو سے ہولوکاسٹ کا انکار کرنے کی وجہ سے ایک سے دس سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

آپ نے صرف انکار کیا ہے۔ اب کہاں گیا آزادئ اظہارِ رائے کا حق؟

Belgium

Negationism Law (1995, amendments of **1999**) a prison sentence of eight days to one year, and by a fine of twenty-six francs to five thousand francs**.**

بیلجیئم کا یہ قانون 1995 میں بنا اور پھر 1999 میں اس میں ترمیم ہوئی ہے۔ اس کے مطابق ہولوکاسٹ کے انکار پر 8 دن سے ایک سال کی جیل ہو سکتی ہے اور ساتھ ہی 26 فرنس (وہاں کی کرنسی) سے 5 ہزار فرنس تک کا جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔ جرم کیا ہے؟ محض آزادیٔ اظہار رائے!

France

Art. 24 (a). those who have disputed the existence of one or more crimes against humanity shall be punished by one month to one year's imprisonment or a fine.

فرانس (آزادی کے چیمپئن) کے قانون کے آرٹیکل 24 اے میں لکھا ہے: وہ لوگ جو انسانیت کے خلاف ہونے والے جرائم میں کسی بھی جرم کے خلاف کوئی دلیل دیں گے یا ان کے وجود کا انکار کریں گے تو ان کو ایک مہینہ سے لے کر ایک سال تک کی سزا یا ان پر جرمانہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن دراصل تحفظ ہولوکاسٹ کو دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ ان کا یہ ماننا ہے کہ ہولوکاسٹ انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ آپ اگر اس کا انکار کریں گے یا اس کے خلاف دلیل دیں گے، صرف دلیل دینے پر بھی سزا ہو گی۔ یعنی بھول جایئے کہ آپ یونیورسٹی میں اس موضوع پر تحقیق کر سکتے ہیں، نہ تو اس موضوع پر کوئی کتاب لکھ سکتے ہیں، نہ کوئی مضمون یا مقالہ لکھ سکتے ہیں اور نہ ہی فیس بک پر کوئی پوسٹ لکھ سکتے ہیں۔

Germany

ART.130 **Incitement to hatred.** (3) Whosoever publicly or in a meeting approves of, denies or downplays an act committed under the rule of National Socialism shall be liable to imprisonment not exceeding five years or a fine**.**

جرمنی کے قانون کے آرٹیکل 130 کی تیسری شق میں لکھا ہے: جو شخص بھی عوامی سطح پر یا کسی اجتماع میں نازی کے اقتدار میں کئے ہوئے جرائم کو منظور کرے گا یا انکار کرے گا یا ان کی اہمیت گھٹائے گا اس کو پانچ سال کے لئے جیلکی سلاخوں کے پیچھے رکھا جاسکتا ہے۔

تو ہولوکاسٹ کے انکار سے متعلق یہ قوانین ہیں ان سارے ممالک میں۔ یہ سارے وہ ممالک ہیں جو خود کو **Freedom of expression** کا چیمپئن کہتے ہیں۔ چلیں یہ تو ہولوکاسٹ ہو گیا، تھوڑی دیر کے لئے ہم مان لیتے ہیں کہ ہولوکاسٹ سے پوری دنیا کے یہودیوں کے جذبات وابستہ ہیں۔ لیکن ابھی حال ہی میں ہونے والے ایک واقعے کی طرف توجہ دلانا چاہو گا۔

ذیل میں ایک خبر ہے جو فرانس کی آفیشل نیوز ایجنسی کی ویب سائٹ سے لی گئی ہے، جس کا لنک بھی ساتھ میں موجود ہے:

Free Speech in France

Top French court validates deportation of imam accused of hate speech

An Interior Ministry lawyer last week told the Council of State that Hasan Iquioussen had for years "spread insidious ideas" that were "nothing less than incitement to hatred, to discrimination and to violence".

But the preacher's lawyer said some of the remarks – including anti-Semitic or misogynistic speech – dated back more than 20 years, pointing out that he had never been prosecuted for his public statements.

"Yes, Mr Iquioussen is a conservative. He has made retrograde statements on women's place in society," Lucie Simon said. "But that does not constitute a serious threat to public order."

https://www.rfi.fr/en/france/20220831-top-french-court-alidatesdeportation-of-imam-accused-of-hate-speech

فرانس کی سپریم کورٹ نے ایک امام کو نفرت انگیز تقریر کے الزام میں ملک بدر کرنے کا قانونی جواز فراہم کر دیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک مراکشی نژاد امام ہیں حسن اکویژن نام ہے ان کا۔ لیکن یہ فرانس میں ہی پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور پھر کسی مسجد میں امام بن گئے۔ وہاں پر انھوں نے فرانس کی **National values** (قومی اقدار) مثلاً مرد و عورت کے درمیان مساوات وغیرہ کے خلاف بولنا شروع کیا- میں جس طرح سے مساوات کے خلاف بول رہا ہوں، میں فرانس کے قانون کو توڑ رہا ہوں، اگر میں فرانس میں ہوتا تو میرا حشر بھی یہی ہو سکتا تھا- ان صاحب نے اپنی تقریروں میں یہ گفتگو کی تو ان کے خلاف کیس ہو گیا۔ اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کو فرانس بدر کر دیا جائے اور ان کو ان کے ملک واپس بھیج دیا جائے۔ حالانکہ وہ فرانس کے باشندے ہیں لیکن چونکہ والدین مراکش سے آئے تھے لہٰذا ان کو مراکش واپس بھیجو۔ بہر حال عدالتی کاروائی ہوتی رہی، بات سپریم کورٹ تک پہنچی اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔ اب یہ پورا کیس ملاحظہ کریں:

وزارت داخلہ کے وکیل نے گذشتہ ہفتے کونسل آف اسٹیٹ کو بتایا کہ امام حسن اکویژن گذشتہ چند برسوں سے اس طرح کے خطرناک نظریا پیش کر رہے ہیں جن کا نتیجہ نفرت پھیلانے سے کم نہیں نکلتا۔ اسی طریقہ سے ان افکار و نظریات کی بنیاد پر معاشرے میں عدم مساوات اور تشدد پھیل سکتا ہے۔

امام صاحب کے وکیل نے کہا کہ سب سے پہلی بات یہ کہ ان کے یہ جملے 20 سال پرانے ہیں، میں مانتا ہوں کہ انھوں نے یہودیوں کے خلاف کوئی بات کہی ہو گی (ہولو کاسٹ والی) یا کچھ باتیں عورتوں کے حقوق کے خلاف کہی ہوں گی۔ اور ان باتوں کے تعلق سے کبھی بھی امام کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں چلا۔

امام صاحب کے وکیل نے آگے کہا: ہاں حسن روایت پسند آدمی ہیں۔ انھوں نے عورتوں کے معاشرے میں مقام کے خلاف کچھ نازیبا بیانات دیئے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے عوامی نظم و نسق کو کسی طرح کا خطرہ ہو۔

آپ اس پوری تفصیل میں دیکھیں کہ حکومت یہ کہہ رہی ہے کہ امام صاحب نے چونکہ عورتوں کے حقوق کے خلاف تقریریں کی ہیں، لہذا ان کو ملک سے نکال دو۔ وکیل استغاثہ کہہ رہا ہے کہ ہاں کی ہیں لیکن اس سے عوامی نظم و نسق میں کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے۔ یہ وہی فرانس ہے جہاں ابھی چند سال پہلے باقاعدہ طور پر آپ ﷺ کی شان میں گستاخی ہوئی تھی تو ایک ٹیچر کو ایک شخص نے قتل کر دیا تھا اور فرانس نے Freedom of expression کے اپنے اس عقیدہ کو بڑھاوا دینے کے لئے اس ٹیچر کا سرکاری funeral (تجہیز و تکفین) کی۔ بھئی قتل تو دن رات ہوتے ہیں، ہر ملک میں ہوتے ہیں، کیا آپ ہر ایک کا سرکاری funeral کرتے ہیں؟ سرکاری funeral تو کسی بڑے لیڈر کا، صدر یا وزیر اعظم کا ہوتا ہے۔ لیکن پوری دنیا کو پیغام تھا کہ ہم تو آزادیٔ اظہار رائے کے علمبردار ہیں، لہذا اونچی اونچی عمارتوں کے اوپر چراغاں کیا گیا اور عوامی سطح پر شان رسالت میں خوب گستاخیاں ہوئیں، قرآن کو جلایا گیا، صرف یہ بتانے کے لئے کہ ہم Freedom of expression میں یقین رکھتے ہیں اور یہ ہماری National value ہے۔ لیکن اگر آپ کی National value کے خلاف ایک آدمی کھڑے ہو کر بیان دیدے، ایسا شخص جو آپ کی سرزمین پر پیدا ہوا ہے، تو آپ اس کو ملک سے نکال دیتے ہیں۔ یہ ہے فرانس کی آزادیٔ اظہار رائے۔

Freedom & Human Rights

اب ایک اہم نکتہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ اہم اس لیے کہ اس سے آپ کے بہت سارے مسائل ایک جھٹکے میں حل ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ مغربی لبرل معاشروں میں فخر کے طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہمارے یہاں Human Rights (انسانی حقوق) پر بہت زیادہ زور ہے۔ ہم انسانی حقوق پر یقین رکھتے ہیں اور آزادی انسانی حقوق کی بنیاد ہے اور ہم انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن مسلم معاشروں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ افغانستان میں عورتوں کو

پڑھنے نہیں دیتے، برونائی میں حدود و قصاص کے قوانین نافذ کر دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ کٹ رہے ہیں اور گردنیں کٹ رہی ہیں، پاکستان میں اگر کوئی شخص شان رسالت ﷺ میں گستاخی کر دے تو پھر اس پر کیس چل جاتا ہے، یہ سب کے سب انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ یہ لبرلز اپنے آپ کو اخلاقی اعتبار سے بہتر بتانے کے لئے انسانی حقوق کا حوالہ دیتے ہیں۔

ٹھیک ہے **Human Rights** بہت اچھی بات ہے۔ ہم انسانی حقوق کے خلاف نہیں ہیں۔ انسان کو اس کے حقوق ملنے چاہئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسانی حقوق بنتے کیسے ہیں؟ آپ نے یہ کیسے طے کیا کہ یہ چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے؟ آپ کے پاس کوئی نہ کوئی پیمانہ یا ضابطہ تو ہو گا۔ **Human Rights** بنتے کیسے ہیں، اس کا پورا طریقہ یہاں تصویری شکل میں پیش کیا جاتا ہے:

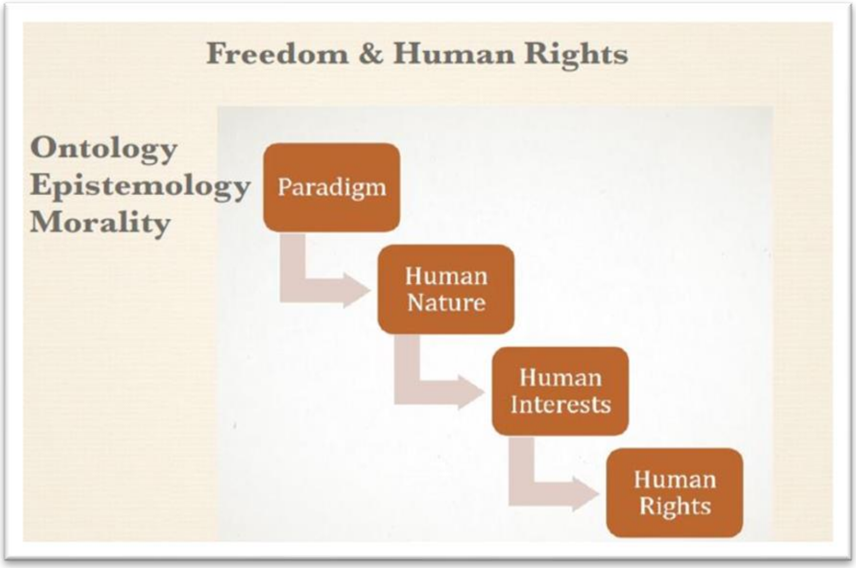

سب سے پہلی چیز ہے پیراڈائم۔ اس پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ پیراڈائم کی بنیاد ہے علم الوجود، علمیات اور اخلاقیات۔ سب سے پہلے پیراڈائم بنتا ہے، پھر اس کی بنیاد پر انسانی فطرت طے ہوتی ہے کہ اس کی فطرت کیا ہے۔ مثلاً مغربی پیراڈائم میں وحی کا کوئی دخل نہیں ہے، اخلاقیات ذاتی (**Objective**) ہے کہ میں جو چاہوں کروں۔ تو اب جنسی تسکین انسانی فطرت کا حصہ ہے، اسے جنسی تسکین ملنی چاہئے۔ اب وہ چاہے جس بھی طریقہ سے ہو، چاہے پورنوگرافی دیکھ کر ہو، چاہے زناکاری کے ذریعہ ہو، ہاں زبردستی نہیں ہونی چاہیے کسی کے ساتھ، رضامندی کے ساتھ آپ جو چاہے کریں۔ اگر دو کم عمر لوگ ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے، اگر ایک بڑا دوسرا کم عمر کا ہے تو مسئلہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے بڑے نے چھوٹے کے ساتھ زبردستی کی ہو۔ بہر حال جنسی تسکین انسانی فطرت کا حصہ ہے لہذا جنسی تسکین کو حاصل کرنے کے لیے ہر طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے، یہ **Human Nature** پیراڈائم کی بنیاد پر طے ہوا۔

اس کے بعد آتا ہے **Human Interest**۔ جب جنسی تسکین **Human Nature** ہے تو ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کی بنیاد پر بنتے ہیں **Human Interest** (انسانی مفادات)۔ تو پیراڈائم طے کرتا ہے انسانی فطرت، اور انسانی فطرت طے کرتی ہے انسانی مفادات۔ انسان کا مفاد کیا ہے؟ جب اس کی فطرت جنسی تسکین ہے تو اب اس کا مفاد یہ ہو گا کہ وہ نائٹ کلب میں جائے، طوائفوں کے ساتھ رات بِتائے، وہ پورن فلمیں دیکھے۔ لہذا اس **Interest** کو بڑھاوا دینا چاہئے، اور پورنوگرافی کی انڈسٹری کے اوپر پابندی نہیں لگنی چاہیے، یہ **Human Interest** ہوا۔

پھر **Human Interest** کی بنیاد پر **Human Rights** (انسانی حقوق) بنتے ہیں۔ جب انسان کی فطرت یہ ہے کہ جنسی تسکین ہو اور اس کا مفاد یہ ہے کہ کسی بھی طریقہ سے اس کی جنسی تسکین پوری کی جائے، چاہے پورنوگرافی کے ذریعہ ہو، فحاشی کے ذریعہ ہو یا جسم فروشی کے ذریعے ہو۔ لہذا پورنوگرافی اور فحاشی انسانی حق ہوا۔ اس طریقہ سے **Human Rights** بنتے ہیں۔ تو پیراڈائم کی بنیاد پر **Human Nature** (انسانی فطرت)، **Human Nature** کی بنیاد پر **Human Interest** (انسانی مفاد)، **Human Interest** کی بنیاد پر **Human Rights** (انسانی حقوق) بنتے ہیں۔ یہ پوری ایک سیڑھی ہے۔

اب اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ انسانی حقوق انسانی مفاد کی بنیاد پر بنتے ہیں؟ صرف اس چیز کو ثابت کریں گے کیونکہ تصویر میں اوپر والی دو چیزیں تو بدیہی ہیں یعنی ان کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ نیچے کی عبارت دیکھیں:

Advocates of the interests theory approach argue that the principal function of human rights is to protect and promote certain essential human interests. Securing human beings' essential interests is the principal ground upon which human rights may be morally justified.

Internet Encyclopedia of Philosophy

مفادات کے نظریہ کے حامیوں کا کہنا ہے کہ انسانی حقوق کا بنیادی مقصد انسانی مفادات کا تحفظ ہے۔ (یعنی پہلے مفادات آتے ہیں اور پھر انسانی حقوق آتے ہیں) انسانوں کے ضروری مفادات کا تحفظ ہی وہ بنیاد ہے جس پر انسانی حقوق کو اخلاقی طور پر جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ (لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ انسانی مفادات بنیاد ہیں انسانی حقوق کی)

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اب ہم اقوام متحدہ کی ویب سائٹ سے **Human Rights** دیکھتے ہیں کہ آخر انسانی حقوق کیا ہیں:

International Covenant on Economic Social and Cultural Rights

- Freedom from discrimination
- Right to equality between men and women
- Right to life
- Freedom from slavery
- Right to liberty and security of person
- Right to be treated with humanity in detention
- Freedom of movement
- Right to fair trial
- Freedom of religion and belief
- Freedom of expression
- Right of peaceful assembly
- Freedom of association
- Right to marry and found a family
- Right to participate in public affairs
- Right to equality before the law
- Minority rights

اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی عالمی معاہدہ

جتنے بھی ممالک اقوام متحدہ کے ممبر ہیں ان میں سے اکثر نے –ایک دو کو چھوڑ کر- اس معاہدے کے اوپر دستخط کیا ہوا ہے۔ یہ عالمی معاہدہ ہے۔ اور یہ تمام حقوق انسانی حقوق میں آتے ہیں اور انسانی حقوق بنے کیسے ہیں؟ انسانی مفادات کی بنیاد پر، انسانی مفادات بنے ہیں انسانی فطرت کی بنیاد پر اور انسانی فطرت ایک خاص پیراڈائم کی بنیاد پر بنا ہے۔ وہ انسانی حقوق یہ ہیں:

- امتیازی سلوک سے آزادی۔ یعنی آپ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کر سکتے۔ ایک اسلامی معاشرہ میں ٹرانس جینڈر کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جائے گا، چونکہ اس نے صرف گناہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ وہ گناہ کی نمائش بھی کر رہا ہے۔ لیکن یہاں آپ نے لکھ دیا کہ کسی کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ انسانوں کو امتیازی سلوک سے آزادی حاصل کرنا، ان کا بنیادی حق ہے۔
- مرد اور عورت کے درمیان برابری کا حق۔ یہ انسان کا بنیادی حق ہے کہ مرد و عورت بالکل برابر ہوں۔

- جینے کی آزادی
- غلامی سے آزادی
- آزادی اور امن کا حق
- حراست میں انسانیت کے ساتھ برتاؤ کا حق
- نقل و حرکت کی آزادی
- منصفانہ مقدمہ کا حق
- مذہب اور عقیدے کی آزادی
- اظہار رائے کی آزادی
- پرامن اجتماع کا حق۔ اسی بنیاد پر مغربی معاشروں میں پرامن احتجاج کی آزادی ہوتی ہے۔ جو ممالک عوام کو احتجاج کا حق نہیں دیتے ان کے بارے یہی کہا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔
- کسی بھی تنظیم یا سیاسی جماعت سے انتساب کی آزادی
- شادی اور خاندان شروع کرنے کی آزادی
- ہر فرد کو عوامی معاملات میں شرکت کا حق۔ یعنی حکومتی معاملات جیسے کہ وہ صدر بن سکتا ہے، وزیر اعظم بن سکتا ہے یا کسی بھی طرح سے حکومت میں شامل ہو سکتا ہے۔ لہذا خلافت اور بادشاہت انسانی حقوق کے خلاف ہیں۔ صرف جمہوریت انسانی حقوق کے مطابق ہے۔
- قانون کے سامنے برابری کا حق۔ لہذا تمام لوگوں کے لئے ایک ہی قانون ہو گا۔ کسی بھی کمیونٹی کو پرسنل لاء نہیں ملنا چاہئے۔
- اقلیتوں کے حقوق

یہ چند حقوق کی لسٹ ہے ورنہ اس کی فہرست کافی لمبی ہے۔ یہ سارے حقوق ایک خاص پیراڈائم کے اوپر مبنی ہیں۔ ان میں سے کچھ حقوق تو ایسے ہیں جن کو اسلام تسلیم کرتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کو اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن عالمی معاہدہ کر کے ساری دنیا سے یہ تسلیم کرایا گیا۔ اگر کوئی ملک ان معاہدوں کو تسلیم نہ کرے اور ان انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرے تو عالمی برادری کو یہ حق ہے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی بنیاد پر دوسرے ملک میں فوج لے کر دخل اندازی کرے۔

اقوام متحدہ کا ایک مجلہ ہے "Global Issues" اس کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

Humanitarian Intervention

The UN seems to have based its rules regarding human rights violations on the political theory of social contractarianism, where member states throughout the world have a morally binding contract with each other to fight for peace and freedom. Consequently, if any state were to violate human rights as they are defined in the UN Charter, UN member states would have a moral obligation to intervene to restore peace and freedom within that state (United Nations, "Global Issues").

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے تعلق سے بنائے گئے قوانین دراصل سماجی معاہدے پر مبنی ہیں۔(یعنی ممالک کے درمیان معاہدہ ہو گیا ہے کہ) پوری دنیا کے رکن ممالک پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ وہ امن اور آزادی کے لیے لڑیں۔ لہذا اگر کوئی ملک اقوام متحدہ کے چارٹر میں بیان کیے گیے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ملک کے اندر فوج لے کر پہنچیں اور وہاں امن اور آزادی کو از سر نو بحال کریں۔

(اقوام متحدہ، "عالمی مسائل")۔

یعنی اقوام متحدہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے یہ لسٹ دے دی ہے۔ اب اگر کوئی ملک اس کے خلاف جائے گا تو ہماری سکیوریٹی کونسل کے ممبر ممالک جیسے امریکہ، یورپ اور تمام نیٹو ممالک کو یہ حق ہے وہ تمہارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ افغانستان کے اوپر جو حملہ کیا گیا، یا ور آج جو امریکہ نے اس کے پیسے روکے ہوئے ہیں یا آج پوری دنیا کے ممالک جو اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ایران کے اوپر جو پابندیاں ہیں، ان سب کی بنیاد یہی ہے کہ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا جو منشور ہے اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں یہ ممالک، لہذا ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم ان کو سزا دیں۔ اس سزا کے نتیجے میں وہاں کی عوام مرے یا جئے، غریب ہو جائے یا تعلیم سے محروم ہو جائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کو کہا جاتا ہے **Humanitarian Intervention**، کہ ہمیں اخلاقی حق حاصل ہے کہ ہم دنیا میں انسانی حقوق کو قائم کریں۔ اب ان سے پوچھیں کہ یہ انسانی حقوق آئے کہاں سے؟ کہیں گے کہ یہ انسانی مفادات کی بنیاد پر ہیں۔ تو انسانی مفادات کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ انسانی فطرت کی بنیاد پر! انسانی فطرت آپ کیسے بیان کرتے ہیں؟ اپنے پیراڈائم کی بنیاد پر! ہمارے نزدیک اخلاقیات عارضی **(Subjective)** ہے، ہمارے نزدیک وحی اور قرآن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خدائی قانون کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ انسان طے کریں گے کہ کونسی چیز اخلاق ہے اور کونسی نہیں، ہم طے

کریں گے کہ کون ساکام قانونی اور کون سا غیر قانونی اور پھر اسی بنیاد پر انسانی فطرت طے ہو گی اور، اسی انسانی فطرت کے مطابق انسانی مفادات متعین ہوں گے اور ان ہی انسانی مفادات کی بنیاد پر انسانی حقوق متعین ہوں گے۔ اور آپ اگر انسانی حقوق کے خلاف جائیں گے تو ہم آپ کو سزا دیں گے۔ یہ تو پورا ایک اِسکیم (**Scam**) ہے۔

اچھا اگر ہم انہیں حقوق کو ہم الٹا کر دیں اور کہیں ہمارے یہاں بھی کچھ کہ **Human Rights** ہیں۔ اسلامی پیراڈائم کی بنیاد پر ہمارے پاس بھی کچھ انسانی حقوق ہیں۔ کیونکہ جب تمام باتوں کی بنیاد پیراڈائم ہے تو پھر اسلامی پیراڈائم بھی ایک اہم پیراڈائم ہے۔ بات پھر پیراڈائم پر ہونی چاہئے، **Human Rights** پر نہیں ہونی چاہیے۔ لہذا آپ نے جو حقوق طے کئے ہیں ہم ان میں سے بعض کو تسلیم کر سکتے ہیں، لیکن پھر اسلامی پیراڈائم پر مبنی یہ حقوق بھی انسان کے لئے اہم ہیں:

Human Rights as per Islamic Paradigm

- Right to worship one God
- Right to eternal bliss (**السعادة الأبدية**)
- Right to safe childhood
- Right to modesty
- Right to submission to the Supreme Being
- Right to peace and public order

- ایک اللہ کی عبادت کا حق: یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ وہ اس پر عمل نہ کرے یہ بات الگ ہے۔ وہ خود ہی انتخاب کرے کہ وہ سو خداؤں کی عبادت کرے گا یا وہ کسی بھی خدا کی عبادت نہیں کرے گا، یہ الگ مسئلہ ہے۔ لیکن ہر انسان کو یہ حق ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا ایک خدا ہے اور وہ خدا ہی اس کا معبود ہے۔ یہ معلوم ہونا اس کا حق ہے۔
- ابدی نعمتوں کا حق (السعادة الأبدية): یہ بھی انسان کا بنیادی حق ہے کہ اسے ہمیشہ کی خوشی ملے۔ اس دنیا کی خوشی بھی ملے اور آخرت کی خوشی بھی ملے۔ اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ خوشی اسے کیسے ملے گی۔ آپ اسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر آپ اسے جاننے ہی نہیں دیں گے کہ اسے یہ ہمیشہ کی خوشی کیسے ملے گی تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اسے اس کے بنیادی حق سے محروم کر رہے ہیں۔ ہر انسان کو خوش رہنے کا حق ہے۔ اور دنیا کی اکثر آبادی کا یہ ماننا ہے کہ مرنے

کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ہے۔ لہذا مرنے کے بعد بھی خوش رہنے کا حق ہے۔ اب یہ اس کا حق ہے کہ وہ جانے کہ مرنے کے بعد کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ پھر چاہے وہ اس کو قبول کرے یا نہ کرے۔

- محفوظ بچپنے کا حق: لہذا آپ کسی ایسے معاشرہ کو ترویج یا فروغ نہیں دے سکتے جہاں بچوں کا بچپنا چھن جائے اور جہاں بچے سنگل پیرنٹ پر ہی موقوف رہ جائیں۔ جہاں یہ نہ معلوم ہو کہ بچے کا باپ کون ہے۔
- حیا کا حق: لہذا آپ ایسے معاشرہ کو فروغ نہیں دے سکتے جہاں فحاشی ہو، جو بے لگام معاشرہ ہو۔ کیونکہ جب معاشرہ میں فحاشی عام ہو جائے گی تو وہاں سے اس حق حیا کو گویا کہ ختم کر دیا جائے گا۔
- اعلی ترین ہستی کے سامنے جھکنے کا حق: یہ بھی انسانی کا بنیادی حق ہے اور اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اس ہستی کے سامنے کس طرح جھکے۔
- امن اور عوامی نظم و نسق کے تحفظ کا حق: یہ بھی انسان کا بنیادی حق ہے اور کوئی بھی شخص یہ نہیں چاہتا ہے کہ معاشرہ میں کسی بھی طرح کی بدامنی ہو اور عوامی نظم و نسق کسی بھی طرح سے مجروح ہو۔

یہ ہمارے انسانی حقوق ہیں۔ اگر آپ ہمارے پیراڈائم پر مبنی ان حقوق کی خلاف ورزی کریں گے تو کیا آپ اسلامک انٹروینشن (Islamic Intervention) کے لئے تیار ہیں؟ اگر پوری دنیا میں کہیں بھی اقوام متحدہ کے متعین کردہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو پوری دنیا اس کے خلاف دوڑ پڑتی ہے۔ کیا آپ یہ حق دوسروں کو بھی دیں گے کہ وہ اپنے پیراڈائم کی بنیاد پر جس چیز کو انسانی حق سمجھتے ہیں اگر اس کی خلاف ورزی کہیں ہو تو وہاں وہ فوج کے ساتھ مداخلت کریں؟ کیا آپ Apostasy Low (سزاء ارتداد) کو قبول کریں گے؟ مسلم ممالک میں ارتداد کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟ اس لئے دی جاتی ہے کہ ارتداد کی وجہ سے امن اور عوامی نظم و نسق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو وہ معاشرے کے امن کو اور عوامی نظم و نسق کو ختم کر دیتا ہے، لوگوں کے اندر بے چینی پھیل جاتی ہے۔ تو جس طریقے سے آپ فرانس میں public order برداشت نہیں کر سکتے، آپ کینیڈا میں public order کی خلاف ورزی برداشت نہیں کر سکتے تو پھر کسی بھی مسلم ملک میں یہی صورت حال ہے کہ وہاں بھی public order کی خلاف ورزی برداشت نہیں کی جانی چاہیے۔ لہذا اگر کوئی آدمی public order کی خلاف روزی کر رہا ہے، امن کی خلاف ورزی کر رہا ہے خدا کا انکار کر کے یا مرتد بن کر تو حکومت کو یہ حق ہونا چاہیے کہ اس کو سزا دے۔ اسی کو کہتے ہیں Apostasy Low (سزاء ارتداد)۔ کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟

سامنے والا یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن آپ تو سیدھا بندے کو مار ہی دیتے ہو۔ آپ تو انسان کو سیدھا موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو۔ اگر Apostasy Low (سزاء ارتداد) بنانا ہی ہے تو پھر سزائے موت کا کیا مطلب؟

ہم جواب میں یہ کہیں گے: ٹھیک ہے؛ آپ پہلے اس پر تیار ہو جائیں کہ Apostasy Low (سزاء ارتداد) ہونا چاہیے۔ آپ تو Apostasy Low کی اخلاقیات پر سوال اٹھاتے ہیں، یہ بات تو بعد کی ہے کہ اس کو سزائے موت ہو، جیل ہو یا پھر کوئی اور سزا ہو۔ آپ پہلے اس کو اخلاقی طور پر مان لیجئے کہ ارتداد کی سزا ہونی چاہئے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ ہاں! Apostasy Low درست ہے۔ تو پھر ہی وضاحت کر دیں کہ کتنے سال ہونی چاہیے۔ ایک سال ہونی چاہیے یا دس سال ہونی چاہیے اور ساتھ میں یہ بھی بتائیں کہ اس سزا کا فائدہ یقینی ہے یا نہیں، کہ جب وہ بندہ باہر آئے گا تو عوامی نظم و نسق ساز گار ہو چکا ہو گا۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ کیا سزائے موت کا فائدہ یقینی ہے یا طویل المدت جیل کی سزا کا فائدہ یقینی ہے۔ اس کا تعلق Apostasy Low سے نہیں ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ اس کا بیان سیکولرزم کے تحت آئے گا، ان شاء اللہ

اسی طریقے سے ابدی نعمتوں کا حق (السعادة الأبدية) ہے، یعنی ساری دنیا کی آبادی کو ابدی سعادت کا حق حاصل ہے۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا اور آخرت میں خوشی کیسے ملے؟ لیکن اگر کوئی ملک مسلمانوں کو اپنی حدود میں دعوتی سرگرمیوں کا حق نہیں دے رہا ہے تو خلافت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس ملک کو سزا دے کہ تم اپنی عوام کو ابدی خوشی کے حصول سے نہیں روک سکتے، یہ ان کا بنیادی حق ہے۔ تم نے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا تم پر حملہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایک مسلم ریاست کو یہ حق دیا ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ-اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ(الأنفال-61) اگر کفار آپ سے امن کا معاہدہ کر رہے ہیں تو آپ بھی کر لیں۔ امن کے معاہدے میں کیا ہو گا؟ امن کے معاہدے میں آنا جانا ہو گا، آپ ان کے یہاں جائیں گے اور اپنی بات کہیں گے۔ یا پھر وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں، جب وہ آپ کے ماتحت آئیں گے تو ظاہر ہے کہ آپ کو مکمل حق ہو گا کہ آپ دعوتی سرگرمیاں کریں۔ لیکن نہ تو وہ امن کا معاہدہ کر رہے ہیں نہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں اور اپنی عوام کو اسلام قبول کرنے بھی نہیں دے رہے، تو پھر کیا ہو گا؟ پھر اسلامی حکومت کو حق ہو گا کہ وہ وہاں کی عوام کو آزادی دلانے کے لیے اس ملک کی حکومت کے اوپر حملہ کریں۔ اس کے بعد پھر عوام کو حق ہو گا کہ جب ان تک دین کی دعوت پہنچ گئی کہ وہ اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ لیکن دین کا ان تک پہنچنا ان کا بنیادی حق ہے۔ اسی لیے اسلام میں دفاعی جہاد کے ساتھ ساتھ اقدامی جہاد بھی ہے۔

توجو معیار اس وقت دنیا میں آپ دوسرے ملکوں کے ساتھ اختیار کیے ہوئے ہیں وہی معیار اگر اسلامی ممالک نے یا کسی زمانے میں خلافت راشدہ نے اختیار کیا تھا تو مسئلہ کیا ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے پیراڈائم کو ہی اصل سمجھا ہوا ہے۔ اگر آپ کو یہ حق ہے کہ آپ کا پیراڈائم درست ہے تو پھر ہمیں بھی حق ہے کہ ہم اپنے پیراڈائم کی بنیاد پر انسانی فطرت بیان کریں، انسانی فطرت کی بنیاد پر انسانی مفاد واضح کریں اور مفاد کی بنیاد پر انسانی حقوق بیان کریں۔ اور پھر جہاں جہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو وہاں سزائیں بھی دیں اور ضرورت پڑے تو Intervention بھی کریں۔ خلاصہ یہ کہ یہ مغرب کا ایک ڈھکوسلا ہے جو آزادی اور انسانی حقوق کے نام پر لبرلزم کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ تمام باتیں بالکل واضح انداز میں سامنے آچکی ہیں۔

عام طور سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی انسانی حقوق کی بات آتی ہے تو عام لوگ تو عالم لوگ، اچھے خاصے پڑھے لکھے علماء بھی یہ سوچتے ہیں کہ بات تو صحیح ہے کہ مغرب نے انسانی حقوق کی خوب ترویج واشاعت کی ہے۔ ہمارے یہاں مسلم معاشروں میں وہ انسانی حقوق نہیں ہیں۔ یہ بڑے پُر فریب نعرے ہیں اور لوگ ان پُر فریب نعروں کی وجہ سے دھوکے میں آجاتے ہیں اور خود اپنے نظام کے تعلق سے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عام لوگ اسی وجہ سے ہی مرتد ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ لبرل اور الحادی معاشرے نے انسانیت کی بات کی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ مرتد عام طور پر یہ کہے گا کہ میں انسانیت نواز ہوں، میں انسانیت کی بات کرتا ہوں اور مذہب انسانیت خلاف ہے۔ اس کا جواب اس سبق میں پوری تفصیل سے آچکا ہے (سیڑھی کی صورت میں)۔ اس سے آپ بہت آسانی کے ساتھ لبرل کو گھما سکتے ہیں۔ اور بات صرف اس کو گھمانے کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک اخلاقی دلیل ہے کہ کیسے آپ اپنی بات رکھیں گے اور سامنے والے کی بات کا جواب دیں گے۔ بس آپ کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ آپ کسی بھی طریقے سے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، یہ ضروری ہے۔ اور آپ احساس کمتری کا شکار اس وقت تک ہوتے رہیں گے جب تک آپ کو سامنے والے کے ہتھیار اور ان کی بنیادوں کا علم نہ ہو۔ لیکن اگر آپ کو معلوم ہو گیا کہ سامنے والا کہاں سے آرہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے، تو پھر آپ کبھی بھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے، ان شاء اللہ

The Incoherence of Atheists

تہافت الملاحدة

آٹھواں موضوع:

لبرلزم (Liberalism)

درس نمبر: 09

تاریخ: 24 دسمبر 2022

فاضل محاضر: ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب

ضبط و ترتیب: راشد امین القاسمی

تصحیح و نظر ثانی: محمد احمد نوروالا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ علیٰ سَیِّدِ الأَنبِیاءِ وَ المُرسَلِینَ وَعلیٰ آلِہٖ وَ صَحبِہٖ أَجمَعِینَ۔ أَمَّا بَعدُ!

آج کے درس میں لبرلزم کے تعلق سے تین باتیں ذکر کی جائیں گی۔ سب سے پہلی بات ایک دعوی ہے جس کا تجزیہ کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ وہ دعوی کہاں تک درست ہے۔ گزشتہ دو ہفتوں سے آزادی کے تعلق سے باتیں ذکر کی جارہی تھیں کہ لبرلزم کا مقصد زیادہ سے زیادہ آزادی کو فروغ اور ترویج دینا ہے۔ پھر ہم نے اس کا جائزہ لیا کہ اس آزادی کا کیا نتیجہ نکلا۔ کیونکہ ان کی آزادی اصولِ ضرر پر منحصر ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جتنی آزادی دی گئی، معاشرے کو اور انسانیت کو اتنا ہی نقصان پہنچا۔ اب ان کا دعوی دیکھتے ہیں۔ تمام لبرل سوسائٹیز، مغربی تہذیب اور سیکولر ممالک کا یہ دعوی ہے:

Liberal societies give religious freedom

"آزاد معاشرے میں مذہب کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔"

آپ جس مذہب پر چاہیں عمل کریں، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ یعنی آپ کو مغربی معاشروں میں اور لبرل ممالک میں تو مذہبی آزادی ملے گی لیکن غیر لبرل سوسائٹی میں آپ کو وہ مذہبی آزادی نہیں ملے گی۔ یہ دعوی ان کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور اس سے بہت سے وہ لوگ جو مذہب پسند ہوتے ہیں یا مذہب پر سختی سے عمل کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس جھانسے میں آجاتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی یہ بات بالکل درست ہے، اگر آج کی تاریخ میں کہیں مذہب کی آزادی ہے تو وہ صرف مغربی ممالک میں ہے، امریکہ و کینیڈا میں ہے اور سیکولر ممالک میں ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلم معاشروں کے اندر اس طرح کی آزادی نہیں دی جاتی؟ کیوں غیر مسلموں کو دبا کر رکھا جاتا ہے اور غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم کیا جاتا ہے؟ اور فوراً پاکستانی ہندوؤں کی مثال پیش کر دی جاتی ہے۔ میں اس چیز کا بالکل بھی دفاع نہیں کررہا ہوں کہ پاکستان میں ہندوؤں کے ساتھ کیا ہوتا ہے کیا نہیں ہوتا، کیونکہ میں زمینی حقیقت سے واقف نہیں ہوں۔ ہاں میڈیا پر بہت کچھ آتا ہے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ دعوی (لبرل سوسائٹیاں مذہب کی مکمل آزادی ہوتی ہیں) درست ہے یا یہ غلط پروپیگنڈا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک جھوٹا دعوی ہے۔ یہ تصویر دیکھیں، اس میں ایک باکس ہے۔ یہ باکس دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ ایک لبرل سوسائٹی میں رہتے ہوئے آپ اس باکس کے اندر بند ہیں۔ اور اس میں بند ہوتے ہوئے آپ کی مثال ایک مچھر جیسی ہے۔ اس مچھر کو مکمل آزادی ہے وہ چاہے اِدھر اُڑے چاہے اُدھر اڑے، چاہے اِس دیوار پر بیٹھے چاہے اُس دیوار پر بیٹھے۔ جب تک وہ اس باکس میں بند ہے کوئی اسے پوچھے یا روکنے والا نہیں ہے۔ لیکن وہ اس باکس سے جیسے ہی باہر نکلے گا اسے مار دیا جائے گا۔ مغربی معاشروں میں اور لبرل سوسائٹی میں ایک مذہب پسند کی مثال اسی مچھر یا مکھی جیسی ہے جسے ایک باکس میں بند کر دیا گیا ہو۔ اب اگر آپ کو یہ والی آزادی چاہئے تو پھر ٹھیک ہے آپ اسی آزادی سے لطف اندوز ہوتے رہئے۔

حقیقت میں لبرل سوسائٹی کے اندر انسان غلام ہوتا ہے، آزاد نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مغربی ممالک نے مشرقی ممالک کے اوپر حملہ نہیں کیا تھا یعنی استعماریت سے پہلے کے دور میں آپ دیکھیں گے مشرقی ممالک میں - چاہے وہ مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے ہوں - وہ اپنے مذہب کے مکمل قوانین کے اوپر عمل کرتے تھے۔ خواہ ان قوانین کا تعلق ان کی ذات سے ہو، ان کے معاشرے سے ہو، ان کے خاندان سے ہو، یا پوری قوم سے ہو یا پوری امت سے ہو، ان تمام قوانین کے اوپر عمل کرنے کی مکمل آزادی ان مشرقی معاشروں کو تھی۔ لیکن اس کے بعد استعماریت کا دور شروع ہوا اور آہستہ آہستہ مغرب نے مشرقی ممالک کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تو انہوں نے سب سے پہلے ان مذہبی قوانین کو ختم کیا جو قومی سطح پر تھے، اس کے بعد معاشرتی سطح کے قوانین کو ختم کیا۔ لیکن استعماریت کے دور میں کم از کم اتنی آزادی رہی کہ آپ فیملی کے مذہبی قوانین پر عمل کر سکتے ہیں۔ آپ اگر برطانوی دور کا انڈیا دیکھیں تو اس دور میں اس بات کی اجازت تھی کہ مسلمان اپنے مذہبی قوانین کے اوپر، اپنے پرسنل لاء کے اوپر عمل کر سکتے ہیں۔ وراثت، ہبہ، وقف، نکاح و طلاق، جائداد کی تقسیم وغیرہ سے متعلق جو اسلامی قوانین ہیں ان کو حکومت مانے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی سے پہلے 1937 شرعیہ ایپلیکیشن ایکٹ پاس ہوا اور اس ایکٹ کو انگریزوں نے پاس کیا۔ اس ایکٹ میں مسلمانوں کو باقاعدہ خاندانی سطح پر (جس کو پرسنل لاء کہتے ہیں) مذہبی قوانین پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی۔

لیکن پھر جب دنیا آزاد ہو گئی، جس کو ہم آزادی کہتے ہیں یعنی انگریز اپنے اپنے ممالک کو لوٹ گئے اور پیچھے اپنے تہذیبی اثرات چھوڑ گئے، تو پھر ایک Post Colonialism (مابعد الاستعمار) کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں آہستہ آہستہ مشرقی معاشروں میں بلکہ خود مغربی معاشروں میں بھی انسان کو خاندان کی سطح پر، فیملی کی سطح پر جو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی تھی وہ آزادی بھی چھین لی گئی۔ بلکہ بعض ممالک میں تو انفرادی سطح پر مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کو بھی چھین لیا گیا۔ اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مثال کے طور پر آج مغربی معاشروں سے مرد و عورت کی فطری صنفی تقسیم کو ختم کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ رہا کہ مرد خاندان کا سربراہ (Head of the Family) نہیں رہا۔ یہ ایک فطری تقسیم تھی جو معلوم انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے چلی آرہی تھی۔ آپ کو تاریخ انسانی میں یہی ملے گا کہ عام طور سے خاندان کا سربراہ مرد رہا ہے، چند استثناءات ہو سکتے ہیں، لیکن عام طور سے یہی بات ملے گی۔ لیکن اس فطری انسانی تقسیم کو لبرل معاشروں نے ختم کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں سربراہ کی آزادی ختم ہو گئی۔ مذہب بھی یہی کہتا ہے کہ مرد خاندان کا سربراہ ہے۔ لیکن اب مغربی معاشروں میں رہتے ہوئے مرد خاندان کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ کہنا کہ لبرل معاشرے میں مذہب کی مکمل آزادی ہوتی ہے یہ دعوی غلط ہو گیا اس لیے کہ خاندانی سطح پر مذہبی آزادی ختم ہو گئی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ والدین کا اپنے بچوں پر کنٹرول محدود ہو گیا۔ آپ اگرچہ ماں باپ ہیں اپنے بچوں کے اور ان کے اس دنیا میں آنے کا سبب آپ ہی ہیں، لیکن آپ کا کنٹرول اپنے بچوں کے اوپر نہایت محدود ہے۔ مغربی ممالک میں اور ان سے متاثر جتنے بھی ممالک ہیں بشمول انڈیا کے، یہ ضروری ہے کہ آپ کا بچہ اسکول کی تعلیم حاصل کرے۔ یہ قانون انڈیا میں بڑی تیزی سے بن رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ بچوں کا بنیادی حق ہے کہ وہ اسکول کی تعلیم حاصل کریں۔ اور اسکول میں نصاب وہ پڑھیں جو ہم تیار کر کے دیں۔ اب آپ یہ تصور کریں کہ آپ کا بچہ 12 سال تک ایک سیکولر، لبرل ماحول میں روزانہ جاتا ہے اور وہاں 8-7 گھنٹے گزارتا ہے، یہاں تک کہ وہ 12ویں پاس کرتا ہے۔ پھر چونکہ ابھی اس کو ملازمت نہیں ملتی بلکہ اس کو دنیا میں ترقی کرنے کے لیے ابھی کم سے کم 4 سال اور لگانے ہیں کالج اور یونیورسٹی میں۔ اب وہ یونیورسیٹی جائے گا اور مزید 4 سال لگائے گا اور اس ماحول میں بھی کم سے کم 9-8 گھنٹے روزانہ گزارے گا۔ تقریباً زندگی کے 16 سال آپ کے بچوں کے اس لبرل اور سیکولر ماحول میں گزرتے ہیں۔ یہ ان کی مجبوری ہے اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو اسکول نہیں بھیجیں گے تو قانوناً ان ممالک میں آپ کے اوپر کیس

ہو جائے گا۔ تو جب آپ کے بچے دن رات اس مغربی اور لبرل ماحول میں ہیں، 16 سال تک روزانہ 8 گھنٹے ہیں اور آپ ان بچوں کو اس ماحول سے نہیں نکال سکتے، الا یہ کہ آپ ان ممالک سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں لبرلزم کا نام و نشان نہ ہو، جو کہ آج کی تاریخ میں نہایت مشکل ہے۔ افغانستان میں حکومت نے سرکاری یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کی تعلیم کے اوپر پابندی لگائی اسکول کی تعلیم پر نہیں سرکاری یونیورسٹیوں کی تعلیم پر پابندی لگائی ہے، اور یہ پابندی وقتی ہے، لیکن آپ نے دیکھا ہو گا کہ پوری دنیا میں اس کے اوپر بہت زیادہ تنقیدیں کی جا رہی ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس پابندی کو یہ کہنا کہ اسلام لڑکیوں کی تعلیم سے روکتا ہے، غلط ہے۔ اسلام لڑکیوں کی تعلیم سے نہیں روکتا ہے۔ اور میڈیا کی اطلاعات کے مطابق شروع میں طالبان کی طرف سے یہی بات آئی کہ ہمارے یہاں اسلام میں تو لڑکیوں کی تعلیم ہی نہیں ہے، یہ مسئلہ ان کے یہاں بہت پرانا ہے۔ یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان کے دور میں افغانی علماء نے باقاعدہ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے نام ایک استفتاء بھیجا تھا کہ آپ لڑکیوں کی دنیوی تعلیم کے حوالے سے فتویٰ دیں اور اس فتوے میں باقاعدہ یہ کہا گیا کہ جو علمِ نافع ہے وہ لڑکیوں کو دینا چاہئے بشرطیہ کہ اختلاط نہ ہو اور اسلامی ماحول کے اندر وہ تعلیم دی جائے۔ لیکن ابھی یہ صورت حال سامنے آئی ہے کہ طالبان نے جو لڑکیوں کی تعلیم کے اوپر سرکاری یونیورسٹیوں میں وقتی پابندی لگائی ہے وہ اس لئے کہ ان کے پاس تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے رقم ہی نہیں ہے۔ رقم کہاں سے آئے گی جب مغربی ممالک اس کا پیسہ دبائے ہوئے بیٹھے ہیں؟ اور امریکہ کی طرف سے ہر ہفتے صرف 40 ملین ڈالر کابُل کو دیے جاتے ہیں ملک چلانے کے لئے۔ ایک ملک فقط 40 ملین ڈالر میں نہیں چلتا۔ چونکہ لاکھوں لوگوں کی تنخواہیں ہیں، اس کے علاوہ ہزار اخراجات ہیں۔ حالانکہ یہ افغانستان کا پیسہ ہے جسے امریکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہفتہ وار دے رہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کے پاس ایک روٹی کا ٹکڑا ہے اور سامنے دو بھوکے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ وہ روٹی کا ٹکڑا اس بھوکے کو دیں گے جس سے یہ توقع ہو کہ وہ دوسروں کے لے نفع کا سودا ثابت ہو گا، ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں کردار ادا کرے گا۔ اب چونکہ طالبان اس پوزیشن میں آگئے کہ یہ روٹی کا ٹکڑا جو ہماری طرف پھینکا جا رہا ہے اسے ہم اپنے لڑکوں کے اوپر لگائیں چونکہ ملک و ملت کی مادی تعمیر و ترقی میں ان کا کردار زیادہ اہم ہے بنسبت لڑکیوں کے، چونکہ لڑکیوں کا کردار خاندان کی تعمیر و ترقی میں زیادہ اہم ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس مشکل راستے کا انتخاب کیا۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں۔ اور اس راستے کا انتخاب وقتی طور پر ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ پوری دنیا مغربی ممالک کے اوپر تنقید نہیں کر رہی کہ تم ان کے پیسے کیوں نہیں جاری کرتے، تنقید ہو رہی تو افغانستان حکومت کے اوپر کہ انھوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر پابندی کیوں لگا دی۔ بلکہ میں آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ اگر وہاں سے یہ بیان آجائے کہ ہم لڑکیوں کی تعلیم مدرسہ میں کروا رہے ہیں اور ان سب کو عالمات بنوا رہے ہیں تو مغرب اس سے خوش نہیں ہو گا

بلکہ مغربی افکار سے متاثر افراد اس سے بہت تلملائیں گے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آپ تمام لڑکیوں کو دینی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان کو ڈاکٹر بنائیں ان کو انجینئر بنائیں۔ وہ اسی وقت خوش ہوں گے جب آپ ان کا نصاب لڑکیوں کو پڑھائیں تاکہ آگے چل کر افغانستان کی صورت حال وہی ہو جو اِس وقت ایران کی صورت حال ہے۔

یہ تو ان ممالک کا حال ہے جو اسلامی معاشرے ہیں، ان کے اوپر اس قدر کنٹرول ہے۔ آپ اگر مغربی معاشروں میں آجائیں تو آپ کا اپنے بچوں کے اوپر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ امریکہ میں صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کی ہوم اسکولنگ (Home schooling) کر سکتے ہیں یعنی آپ اپنے بچوں کو گھر میں پڑھا سکتے ہیں، لیکن نصاب انھی کا ہو گا۔ بس ماحول چونکہ آپ کے اپنے گھر کا ہو گا اس لیے کسی نہ کسی حد تک بچے محفوظ رہتے ہیں۔ جرمنی میں پہلے ہوم اسکولنگ کی اجازت تھی اب نہیں ہے اور یہ قانونا لازم کر دیا گیا ہے کہ بچوں کو سرکاری یا پرائیویٹ اسکولوں میں جہاں حکومت کا منظور کردہ نصاب ہے، وہاں آپ کو اپنے بچوں کو بھیجنا ہی پڑے گا۔ اگر آپ نہیں بھیجیں گے تو یہ قانونا جرم ہے۔ تو پھر مذہبی آزادی کہاں رہی؟ جب آپ نے بچوں کو مذہب سے باغی کر دیا تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ مذہبی آزادی میں یقین رکھتے ہیں۔

تیسری مثال: مغربی ریاستوں میں ٹرانس جینڈر (Transgender) اور ایل جی بی ٹی (LGBT) کے حق میں قوانین اس طریقے سے پاس کر دئے گئے ہیں کہ اگر آپ بحیثیت تاجر ان کے ساتھ ذرا سا بھی امتیازی سلوک کریں گے تو آپ کے خلاف مقدمہ ہو جائے گا۔ ابھی ایک کیس سامنے آیا، امریکہ کی ایک بیکری میں ایک ٹرانس جینڈر پہنچا اور اس نے ایک کیک کا آرڈر دیا اور کہا کہ کیک کے اوپر ریمبو (Rainbow) بنا دینا جو کہ ایل جی بی ٹی کی شناخت ہے۔ اس دکاندار نے کہا کہ میں یہ نہیں بنا سکتا کیونکہ میں اس چیز میں یقین ہی نہیں کرتا، یہ چیز میرے مذہب کے اعتبار سے غلط ہے لہذا میں اس قسم کا کوئی آرڈر نہیں لوں گا۔ اس ٹرانس جینڈر نے عدالت میں اس دکاندار کے خلاف کیس کر دیا، وہ کیس سپریم کورٹ تک پہنچا اور آخر میں اس بیکری والے کے خلاف فیصلہ آیا اور اس کے اوپر ایک بھاری جرمانہ عائد کیا گیا کہ کیسے اس نے ایک شخص کو اس کے عقیدے، خیالات اور احساسات کے خلاف جا کر اس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا۔ بھئی جب دکان میری ہے تو میری مرضی کہ میں آرڈر لوں یا نہ لوں لیکن حکومت یہاں پر بھی دخل اندازی کرتی ہے کہ میں ایسے آرڈر کو مسترد نہیں کر سکتا اور مجھے سامنے والے کے احساسات کا خیال رکھنا ہی پڑے گا۔ تو پھر مذہبی آزادی ہے کہاں؟ بلکہ یہاں پر تو انفرادی آزادی بھی ختم ہو گئی۔

چوتھی مثال: یہ مثال بھی ٹرانسجینڈر کے حوالے سے ہے کہ آگے چل کر مغربی معاشروں میں اس بات کا امکان ہے بلکہ یورپ میں یہ ہو بھی چکا ہے کہ مذہبی ادارے مثلا مساجد، چرچ اور سینیگاگ میں بھی کسی ایل جی بی ٹی کے خلاف امتیازی سلوک نہیں کر سکتے۔ مثلا یہ ممکن ہے کہ کل کسی مسجد میں دو مرد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آئیں اور امام صاحب سے کہیں کہ ہمارا نکاح پڑھا دیجئے۔ اور امام صاحب کہیں کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا کیونکہ یہ نکاح تو کبھی ہو گا ہی نہیں۔ اب یہ دونوں مرد عدالت چلے جائیں اور اس امام کے خلاف کیس ہو جائے اور اس بات کا امکان ہے کہ امام کو عدالت میں گھسیٹا جائے اور ممکن ہے کہ ان پر مالی جرمانہ بھی لگادیا جائے۔ یہ ساری چیزیں اس وقت چل رہی ہیں۔ ایک امام یا ایک سوسائٹی، ایک اسلامی معاشرہ ان لبرل معاشروں میں رہ کر کبھی بھی آزاد نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ نہ جانے کس مذہبی آزادی کی بات کرتے ہیں۔

پانچویں مثال: اس وقت مغربی ممالک میں خصوصا یورپ میں حلال کے خلاف کیمپین (Campaign) چل رہی ہے اور اس کیمپین سے متاثر ہو کر انڈیا میں بھی کرناٹک میں حلال ذبیحہ کے خلاف اور اس پر پابندی لگانے کے حوالے سے کیمپین چل رہی ہے۔ کہا یہ جارہا ہے کہ یہ جانوروں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہے، یہ ان کے اوپر ظلم ہے کہ ان کو اس طریقہ سے ذبح کیا جائے۔ تو ایک مذہبی معاشرہ جو صرف حلال گوشت کھا سکتا ہے اور گوشت کو حلال کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے، آپ اس کو اس کے مذہب کے اوپر عمل کرنے سے روک رہے ہیں۔ تو پھر مذہبی آزادی ہے کہاں؟ اسی طریقہ سے آپ کسی بھی مغربی ملک میں چلے جائیں، تعدد ازواج کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ آپ کا مذہب تعدد ازاواج کی اجازت دیتا ہے۔ باوجود یہ کہ چاروں عورتیں آپ سے نکاح کرنے کے لئے راضی ہیں، اس کے باوجود مغربی معاشرہ آپ کو اس شادی کی اجازت نہیں دے گا۔ آپ اگر یہ کہیں کہ میں تو اپنے مذہب پر عمل کر رہا ہوں تو جواب ملے گا کہ آپ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مغربی معاشروں میں جس طرح سے مرد اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، عورت بھی اپنے مرد کو طلاق دے سکتی ہے۔ ایک آدمی یہ کہنے لگے کہ اس طلاق کو تو میں مانتا ہی نہیں چونکہ میرا مذہب اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ تو وہ لبرل سوسائٹی آپ سے کہے گی کہ آپ اپنا مذہب اپنے پاس رکھیں۔ ہمارا قانون یہ کہتا ہے کہ ایک عورت بھی اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے۔ ہم آپ کے مذہب کو نہیں پہچانتے۔

یہاں تک کہ انفرادی سطح پر بھی آپ اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے بعض ممالک میں آزاد نہیں ہیں۔ چین ایک الٹرا لبرل اتھیسٹ سوسائٹی ہے، شمالی کوریا بھی ایک اتھیسٹ اور لبرل سوسائٹی ہے۔ لبرلزم کی کئی قسمیں ہیں، جن میں ایک قسم وہ بھی ہے جو آپ کو چین اور شمالی کوریا میں نظر آتی ہے۔ چین میں دیگر مسلمانوں کو انفرادی سطح پر بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں

ہے۔ نہ تو وہ داڑھی رکھ سکتے ہیں، نہ مسجدوں میں جا کر نماز ادا کر سکتے ہیں، رمضان المبارک کے روزے رکھنے پر پابندی ہے، حج کے لئے جانے پر پابندی ہے، ان کی خواتین کو **concentration** (حراستی) کیمپ میں رکھ کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ زنا میں ملوث ہوں، ان کو خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ سارے کام ان کو سیکولرائز (**Secularize**) کرنے کے لئے ہو رہے ہیں کہ وہ انفرادی سطح پر بھی اپنے مذہب کے اوپر عمل نہ کر سکیں۔ یہ ملحدین جو مغربی ممالک میں بیٹھ کر اپنے آپ کو روشن خیال کہتے ہیں، یہ روشن خیالی کیسی ہے؟ اگر یہ لوگ چائنا کی مخالفت کرتے بھی ہیں تو اس لیے نہیں کرتے کہ چائنہ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ایک **business rivalry** (تجارتی رسہ کشی) ہے۔ چین سوپر پاور بننا چاہتا ہے اور امریکہ اس کو سوپر پاور بننے دینا نہیں چاہتا۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہو اور چین یہ کہہ دے کہ ہم امریکہ کے ساتھ ہیں، امریکہ ہمارا مائی باپ ہے، ہمیں سوپر پاور بننا ہی نہیں ہے۔ تو پھر آپ دیکھیں کہ گے کس طریقے سے سب کا سُر ایک ہوتا ہے۔ آج اگر مغربی ممالک میں اور خاص طور پر امریکہ میں آپ کو چین کے خلاف کچھ آوازیں اٹھتی ہوئی نظر آ رہی ہیں تو اس میں بھی مغرب کا اپنا مفاد ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ مغرب کو مسلمانوں پر ظلم و ستم سے تکلیف ہو رہی ہے۔

جب آپ کو ان الحادی معاشروں میں نہ تو خاندان کی سطح پر اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے اور بعض الحادی معاشروں میں انفرادی سطح پر بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی نہیں ہے تو پھر کس مذہبی آزادی کی آپ بات کرتے ہیں؟ ہم اگر چین اور شمالی کوریا کو ایک طرف رکھ دیں اور صرف مغربی معاشروں میں امریکہ و یورپ میں آجائیں تو یہاں پر آپ بھی صرف اتنے حد تک مسلمان ہیں کہ نماز پڑھ لیں، روزہ رکھ لیں، زکات دیدیں، حج کر لیں، لیکن جیسے ہی آپ خاندانی سطح پر مذہب کو نافذ کرنا چاہیں گے یا اس سے بڑھ کر معاشرتی سطح پر مذہب کو لاگو کرنا چاہیں گے تو ملک کا قانون آپ کے خلاف حرکت میں آجائے گا۔ اور اگر آپ امت کی سطح پر مذہب کو لاگو کرنا چاہیں گے تو فوراً آپ کو دہشت گرد قرار دے دیا جائے گا۔ امت کی سطح پر اسلام کو لوگو کرنے کا تو سوچیے بھی مت، فوراً دہشت گردی کا لیبل لگ جائے گا۔ تو پھر مذہبی آزادی کس چڑیا کا نام ہے؟ یہ ان کا ایک بے بنیاد دعوی ہے جس سے بہت سے مسلمان متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ زمینی سطح پر دیکھتے ہیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ دعوی محض دعوی ہے، جو اندر سے ڈھکوسلا ہے، پروپگینڈا ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ان کے دعوے سے متعلق بات مکمل ہو گئی۔ اب آج کے سبق کی دو باتیں رہ گئی ہیں۔

Utilitarianism

ماقبل میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ لبرلزم کے چار اصول ہیں۔ دو اصول ہم پڑھ چکے ہیں (1) گولڈن رول (Golden Rule) (2) اصول ضرر (The Harm Principle)۔ تیسرا اصول ہے یوٹیلی ٹیریزم (Utilitarianism)۔ اس کے بعد چوتھا اصول ہے ہیڈونیزم (Hedonism)، اس کو آپ یوٹیلی ٹیرنزم کی شاخ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یوٹیلی ٹیریزم (Utilitarianism) لبرلزم کی تیسری بنیاد ہے۔ یوٹیلی ٹیریزم لفظ یوٹیلٹی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "نفع، منفعت"۔ یعنی جس چیز میں زیادہ نفع ہے وہ کام کرو، اسی چیز کو اختیار کرنا چاہیئے، وہی اخلاقی عمل ہے۔ اسی کو یوٹیلی ٹیریزم کہتے ہیں۔ اخلاقیات کے تعلق سے جو سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ کونسی چیز اخلاقی ہے اور کونسی چیز غیر اخلاقی ہے؟ اور جب لوگ مغربی ولبرل معاشروں سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک خیر اور شر کا پیمانہ کیا ہے؟ تو وہ لوگ کبھی تو گولڈن رول کو پیش کرتے ہیں، کبھی اصولِ ضرر کو پیش کرتے ہیں اور کبھی یوٹیلی ٹیریزم کو سامنے لے کر آئیں گے۔ یہ ساری چیزیں آپس میں مربوط بھی ہیں اور بعض مرتبہ کسی ایک نظریہ پر عمل کرتے ہیں تو دوسرے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں توازن کا فقدان ہے۔ اس یوٹیلی ٹیریزم کو اردو میں "نظریہ منفعت" کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرق اس طور پر سمجھیں کہ The Harm Principle نظریہ ضرر ہے اور یوٹیلی ٹیریزم نظریہ منفعت ہے۔ یعنی یوٹیلی ٹیریزم کا زیادہ زور نفع کے اوپر ہے کہ جو چیز زیادہ نفع بخش ہے وہی چیز باعث خیر ہے۔ جبکہ The Harm Principle کا زیادہ زور ضرر کے اوپر ہے کہ جو چیز باعث ضرر ہے وہ چیز باعث شر بھی ہے۔ جس چیز سے ضرر نکلتا ہے وہ چیز بری ہے، لہذا اس چیز پر کنٹرول کیا جائے، اسے ختم کیا جائے گا۔ اور یوٹیلی ٹیرزم کا مطلب ہے کہ جو چیز نفع دیتی ہے وہی چیز خیر ہے اور جو چیز تکلیف پہنچائے وہ شر ہے۔ گویا کہ دونوں ایک ہی سکہ کے دورُخ ہیں۔ کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے اس لیے اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ ذیل میں مندرج تمام معلومات انٹرنیٹ انسائیکلوپیڈیا آف فلوسفی سے لی گئی ہیں جس کا لنک بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

Utilitarians believe that the purpose of morality is to make life better by increasing the amount of good things in the world and decreasing the amount of bad things. They reject moral codes or systems that consist of commands or taboos that are based on customs, traditions, or orders given by leaders or supernatural beings.

The most important classical utilitarians are Jeremy Bentham (1748-1832) and John Stuart Mill (1806-1873).

https://iep.utm.edu/util-a-r/#

افادیت پسند یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اخلاقیات کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو بہتر بنایا جائے (کس طرح اچھا بنایا جائے؟) اچھی چیزوں کو بڑھاوادے کر اور بری چیزوں کو معاشرے سے ختم کر کے۔ وہ ایسے اخلاقی ضابطوں یا نظاموں کو مسترد کرتے ہیں جو روایات، کلچر، ثقافت یا مذہب کے اوپر مبنی ہیں، ان تمام اخلاقی نظاموں کو منفعیین مسترد کرتے ہیں۔

کلاسیکی افادیت پسندوں میں سب سے اہم دو افراد ہیں، ایک کا نام ہے جیرمی بینتھم (1748-1832) اور دوسرے کا نام ہے جان اسٹورٹ مل (1806-1873)۔ (اس نے **The Harm Principle** دیا ہے)

منعیین کے نزدیک ایسا کوئی نظام جو کسی مذہب کے اوپر مبنی ہو اور ایسا کوئی نظام کہ جس میں حکم دیا گیا ہو کہ یہ کام کرنا ہے یہ نہیں کرنا، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، وہ نظام غلط ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس سوسائٹی میں اور اس سوسائٹی سے متاثر مسلمانوں میں حرام و حلال کے نام سے اس قدر چڑ ہے کہ جیسے ہی آپ یہ کہیں گے کہ یہ چیز حرام ہے تو سامنے والا فوراً چڑ جائے گا کہ تم تو حرام و حلال سے آگے نکلتے ہیں نہیں ہو۔ مجھے کوئی بیچ کا راستہ بتاؤ، یہ کیا ضروری ہے کہ ہر چیز کو حرام اور حلال کے پیمانہ پر رکھا جائے۔ یہ وہی یوٹیلی ٹیرنزم ہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاریؒ نے ایک کتاب لکھی ہے "اخلاق اور فلسہ اخلاق"۔ اس میں انھوں نے تفصیل سے یوٹیلی ٹیریزم پر گفتگو کی ہے اور ہیڈونیزم کے اوپر بھی گفتگو کی ہے۔ اچھی خاصی فلسفیانہ گفتگو ہے۔ یہ کتاب انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے اگرچہ وہ اچھی شکل وصورت کے ساتھ موجود نہیں ہے بلکہ اس کو پڑھنے کے لئے اچھی خاصی محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن انھوں نے جس زمانہ میں یہ کتاب لکھی ہے اس دور کی جو صورت حال تھی وہ آج کی صورت حال سے مختلف ہے۔ فلسفیانہ انداز میں کتاب لکھی ہے، مفید کتاب ہے۔ اور مجھے حیرت ہے کہ جو مصادر و مراجع انہوں نے اپنی کتاب میں استعمال کیے ہیں، اس دور میں ان کتابوں تک ان کی رسائی کیسے ہوئی ہوگی۔ آج کے دور میں انٹرنیٹ ہے، زبان کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، تمام کتابیں انٹرنیٹ پر جود ہیں، لیکن اس دور میں ان کتابوں تک ان کی رسائی کیونکر ہوئی اور کیسے وہ ان کتابوں کو سمجھے، یہ ایک بڑا علمی کارنامہ ہے۔ لیکن بعض مرتبہ علمی کارنامے بڑے خشک ہو جاتے ہیں اور اپنی خشکی کی وجہ سے شہرت حاصل نہیں کر پاتے، کچھ ایسا ہی حال اس کتاب کا بھی ہوا۔ خیر! انھوں نے یوٹیلی ٹیریز کا ترجمہ منفعیین سے کیا ہے۔

بہر حال یوٹیلی ٹیریزم کی بنیاد یہ ہے کہ اچھائی کو بڑھاوادیا جائے اور برائی کو ختم کیا جائے۔ بظاہر بہت اچھی بات ہے۔ بعض لوگ فوراً کہنے لگتے ہیں کہ اسلام بھی تو یہی کہتا ہے، اسلام بھی یوٹیلی ٹیرن ہے۔ ہماراسوال یہ ہوتا ہے کہ اچھائی ہے کیا؟ آپ پہلے اچھائی اور برائی کی تعریف تو کریں کہ کون سی چیز اچھائی ہے اور کونسی چیز برائی ہے؟ جب یہ سوال کیا جاتا ہے تو جواب آتا ہے کہ تم خود ہی طے کر لینا کہ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے۔ یہ تمہاری مرضی کے اوپر ہے۔ تو پھر معاشرہ میں عدم توازن ہو گا، معاشرے میں ظلم بڑھے گا، معاشرہ میں خیانت بڑھے گی اور وہ ساری برائیاں ہوں گی جو انسانیت کے خلاف ہے۔ چونکہ آپ نے انسان کو یہ نہیں بتایا کہ اچھائی کیاہے اور برائی کیاہے؟

جبکہ مذہب آپ کو بتادیتا ہے کہ یہ اچھائی ہے اور یہ برائی ہے۔ اب آپ اس اچھائی کو بڑھائیں اور برائی کو ختم کریں۔ آپ اچھائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ ”تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“۔ اگر آپ یوٹیلی ٹیریزم سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ خدا نے ہمیں اچھائی اور برائی کی تمیز بتادی ہے اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اچھائی کو بڑھائیں اور برائی کو ختم کریں تو ہم ایسے یوٹیلی ٹیریزم کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ یوٹیلی ٹیریزم ہے ہی نہیں۔ یہ ایک بنیادی اور بڑا فرق ہے جس میں لوگ اکثر دھوکہ کھاجاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے اچھائی کیاہے؟ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ یہ چیز اچھی ہے اور یہ چیز بری ہے؟ جیرمی بینتھم سے جب یہ سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا:

What is Good?

Jeremy Bentham answered this question by adopting the view called hedonism. According to hedonism, the only thing that is good in itself is pleasure (or happiness).

جیرمی بینتھم نے اس سوال کا جواب دیا کہ ہم اچھائی کو **Hedonism** (فلسفہ لذت) کی بنیاد پر جان سکتے ہیں۔ ہیڈونیزم کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بذات خود سر سے پیر تک اچھی ہے، وہ ہے لذت یا خوشی۔ جس چیز سے آپ کو لذت مل رہی ہے وہ اچھی ہے اور جس چیز سے آپ کو درد مل رہاہے وہ بری ہے۔

یعنی یوٹیلی ٹیر نزم کا مطلب ہے کہ ہم اچھائی کو بڑھائیں اور اچھائی وہ ہے جو آپ کو لذت دے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس کے اوپر یوٹیلی ٹیریزم کی پوری عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

چلیں ٹھیک ہے؛ اچھائی سے مراد وہ عمل جو آپ کو لذت دے، سوال یہ ہے کہ کس کو لذت دے؟ اچھائی کے لئے یہ لوگ ایک لفظ استعمال کرتے ہیں (Well–Being) یعنی اچھائی وہ ہے جو آپ کے لیے بہتر ہو۔ اور کیسے پتہ چلے کہ یہ میرے لیے بہتر ہے؟ آپ کو لذت مل رہی ہے تو بہتر ہے۔ اگر آپ کو لذت نہیں مل رہی درد مل رہاہے تو بہتر نہیں ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کس کی بہتری، فرد کی بہتری یا جماعت کی بہتری؟ یوٹیلی ٹیرین کہتے ہیں کہ فرد کی بہتری بھی ہو سکتی ہے اور جماعت کی بہتری بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کن حالات اور کس ماحول سے دوچار ہیں۔ دونوں کی کچھ وضاحت دیکھ لیتے ہیں۔

<u>Individual Self-interest</u>: یعنی آپ اگر تنہا ہیں اور آپ کے سامنے دو کام ہیں اور ان میں ایک کا انتخاب کرنا ہے کہ کون سا کام اخلاقی اعتبار سے زیادہ مناسب ہے تو آپ بس یہ دیکھیں کہ کون سا کام آپ کے لئے زیادہ باعث لذت ہے۔ جو زیادہ باعث لذت ہو اسے اختیار کر لیجئے اور جو کم باعث لذت ہے اسے چھوڑ دیجئے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں یہ لوگ۔ مثلا آپ آئسکریم کی دکان پر گئے، آپ کے سامنے دو فلیورز ہیں، ایک چاکلیٹ اور دوسرا ونیلا، آپ کو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہے، آپ کو پسند تو دونوں ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مجھے چاکلیٹ سے زیادہ ونیلا میں مزہ آتا ہے، لہذا میں ونیلا اختیار کروں گا۔ یہ ایک Individual Self–interest ہے۔ اب آپ ایک یوٹیلی ٹیرین ہیں چونکہ آپ نے لذت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا کہ مجھے ونیلا آئسکریم کھانی چاہیے نہ کہ چاکلیٹ آئسکریم۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے، اسی مثال کو آپ معاشرے پر نافذ کر دیں، اسی مثال کو آپ قانون پر نافذ کر دیں، جس کی مثال آگے آ رہی ہے۔

<u>Group Interest</u>: گروپ یعنی جماعت۔ وہ جماعت ایک تنظیم کے تحت بھی ہو سکتی ہے، وہ جماعت ایک معاشرہ بھی ہو سکتا ہے، وہ جماعت ایک پورے ملک کی قوم بھی ہو سکتی ہے۔ یوٹیلی ٹیرین یہ کہتے ہیں کہ ملک کے قوانین اور پالیسیاں اسی بنیاد پر بننی چاہئے کہ پورے ملک کی عوام کے لئے کون سی چیز باعث لذت اور باعث نفع ہے اور کون سی چیز نہیں ہے۔ لہذا جو چیز پوری عوام کے لئے باعث لذت ہو وہ اخلاقی عمل ہے اور جو چیز باعث لذت نہ ہو وہ غیر اخلاقی عمل ہے۔

یوٹیلی ٹیرین ساتھ میں ایک یہ شرط بھی لگاتے ہیں:

The utilitarian method requires you to count everyone's interests equally.

ان کے یہاں جب جماعت کی لذت کی بات آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ قوانین اور پالیسی بناتے ہوئے ہر ایک فرد کے مفادات کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ مثلا آپ کے پاس دس لوگوں کی ایک جماعت ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سارے لوگ آئسکریم کھائیں۔

سامنے دو قسم (چاکلیٹ اور ونیلا) کی آئسکریم موجود ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ سارے لوگ ایک ہی طرح کی آئسکریم کھائیں گے۔ یا تو سارے ونیلا کھائیں گے یا سارے چاکلیٹ کھائیں گے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ان دس میں سے تین لوگ بشمول آپ کے ونیلا کھانا چاہ رہے ہیں، جبکہ بقیہ سات لوگ چاکلیٹ کھانا چاہتے ہیں۔ اور لذت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کہ اگر آپ ونیلا کے بجائے چاکلیٹ کھا لیں گے تو مزہ نہیں آئے گا، مزہ دونوں میں آئے گا، لیکن خواہش دوسری چیز کی ہو رہی ہے۔ تو سات لوگ چاکلیٹ کے حق میں ہیں اور تین لوگ بشمول آپ کے ونیلا کے حق میں ہیں۔ چونکہ آئسکریم آپ کو خریدنی ہے اور ہر ایک فرد کے مفاد کو مساوی طور پر دیکھنا ہے تو آپ کے لئے اخلاقی اعتبار سے درست عمل یہ ہوگا کہ آپ چاکلیٹ آئسکریم خریدیں، کیونکہ سات لوگ چاکلیٹ کے حق میں ہیں۔ یہ ہے یوٹیلی ٹیریزم۔ جیرمی بینتھم نے اس مثال کی روشنی میں یہ کہا:

"The greatest happiness for the greatest number."

جتنا بڑا عدد ہوگا اتنی ہی زیادہ خوشی ہوگی۔ چونکہ آپ سات لوگوں کی خوشی کو سامنے رکھ رہے ہیں اور تین لوگوں کی خوشی کو آپ نے نظر انداز کر دیا، لذت انہیں بھی ملنی ہے۔ اسی کو ہم جمہوریت بھی کہتے ہیں۔ یہ اجتماعی سطح پر یوٹیلی ٹیریزم کی مثال ہے۔ تو منفعت کی بنیاد پر یہ طے ہوگا کہ کونسی چیز اخلاقی ہے اور کون سی چیز غیر اخلاقی۔

Criticism

1. **The "Wrong Answers" Objection**
   - A judge can prevent riots that will cause many deaths only by convicting an innocent person of a crime and imposing a severe punishment on that person.
   - A doctor can save five people from death by killing one healthy person and using that person's organs for life-saving transplants.
   - A person makes a promise but breaking the promise is moral if it causes well being.

پہلی تنقید

اب یہاں وہ تنقیدیں ذکر کی جاتی ہیں جو اس نظریہ (یوٹیلی ٹیریزم) پر ہوئی ہیں۔

ا۔ یوٹیلی ٹیریزم اخلاقیات سے متعلق سوالوں کے غلط جواب دیتا ہے۔

یعنی ایسے بہت سے کام اخلاقی ہیں جو درحقیقت غیر اخلاقی ہیں۔ جن کو ایک مہذب معاشرہ قبول ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ اسے یوٹیلی ٹیریزم کے پیمانہ پر دیکھیں گے تو وہ کام اخلاقی نظر آئیں گے۔ اس کی تین مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: تصور کریں کہ آپ ایک جج ہیں اور سوسائٹی میں کسی شخص کا قتل ہو گیا جو کہ بہت ہی معزز اور محترم تھا، اس کی وجہ سے سوسائٹی میں فسادات برپا ہو رہے ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ قاتل نہیں مل رہا ہے۔ پھر ایک شخص کو پکڑ کر لایا جاتا ہے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، لیکن آپ یہ سوچتے ہیں کہ اگر میں نے اسے مجرم قرار دے کر سزائے موت دے دی تو فسادات روکے جا سکتے ہیں۔ چونکہ فسادیوں کا یہی مطالبہ ہے کہ قاتل کو تلاش کیا جائے۔ تو اگر ایک ایسے شخص کو مجرم قرار دیتے ہیں جو کہ معصوم ہے اور اسے سزائے موت دے دیتے ہیں جس کا وہ مستحق بھی نہیں ہے، لیکن اس سے greatest happiness آ رہی ہے یعنی پورا معاشرہ اس سے خوش ہو جائے گا۔ تو اب اگر ہم یوٹیلی ٹیریزم کے اس اصول کو نافذ کریں تو جج کا یہ عمل اخلاقی عمل کہلائے گا، جبکہ دنیا کا کوئی بھی منصف انسان اس کو اخلاقی عمل نہیں کہہ سکتا۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ سامنے والا معصوم ہے، جب آپ کو پتہ ہے اس کو سزا دینا قانون کی خلاف ورزی ہے، تو آپ ایسی جگہ بیٹھ کر جہاں سے یہ توقع کی جا رہی ہے کہ آپ انصاف نافذ کریں گے، ایسا فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں؟

دوسری مثال: فرض کریں کہ آپ ایک ڈاکٹر ہیں اور آپ کے سامنے چھ لوگ موجود ہیں جن میں سے پانچ کو اپنی جان بچانے کے لئے اعضاء کی پیوندکاری (Organ Transplant) کی ضرورت ہے۔ کسی کو دل چاہئے، کسی کو گردہ چاہیے اور کسی کو کچھ اور۔ آپ کے سامنے موجود لوگوں میں سے ایک شخص بالکل صحت مند ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہیں کہ اس ایک تندرست شخص کو قتل کر دیتا ہوں اور اس کے اعضاء ان پانچ ضرورت مند لوگوں میں لگا دیتا ہوں جس سے ان پانچوں کی زندگی بچ جائے گی۔ کیونکہ ایک شخص کی خوشی پانچ لوگوں کی خوشی پر قربان۔ اب اگر آپ یوٹیلی ٹیریزم کے اصول greatest happiness for the greatest number پر عمل کریں گے تو یہ ایک اخلاقی عمل ہوگا۔ حالانکہ دنیا کا کوئی بھی شخص اس کو اخلاقی عمل نہیں کہہ سکتا۔

تیسری مثال:		آپ ایک شخص سے وعدہ کرتے ہیں اور وعدہ کرنے کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ اگر میں وعدہ توڑ دوں تو اس میں زیادہ نفع ہے اور اس بنیاد پر آپ وعدہ توڑ دیں، چونکہ آپ کو نفع زیادہ مل رہا ہے۔ تو یوٹیلی ٹیریزم کے اصول کے مطابق یہ ایک اخلاقی عمل ہو گا، وعدہ توڑنا ایک اخلاقی عمل ہو گا۔ جبکہ پوری دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے وعدہ پورا کرنا ہی اخلاقی عمل ہے۔

تینوں مثالوں سے یہ ثابت ہوا کہ جو چیز اصل میں غیر اخلاقی ہے یوٹیلی ٹیریزم کے اصول کے مطابق وہ چیز اخلاقی بن جاتی ہے۔ یہ اس کے اوپر سب سے بڑی تنقید ہے۔

دوسری تنقید

2- Rigidity is the basis for trust between people. In a utilitarian society, we could not believe what others say, and could not rely on them to keep promises.

۲۔		ان کا ماننا یہ ہے کہ ہم یوٹیلی ٹیرین اس لئے ہیں چونکہ ہم مذہب اور معاشروں کے سخت قوانین مثلا حلال و حرام، جائز و ناجائز کے اس تصلب (**Rigidity**) اور سختی کو نہیں مانتے۔ یہ چیز کسی انسان یا معاشرے کو طے کرنی چاہیے کہ کون سی چیز نفع بخش ہے اور کون سی چیز نفع بخش نہیں ہے۔ مذہب کون ہوتا ہے یہ طے کرنے والا یا رسم ورواج کی کیا حیثیت ہے؟ رسم ورواج تو بدلتے رہتے ہیں۔

اس کے جواب میں یوٹیلی ٹیریز کو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سختی اور صلابت ہی دراصل اعتماد کی بنیاد ہے۔ اگر یہ سختی اور صلابت ختم ہو جائے تو لوگوں کا اعتماد ختم ہو جائے۔ وہ اس طریقے سے کہ ایک یوٹیلی ٹیرین معاشرے میں آپ کبھی بھی پہچان ہی نہیں سکیں گے کہ سامنے والا سچ یا جھوٹ بول رہا ہے۔ کیونکہ سامنے والا تو وہ بات کرے گا جو اس کے لئے باعث نفع ہو۔ اب وہ آپ سے جھوٹ بولے یا سچ بولے، آپ کو پتہ نہیں چل پائے گا۔ اور نہ ہی یہ پتہ چل پائے گا کہ سامنے والا آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گا یا نہیں کرے گا۔ چونکہ وعدہ اس صورت میں وہ پورا کرے گا جب وہ عمل اس کے لئے باعث نفع ہو، اگر اس کے لئے باعث نفع نہیں ہے تو وہ وعدہ پورا نہیں کرے گا۔ اس طرح آپ کبھی کسی کے وعدے کے اوپر یقین نہیں کر پائیں گے اور کبھی کسی کے کہے پر اعتماد نہیں کر

پائیں گے، اگر آپ ایک یوٹیلی ٹیرین سوسائٹی میں رہتے ہیں۔ بہر حال یوٹیلی ٹیریزم جو لبرلزم کی بنیاد ہے، اس کی حقیقت اور اس کی خرابیاں آپ کے سامنے ہیں، کہ کس قدر شدت کے ساتھ یہ مسائل سامنے آتے ہیں۔

تیسری تنقید

3- Impartiality is impossible.

In a utilitarian society, whenever people want to buy something for themselves or for a friend or family member, they must first determine whether they could create more well-being by donating their money to help unknown strangers who are seriously ill or impoverished.

۳۔ غیر جانبداری ناممکن ہے۔

یوٹیلی ٹیرین کا ایک اصول ہے کہ آپ کو بہر صورت غیر جانبدار ہونا پڑے گا۔ ابھی آئسکریم کی مثال آئی تھی کہ اگرچہ آپ کو ونیلا پسند ہے لیکن پھر بھی آپ چاکلیٹ کھایئے چونکہ سات لوگ چاکلیٹ کھانا چاہ رہے ہیں۔ اگرچہ آپ خود ہی فیصلہ لینے والے ہیں لیکن آپ اکثریت کے مزاج کو سامنے رکھ کر فیصلہ لیں۔ کیونکہ آپ کو **Impartial** (غیر جانبدار) ہونا چاہیے۔ جمہوری اور لبرل حکومتیں اسی طرح چلتی ہیں۔

لبرل حکومتوں میں قوانین بھی اسی طرح سے بنتے ہیں۔ مثلاً امریکی صدر نے کوئی قانون بنایا، کوئی بل پاس کیا، وہ بل کانگریس (پارلیمنٹ) میں جائے گا یعنی ایوان نمائندگان **(House of Representative)** میں، اس کے بعد سینٹ **(Senate)** میں جائے گا اور جب ان دونوں جگہوں سے پاس ہو جائے گا تو وہ قانون بن جاتا ہے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ ایوان نمائندگان میں اس پارٹی کی اکثریت ہوتی ہے جس پارٹی کا صدر ہے۔ لیکن سینٹ میں کبھی کبھی معاملہ بالکل الٹا ہوتا ہے، اور کبھی اپنے حق میں بھی ہوتا ہے۔ اب بحیثیت صدر آپ نے ایک بل پاس کیا، آپ چاہتے ہیں کہ یہ قانون بن جائے۔ اب وہ بل ایوان نمائندگان میں گیا اور وہاں مسترد ہو گیا، اگرچہ آپ ہی کی پارٹی کی اکثریت ہے۔ لیکن امریکہ میں ایسا ہو جاتا ہے کہ کئی بار پارٹی کے ممبران ہی اپنے صدر کے خلاف چلے جاتے ہیں۔ بہر حال آپ کی بات کانگریس میں نہیں مانی گئی، تو کیا پھر بھی آپ قانون بنائیں گے؟ نہیں! آپ قانون نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اکثریت کی رائے اس بل کے خلاف ہے۔

اسی طرح سے انڈیا کی مثال لے لیں کہ حکومت کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک بل لایا جاتا ہے اور چونکہ پارلیمنٹ میں اکثریت ہے حکومت کے ممبران کی، لہذا پارٹی کے ممبران اس کے حق میں ووٹ دیتے ہیں اور اس بل کو پاس کر دیتے ہیں۔ اپوزیشن پارٹی اس کی مخالفت کرتی ہے لیکن مخالفت کے باوجود وہ بل قانون بن جاتا ہے، چونکہ اکثریت نے اس کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ تو کیا یہ سارے مخالف ممبران پارلیمنٹ کل کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو اس کے حق میں ووٹ دیا ہی نہیں تھا تو یہ قانون ہم پر لاگو نہیں ہو گا؟ آپ ہر گز ایسا نہیں کہہ سکتے! آپ کو غیر جانبدار ہونا پڑے گا اور یہ قانون سب پر لاگو ہو گا۔ یہ ہے **Impartiality** (غیر جانبداری)۔ یوٹیلی ٹیریزم میں **Impartiality** (غیر جانبداری) کا ہونا ضروری ہے ورنہ تو یوٹیلی ٹیریزم ممکن ہی نہیں ہے۔

لیکن یہ **Impartiality** (غیر جانبداری) بعض حالات میں تقریباً ناممکن ہے۔ مثلاً: آپ ایک یوٹیلی ٹیرین سوسائٹی میں رہتے ہیں اور اپنے دوست یا خاندان کے کسی فرد کے لیے کوئی تحفہ خریدنا چاہتے ہیں۔ تو یوٹیلی ٹیریزم کے نظریہ کے مطابق چونکہ آپ دوسرے کے لئے کوئی چیز خرید رہے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ دوسرے کی بہتری کس میں ہے؟ اگر میں سو روپے کا ایک تحفہ اس کے لئے خریدنے والا ہوں تو میں پہلے یہ دیکھوں گا کہ اگر میں یہ سو روپے غریب لوگوں میں تقسیم کر دوں تو کیا یہ زیادہ بہتر ہو گا یا میں سو روپے کا تحفہ اپنے دوست کو دوں جس کے پاس پہلے سے ہی لاکھوں روپے رکھے ہوئے ہیں۔ میرے لئے کیا بہتر ہے؟ یوٹیلی ٹیریزم کی بنیاد پر یہ بہتر ہے کہ آپ سو روپے کا تحفہ نہ خریدیں بلکہ پہلے وہ سو روپے ان اجنبیوں کو صدقہ کریں جنہیں آپ نہیں جانتے، جو بیمار ہیں، غریب ہیں، ان کو آپ سو روپے دیں گے تو ان کا کچھ نہ کچھ نفع ہو جائے گا۔ لیکن وہی سو روپے اگر آپ اپنے امیر دوست کو دیں گے تو اس کو کوئی نفع نہیں ہو گا۔ لہذا یوٹیلی ٹیریزم کے مطابق امیر دوست کو کوئی تحفہ دینا ہمیشہ غیر اخلاقی ہو گا اور غریب اجنبیوں کو جن کو آپ نہیں جانتے چندہ دینا ان کی مدد کرنا ہمیشہ اخلاقی اعتبار سے درست ہو گا۔ اسلام ہر گز یہ نہیں کہتا کہ آپ غریبوں کی مدد نہ کریں یا صرف ان غریبوں کی مدد کریں جن کو آپ جانتے ہیں۔ لیکن اسلام یہ بھی نہیں کہتا ہے کہ جب جب آپ اپنے دوستوں یا خاندان کے افراد کو تحفہ دیں تو فوراً غریبوں کی تصویر اپنے ذہن میں لے آئیں اور کہیں کہ یہ پیسہ میں غریبوں کو دیدوں گا، چھوڑو خاندان والوں کو۔ یہ اعتدال اور توازن آپ کو صرف اسلام میں ملے گا، یوٹیلی ٹیریزم میں نہیں مل سکتا۔ یوٹیلی ٹیرزم میں ہمیشہ عدم توازن رہے گا۔ یہی بات میں اس کورس (رد الحاد) کے شروع سے سمجھانا چاہتا ہوں کہ ان کے یہاں عدم توازن ہے، اعتدال کا فقدان ہے۔ ایک اصول بناتے ہیں پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ

انسان کا بنایا ہوا اصول ہے۔ اب تک جو مثالیں گزریں یہ مفروضہ مثالیں تھیں۔ اب میں یوٹیلی ٹیریزم کے حوالے سے کچھ اصلی زندگی کی مثالیں بھی دیتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

Real life examples

1. During the apartheid regime in South Africa in the last century, South African whites, for example, sometimes claimed that all South Africans-including blacks-were better off under white rule.

آپ میں سے کچھ لوگ جانتے ہوں گے ایک زمانہ تک جنوبی افریقہ میں گوروں کی حکومت رہی۔ نیلسن منڈیلا نے اس حکومت کے خلاف کافی جدوجہد کی اور پھر 80 کے اواخر میں یا 90 کے اوائل میں جنوبی افریقہ سے گوروں کی حکومت ختم ہوئی اور پھر وہاں انتخابات ہوئے اور کالے حکومت میں آئے۔ اس سے پہلے وہاں کے مقامی باشندے (کالے) وہاں کی حکومت میں نہیں آسکتے تھے، گورے تو باہر سے آئے ہوئے تھے انہوں نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ لیکن گوروں کی دلیل کیا تھی؟ وہ کیسے اتنے لمبے عرصہ تک جنوبی افریقہ میں اپنی حکومت قائم رکھ پائے؟ ساری دنیا کے دباؤ کو انہوں نے کیسے جھیلا تھا؟ وہ یہ کہتے تھے کہ بقیہ افریقی ممالک جیسے کینیا، گھانا وغیرہ، ان سب جگہوں پر گوروں کی حکومت تھی، لیکن ان سب جگہوں سے جب گوروں نے حکومت چھوڑی اور کالوں کی حکومت آئی تو پورے ملک میں انارکی پھیل گئی۔ قحط اور بھوک مری پھیل گئی، بیماریاں پھیل گئیں، خانہ جنگی ہونے لگی، امن و امان تباہ و برباد ہو گیا۔ لہٰذا ملک کے لئے بہتر اور نفع بخش یہ ہے کہ گوروں کی حکومت رہے اور کالے ان ہی کی حکومت میں رہیں چونکہ ان کی منفعت اور بہتری بھی اسی میں ہے۔ جب وہ محکوم رہیں گے تو مہذب طور پر رہیں گے۔ اور ملک میں نہ بھوک مری آئے گی، نہ قحط اور بیماریاں پھیلیں گی، نہ خانہ جنگی ہوگی۔ اب آپ کسی ملحد سے پوچھیں کہ کیا آپ جنوبی افریقہ کی Apartheid Regime (رنگ برنگی حکومت) تسلیم کرتے ہیں؟ وہ فوراً بولے گا کہ نہیں! ہرگز نہیں تسلیم کرتا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ آپ تو یوٹیلی ٹیرین ہیں (تمام ملحدین یوٹیلی ٹیرین ہوتے ہیں) اور یوٹیلی ٹیریزم کے اصول کے مطابق آپ کو جنوبی افریقہ کی Apartheid Regime (رنگ برنگی حکومت) کو تسلیم کرنا چاہیے۔ چونکہ یہ آپ کے اصول کے عین مطابق ہے۔ یہ ان کی دلیل ہے جب وہ اپنی حکومت وہاں قائم کرنا چاہ رہے تھے۔ اور کچھ ہوا بھی ایسا ہی کہ جب وہ حکومت چھوڑ کر گئے تو ملک میں بدامنی پھیلی۔ لیکن آپ جب یہ دلیل کسی ملحد کے سامنے پیش کریں گے تو اس کو لاجواب ہونا ہی ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر اس کا اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ ملحد مر

جائے گا لیکن جنوبی افریقہ کی Apartheid Regime (رنگ برنگی حکومت) کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ ساری دنیا کے لبرلز نے مقامی حکومت کو تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ افریقہ میں جب گوروں کی حکومت تھی تو کالوں کے اوپر ظلم ہوتا تھا۔ اور چونکہ وہاں پر کالوں کی اکثریت ہے لہذا ان کو حق ہے کہ وہ وہاں پر حکومت کریں۔ یہ پہلی حقیقی مثال ہے۔

2. **Richard Dawkins** says, if your morality is based, as mine is, on a desire to increase the sum of happiness and reduce suffering, the decision to deliberately give birth to a **Down Syndrome Baby**, when you have the choice to abort it early in the pregnancy, might actually be immoral from the point of view of the child's own welfare….

https://www.str.org/w/utilitarian-atheistsaren-t-just-as-moral-they-re-differently-moral-

دوسری حقیقی مثال ہے رچرڈ ڈاکنس (**Richard Dawkins**) کی، جو اس وقت کا امیر الملحدین بنا بیٹھا ہے۔ اس نے 2014 میں اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ پر ایک بیان دیا تھا۔ اس تفصیل کو سمجھنے سے پہلے ایک میڈیکل اصطلاح کو سمجھ لیں۔ اور وہ ہے ڈاؤن سنڈرم بے بی (**Down Syndrome Baby**) یہ وہ بچے ہوتے ہیں جن کی عقل مکمل نہیں ہوتی۔ ان کے دماغ میں کوئی ایک سیل یا چند سیلز مکمل نہیں بن پاتے۔ وہ بچے جسمانی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہوتے ہیں لیکن دماغی اعتبار سے وہ کمزور ہوتے ہیں۔ اور معاشرے میں زندگی گزارنے کے لئے ان کو اسپیشل ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ دیر سے بول پاتے ہیں اور صحیح وغلط کے درمیان تمیز ان کو بہت دیر میں جاکر ہوتی ہے۔ ان بچوں کی ایک مشترکہ پہچان یہ ہے کہ ان کی ٹھوڑی کا حصہ اچھے سے نہیں تخلیق (**Develop**) پاتا ہے بلکہ وہ تھوڑا اندر کی طرف دبا ہوا ہوتا ہے۔ یہ بچے **Down Syndrome** کہلاتے ہیں۔ مغربی معاشروں میں نی جانے کیا خاص وجوہات ہیں کہ یہاں پر ایسے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشرقی معاشروں میں الحمدللہ ان کی تعدادا تنی زیادہ نہیں ہے۔ امریکہ میں ان بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

تو ایک خاتون نے رچرڈ ڈاکنس سے سوال کیا کہ میں حاملہ ہوں اور ڈاکٹر نے بتایا کہ جو بچہ میرے پیٹ میں پل رہا ہے اس کو ڈاؤن سنڈرم (**Down Syndrome**) ہے۔ تو کیا مجھے اخلاقی اعتبار سے اسقاطِ حمل کرانا دینا چاہئے؟ رچرڈ ڈاکنس نے جو بات کہی اور بعد میں ایک مضمون میں بھی اس نے یہ بات لکھی، وہ یہ بات تھی (اوپر انگریزی میں یہی بات باحوالہ لکھی ہوئی ہے): "اگر آپ کی اخلاقیات بھی میری ہی طرح ہیں یعنی خوشی اور لذت کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے اور درد والم کو کم سے کم کیا جائے، تو پھر جانتے بوجھتے ایک ایسے بچہ کو اس دنیا میں لانا جس کو ڈاؤن سنڈرم (**Down Syndrome**) ہو، یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہوگی۔ اس لیے

کہ جب وہ اس دنیا میں آئے گا تو اس کی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہو گا اور آپ کی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہو گا۔ جبکہ اخلاقی چیز یہ ہے کہ ہم درد والم کو کم کریں اور خوشی ولذت کو بڑھائیں، لہذا آپ کو اسقاط حمل (Abortion) کرا دینا چاہئے۔

چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک ماں کے پیٹ میں پل رہے ایک بچے کو کہ جس کے جسم میں جان آچکی ہے اس کو قتل کر دینا اخلاقی عمل ہو گا، محض اس لئے کہ اگر وہ بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ماں باپ کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی اور ان کی مشقت میں اضافہ ہو گا۔ اس لیے وہ بچے کو قتل کر دیں۔ یہ ان لوگوں کی اخلاقیات ہے۔ ٹھیک ہے کہ میڈیکل سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے، لیکن پھر بھی وہ کسی بچہ کے بارے میں سو فیصد یہ نہیں کہتی ہے کہ اسے ہر حال میں ڈاؤن سنڈرم (Down Syndrome) ہو گا۔

میں اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں۔ یہ بات ہے 13-2012 کی ہے۔ میری ایک شاگردہ تھی جو دار العلوم آن لائن میں عربی پڑھتی تھی۔ اس نے ایک دن مجھے میسج کیا آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس سے فون پر بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ حاملہ ہے اور ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ بچہ ڈاؤن سنڈرم (Down Syndrome) ہے، لہذا اس کا حمل ساقط (Abortion) کر دو۔ تو کیا یہ اسقاط حمل اسلامی رو سے درست ہے یا نہیں؟ حمل کی مدت 120 دن سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اگر ابتدائی دنوں میں اس طرح کی کوئی صورت حال سامنے آتی ہے تو شریعت بھی اجازت ہے۔ لیکن اگر اتنا عرصہ گزر گیا کہ مکمل بچہ Develop ہو چکا ہے اور 120 دن گزر چکے ہیں۔ اب اگر ڈاکٹر اسقاط حمل کا مشورہ دیتا ہے تو شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس وقت مجھے خود اس بارے میں علم نہیں تھا کہ میڈیکل سائنس اس تعلق سے کیا کہتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ڈاکٹر پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ سو فیصد ایسا ہی ہو گا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! ڈاکٹر دعوی نہیں کر سکتے، وہ بس یہ کہتے ہیں کہ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ بچہ ڈاؤن سنڈرم (Down Syndrome) ہو گا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر محض یہ بات ہے تو پھر اسقاط حمل کرنا اخلاقی اعتبار سے اور شرعی اعتبار سے غلط ہے۔ اس نے کہا کہ میں بہت پریشان ہوں، آپ مجھے کوئی دعاء بتا دیں۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میں نے اس کو کیا بتایا۔ اتنا یاد ہے کہ چند دعائیں اور سورتیں بتا دی تھیں۔ چند مہینوں کے بعد اس کا فون آیا کہ بچے کی ولادت ہوئی ہے اور وہ بالکل صحت مند اور تندرست ہے اور وہ ڈاؤن سنڈرم (Down Syndrome) نہیں ہے، الحمد للہ۔ تو ڈاکٹروں کا کہنا غلط نکلا۔

لہذا محض اس امکان پر کہ بچہ ڈاؤن سنڈرم (Down Syndrome) ہو گا اور والدین کی مشقت میں اضافہ ہو گا، اس بچہ کو رحمِ مادر میں ہی قتل کر دینا ان یوٹیلی ٹیریز کے نزدیک ایک اخلاقی عمل ہے۔ یہ ان لوگوں کی اخلاقیات ہیں۔ یہاں سے یہ لوگ اپنی اخلاقیات لیتے ہیں اور الٹا ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ ان کی اخلاقیات تو خدا کے یہاں سے آتی ہیں اور ان کے یہاں تو ہر چیز ایک

اصول اور ضابطے سے بندھی ہوئی ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی سائنسی تحقیق کے بغیر کسی عقلی دلیل کے، بس خدا نے کہہ دیا صحیح تو صحیح اور غلط تو غلط مان لیتے ہیں۔ ان کے یہاں **reasoning** (منطقی دلیل) نہیں، ان کے یہاں **dogma** ہوتا ہے۔ **dogma** کا لفظ آپ ان کے یہاں بہت سنیں گے۔ لیکن ایسی **reasoning** (منطقی دلیل) سے خدا بچائے کہ جس میں ایک انسان کے بچہ کو قتل کر دیا جاتا ہو، والدین کی مشقت کو کم کرنے کے لئے۔ اگر یہی **reasoning** (منطقی دلیل) ہے اور یہی **rationality** (عقلیت) ہے تو ہمیں ایسی **rationality** کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہیڈونیزم Hedonism

اب ہم لبرلزم کے چوتھے اور آخری اصول پر بات کر لیتے ہیں۔ ابھی ماقبل میں گزرا تھا کہ جب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اچھائی کیا ہے؟ آپ کسی بھی ملحد یا لبرل سے پوچھ لیں کہ اچھائی کیا ہے؟ تم کیسے **Define** کرتے ہو کہ خیر کیا ہے؟ چونکہ ہمارے نزدیک تو خیر وہی ہے جسے خدا نے خیر کہہ دیا، اور شر وہ ہے جس کو خدا نے شر کہہ دیا۔ اور جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر خیر یا شر نہیں کہا، اس میں ہمیں اجتہاد کی اجازت ہے۔ اور وہ اجتہاد بھی ہم اس طرح کریں گے کہ ہم یہ دیکھیں گے کہ جس معاملے میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اس سے ملتی جلتی چیزیں شریعت کے اندر موجود ہیں یا نہیں؟ اگر اس سے ملتی جلتی چیزیں شریعت میں موجود ہیں اور ان کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے خیر یا شر کا فیصلہ کیا ہے تو پھر ہم اِن صورتوں کو دیکھتے ہوئے اُن صورتوں میں بھی خیر یا شر کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ یہی اجتہاد ہے۔ یہ ہمارے نزدیک اخلاقیات کی بنیاد ہے۔ لیکن جب آپ کسی بھی ملحد سے پوچھیں کہ اچھائی کیا ہے؟ خیر کیا ہے؟ تو وہ ہیڈونیزم کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ ہیڈونیزم (**Hedonism**) ایک یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”لذت“۔ ہیڈونیزم کا ترجمہ مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ نے ”مذہب سعادت“ سے کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک بہتر ترجمہ ہے ”نظریہ لذت“۔ یعنی جو چیز آپ کو لذت دے وہ اچھی ہے اور جو چیز آپ کو درد دے، پریشانی دے وہ بری۔ یہ لوگ کہتے ہیں:

Pleasure is intrinsically good. Pain is intrinsically bad.

لذت اپنے آپ میں بذات خود ایک اچھائی ہے اور درد اپنے آپ میں بذات خود ایک برائی ہے۔

یہاں پر جو لفظ ہے intrinsically یہ بڑا اہم لفظ ہے۔ اسی کو اردو میں کہتے ہیں "فی حد ذاتہ، فی نفسہ"، بذات خود۔ میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

مثلاً آپ کے پاس کروڑوں روپے ہیں۔ تو کیا ان پیسوں میں بذات خود کوئی لذت ہے؟ ان میں کوئی لذت نہیں ہے۔ لذت تو اس میں ہے کہ آپ اس روپے سے کیا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کروڑوں روپے بینک میں پڑے ہوئے ہوں لیکن آپ اس پیسے کو استعمال نہ کر رہے ہوں یا نہ کر پا رہے ہوں مثلاً حکومت نے خرید و فروخت پر پابندی لگا دی ہے۔ آپ کے پاس کروڑوں روپے رکھے ہیں، تو آپ کو ان پیسوں سے کیا لذت ملے گی؟ کچھ بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیسہ بذات خود لذت نہیں ہے۔ ہاں یہ لذت حاصل کرنے کا ایک سبب ہے۔ لہٰذا لذت اصل مقصد ہے۔ اس لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ **Pleasure is intrinsically good** یعنی لذت اپنے آپ میں بذات خود ہی ایک اچھائی ہے ار درد ہی برائی ہے۔ تو پیسہ، دوستی اور دیگر چیزیں بذات خود اچھائی نہیں ہیں بلکہ وہ اچھائی اور لذت تک پہنچانے کا ایک سبب اور وسیلہ ہیں۔ یہ ہیڈونیزم کی تعریف ہے۔

ہیڈونیزم کی اقسام

ہیڈونزم کی یوں تو بہت ساری قسمیں ہیں۔ لیکن یہاں پر صرف ان دو قسموں کا بیان کیا جائے گا جن کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔

A. Folk Hedonism/Egoistic Hedonism Hedonist is a person who seeks out pleasure for him selves without any particular regard for their own future well-being or for the well-being of others. It says that we should, morally speaking, do whatever is most in our own interests.

پہلی قسم: فوک ہیڈونزم / ایگواِسٹک ہیڈونزم:

اس کو ہم اردو کہہ سکتے ہیں حبِ ذات۔ یعنی اپنی ذات سے محبت اور اپنی ذات کے لئے لذت کا حصول۔ چاہے وہ جس طریقہ سے بھی ہو۔ ہیڈونسٹ وہ شخص ہے جو اپنے لئے صرف اور صرف لذت کا طالب ہو اور اسے اس بات کی پرواہ نہ ہو کہ مستقبل میں اس کا یہ عمل کیا نتیجہ لے کر آئے گا، باعث نقصان ہو گا یا نہیں ہو گا۔ وہ فی الحال اور وقتی لذت کا طالب ہے۔ اس نظریہ کے

مطابق ہر وہ عمل جو آپ کو زیادہ سے زیادہ لذت دے رہا ہے وہ آپ کے لئے اخلاقی ہے۔ مثلاً دو لوگ زنا کرتے ہیں اور یہ زنا ان دونوں کے لئے باعث لذت ہے تو یہ عمل اخلاقی ہو گا۔ ایک شخص روزانہ کسی نہ کسی جسم فروش خاتون کے پاس جاتا ہے، تو یہ اس کا ایک اخلاقی عمل ہو گا اس لیے کہ وہ لذت کا طالب ہے اور اسے وہاں لذت مل رہی ہے۔ اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ آگے چل کر اسے ایڈز کی بیماری ہو جائے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وقتی طور پر اس کو لذت مل رہی ہے اور لذت کا ملنا ہی اس عمل کو اخلاقی طور پر درست بنا دیتا ہے۔ دو افراد ہم جنس پرست ہیں، ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا دونوں کے لیے باعث لذت ہے لہٰذا اخلاقی اعتبار سے یہ بالکل درست ہے۔ یہ ہے فوک ہیڈونزم یا ایگواسٹک ہیڈونزم۔ اس کی پوری عمارت ہی لذت کی بنیاد پر قائم ہے۔ انسان کا مقصد ہے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنا۔

آپ لبرلز کو دیکھیں گے کہ وہ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں "میرا جسم میری مرضی"۔ پہلی بات تو یہی غلط ہے کہ ان کا جسم ہے، لیکن تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ جسم آپ کا ہے، تو اب بتائیں کہ آپ کی مرضی کس چیز میں ہے؟ بس میں جس طریقے سے بھی چاہے لذت حاصل کروں! آپ نے دیکھا ہو گا کہ پاکستان میں جو عورتوں کی ریلیاں نکلتی ہیں اس میں عجیب و غریب قسم کے پوسٹرز اور بینرز انھوں نے اٹھائے ہوتے ہیں، ایسے پوسٹر جو معاشرے کو شرمندہ کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ پیغام یہ دینا چاہتے ہیں ہم لوگ تو بس لذت کے لئے ہی بنے ہیں۔ ہمیں اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ لذت چاہیے۔ ہم ہیڈونسٹ ہیں۔ اس کو کہتے ہیں فوک ہیڈونزم / ایگواِسٹک ہیڈونزم (حبِ ذات) کہا جاتا ہے۔ ملحدین و مرتدین دراصل ایگواسٹک ہیڈونسٹ ہوتے ہیں۔ چاہے وہ اس چیز کو تسلیم نہ کریں اور چاہے انھیں یہ اصطلاح معلوم بھی نہ ہو، لیکن ہوتے وہ ایگواِسٹک ہیڈونسٹ ہیں۔ اس پر تنقید کیا ہوئی ہیں یہ آگئے آرہا ہے، ان شاء اللہ۔ یہ پہلی قسم ہے ہیڈونزم کی۔

B. Hedonistic Utilitarianism

Hedonistic Utilitarianism is the theory that the right action is the one that produces (or is most likely to produce) the greatest net happiness for all concerned. Hedonistic Utilitarianism is often considered fairer than Hedonistic Egoism because the happiness of everyone involved is taken into account and given equal weight.

دوسری قسم، ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم:

یوٹیلی ٹیریزم تو ہم پڑھ چکے ہیں۔ ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم کیا چیز ہے؟ اوپر جو جیرمی بینتھم کے حوالے سے بات ہوئی تھی تقریباً وہی بات یہاں بھی ہے۔ ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم ایک ایسا نظریہ ہے جس کے مطابق درست عمل وہ ہے کہ جس سے

زیادہ سے زیادہ بہتر نتائج اور تمام لوگوں کے لئے خوشی ملے ۔ اکثر اوقات ہیڈنسٹک یوٹیلی ٹیریزم پہلی والی قسم یعنی ایگواِسٹک ہیڈونزم سے زیادہ بہتر اور منصفانہ سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ہر ایک فرد کی خوشی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ مثلاً ایک شخص کو اپنی لذت پوری کرنے کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے اور اس کے سامنے صرف ایک ہی طریقہ ہے پیسے کے حصول کا، وہ یہ کہ سامنے ایک یتیم اور غریب بچہ بیٹھا ہوا ہے جس کے پاس کچھ پیسے پڑے ہوئے ہیں جو کسی نے مدد کے طور پر اسے دے دیئے ہیں۔ وہ شخص اس بچہ سے پیسے چھین کر اپنی لذت پوری کر سکتا ہے۔ تو اگر آپ فوک ہیڈونسٹ ہیں یا ایگواِسٹک ہیڈونسٹ ہیں، یعنی آپ مرتد اور ملحد ہیں، آپ ایک الٹرا لبرل ہیں، آپ میرا جسم میری مرضی والے ہیں تو پھر آپ کے لئے یہ ایک اخلاقی عمل ہو گا کہ اس غریب یتیم کے پاس جائیں اور اس کے پیسے چھین کر اپنی لذت پوری کر لیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایگواِسٹک ہیڈونسٹ کھل کر اس کو اخلاقی عمل نہیں کہہ سکتے، اس لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اخلاقی عمل نہیں ہو گا کیونکہ اس شخص کو یہ خوف ہو گا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ پولس میں میری شکایت کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ میں قانون کی گرفت میں آجاؤں۔ تو اس ڈر کی وجہ سے اس کو کبھی لذت حاصل ہو گی ہی نہیں۔ اس لوٹ مار میں اس کو کبھی لذت حاصل نہیں ہو گی کیونکہ یہ خوف اس کے سر پر رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایگواِسٹک ہیڈونزم کا ایک اصول ہے وہ یہ کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ لذت اسی وقت مل سکتی ہے جب آپ اپنے احساس جرم کو کم سے کم کر دیں۔ اور آپ کو باقاعدہ ٹریننگ لینی پڑے گی احساس جرم کو کم سے کم کرنے کی، تبھی آپ کو زیادہ سے زیادہ لذت مل سکتی ہے۔ میں اس کو اس طریقے سے واضح کرتا ہوں کہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بہت سارے مسلمان اسلام چھوڑ دیتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ان کو ڈرگز لینی ہیں، ان کو شراب پینی ہے، ان کو زنا کرنا ہے، ان کو پورنوگرافی کرنی ہے۔ لیکن جب تک وہ اسلام میں ہیں تو ان کو ایک احساس جرم رہتا ہے کہ یہ تو اسلام میں حرام ہے۔ اب اس احساس جرم کو کیسے ختم کیا جائے چونکہ لذت تو بہر حال پوری کرنی ہے۔ یہی ایک صورت ہے کہ اسلام چھوڑ دو اور مان لو کہ اسلام غلط ہے۔ اور ان کو مدد اس طریقے سے ملتی ہے کہ وہ کسی مرتد کی ویب سائٹ پر یا اس کی ویڈیو کو جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہا ہے اور مجھے تو اسلام سے پہلے ہی نفرت تھی، یہ بالکل صحیح بات کہہ رہا ہے، لہذا اس کی بات پر اُمنّا وصدّقنا کرو اور کہہ دو کہ اسلام غلط ہے۔ اب وہ احساس جرم ختم ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر مرتد ایگواِسٹک ہیڈونسٹ ہوتا ہے۔ چونکہ وہ احساس جرم کو ختم کرتا ہے، یہ اس کا بنیاد اصول ہے۔ کیونکہ آپ کو زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنے کے لئے احساس جرم کو ختم کرنا پڑے گا۔ اس کی ٹریننگ لینی پڑے گی۔ اب

ایک شخص کے پاس اپنی لذت پوری کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے، سامنے ایک غریب یتیم بچہ بیٹھا ہے، اس کو لوٹنا ہے اور جو احساس جرم ہے، س کے لیے اس نے ٹریننگ لی ہوئی ہے اور وہ اس طریقہ سے کہ اس نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو مرتے، لٹتے اور ریپ ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ جب اس طرح کے منظر بار بار دیکھیں گے تو آپ کے اندر سے حساسیت ختم ہو جائے گی۔ جب اس طرح کے منظر آپ بار بار دیکھیں گے تو آپ اگر خود بھی اس طرح کے کام کریں گے تو آپ کو زیادہ برا نہیں لگے گا۔ تو اس شخص نے یہ ٹریننگ لی ہوئی ہے۔ لہذا ایسا شخص جس کا احساسِ جرم ختم ہو چکا ہو اس کے لئے لذت کے حصول کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اس غریب یتیم بچے کو لوٹے اور اپنی لذت پوری کرے۔ اور آپ کے اس ایگواِسٹک ہیڈونزم کے لحاظ سے یہ عمل اخلاقی طور پر اعلیٰ ترین عمل ہو گا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ کون سا ملحد یہ کہے گا کہ ایک بچے کو لوٹنا اخلاقی طور پر اعلیٰ ترین عمل ہے؟ لیکن ان کے اس نظریہ (فوک ہیڈونزم / ایگواِسٹک ہیڈونزم) کے اعتبار سے یہی اعلیٰ ترین عمل ہے۔

ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم فوک ہیڈونزم / ایگواِسٹک ہیڈونزم سے زیادہ بہتر اس لئے ہے کہ اگر آپ نے اپنی لذت کے حصول کے لئے ایک غریب یتیم بچے کو لوٹ لیا تو آپ کو تھوڑی سی لذت ضرور ملی، لیکن آپ نے دوسرے کو بہت تکلیف پہنچائی جبکہ ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم کا مطلب یہ ہے کہ سب کو لذت ملنی چاہئے۔ جبکہ ایگواِسٹک ہیڈونزم میں آپ کو وقتی طور پر تھوڑی سی لذت مل رہی ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس لیے یہ اخلاقی اعتبار سے غلط عمل ہے۔ ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریز اس عمل کو غیر اخلاقی کہہ دیں گے اور وہ اس کو غیر اخلاقی کہنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن ملحد اور مرتد ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیرین نہیں ہوتے بلکہ یہ ایگواِسٹک ہیڈونسٹ ہوتے ہیں۔ یہ اصطلاحات جب تک آپ کے ذہن میں مستحضر نہیں ہوں گی تب تک آپ کو پتہ نہیں چل پائے گا کہ آپ کس طرح سامنے والے کو جواب دیں۔ یہاں تک ہیڈونزم کی دو قسموں کا بیان تھا۔ آگے ہیڈونزم پر ہونے والے اعتراضات کا بیان ہے۔

ہیڈونزم پر تنقید

a. Pleasure is Not the Only Source of Intrinsic Value.

Robert Nozick's experience machine thought-experiment.

پہلی تنقید:

ہیڈونیزم کے مطابق لذت بذات خود ایک اچھی چیز ہے اور لذت ہی اچھی چیز ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اچھی نہیں ہے۔

جواب: یہ کہنا کہ "لذت ہی اچھی چیز ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اچھی نہیں ہے۔" یہ کہنا ہی غلط ہے۔ اور بھی دوسری چیزیں ہیں جن میں لذت نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ بذات خود اچھی ہیں۔ اس کی مثال لے لیں روبٹ نوزک ایک فلسفی ہے، اس نے ایک thought-experiment کیا۔ یعنی ایک فرضی مثال لوگوں کے سامنے رکھی اور سروے کیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ اس تعلق سے کیا سوچتے ہیں۔ اس کے اس thought-experiment کا نام ہے experience machine۔ اس کا مطلب ہے تجرباتی مشین۔ آج کے دور میں اس کو سمجھنا بہت آسان ہے۔ مثلا آج اگر ایسی کوئی ڈیوائس بن جائے جس سے آپ خود کو جوڑ لیں، آپ کے دماغ سے ایک تار آرہا ہو، اس تار کو آپ اس مشین سے جوڑ دیں۔ اب یہ مشین آپ کو وہ تمام تجربات دے رہی ہے جس میں لذت ہوتی ہے۔ اور آپ اس تجربے اور لذت کو محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ جس طریقہ سے حقیقی زندگی میں لذت ملتی ہے اسی طریقہ سے آپ کا ذہن اس لذت کا ادراک کر رہا ہے۔ اور بظاہر آپ کو نقلی بھی نہیں لگ رہا ہے۔ یہ اگرچہ روبٹ نوزک نے ایک فرضی مثال دی ہے لیکن دراصل دنیا اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ورچوئل ریالٹی (Virtual Reality) جس کو VR Technology کہا جاتا ہے، آپ اس سے واقف ہوں گے۔ اس کی اس وقت جو ابتدائی شکل ہے وہ کچھ یوں ہے کہ چشمہ نما ایک بڑی سی چیز ہوتی ہے جس کو آنکھوں پر لگا لیا جاتا ہے۔ جب ایک بار آپ اپنی آنکھوں پر اسے لگا لیتے ہیں تو آپ اِدھر اُدھر نہیں دیکھ پاتے ہیں بلکہ آپ کے سامنے جو اسکرین ہے بس اسے ہی دیکھ پاتے ہیں۔ اور پھر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ گویا آپ ایک دوسری دنیا میں ہیں۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ میں نے ایک گیم کھیلا، مجھے ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا اور میری آنکھوں پر وی آر (VR) لگا دیا گیا۔ اس کے بعد VR میں نظر آرہا ہے کہ میں کہیں اڑ رہا ہوں، اور جس طریقے سے وہ منظر دائیں بائیں مڑ رہا ہے ایسے ہی میری کرسی بھی دائیں بائیں مڑ رہی ہے۔ اور جیسے ہوا آنی چاہئے اڑتے وقت ویسی ہوا بھی آرہی ہے۔ یعنی اس وی آر (Virtual Reality) کو پہننے کے بعد آدمی کو ایسا ہی لگتا ہے کہ میں واقعی اڑ رہا ہوں۔ اس میں بس فائدہ ہے کہ آپ کو گرنے کا خوف نہیں ہے، باقی تجربہ بالکل ویسا ہی ہوتا ہے۔ تو مان لیں اگر ایسی کوئی مشین ایجاد ہو جائے جس کے ذریعہ آپ کو اس سے بھی اعلی درجے کا تجربہ ہو، لیکن آپ کو یہ پتہ ہے کہ میں اک مشین سے جڑا ہوا ہوں۔ یہ تجربات وہ نہیں ہیں جو ایک اصلی زندگی میں ملتے ہیں۔ لیکن میرا جسم اور میرا دماغ لذت وہی حاصل کر رہا ہے جو اصل زندگی میں لذت ملتی ہے۔ تو کیا آپ پوری زندگی ایسی مشین سے جڑے رہنا پسند کریں گے؟ اپنی تمام تر ذمہداریوں اور فرائض کو کنارے رکھ کر اگر آپ کو موقع ملے، تو کیا آپ پوری زندگی ایسی مشین سے جڑے رہنا پسند کریں گے؟ جب روبٹ نوزک نے یہ سروے کیا تو اکثریت کا جواب یہ تھا:

The most common response is that a life that is not lived in reality is pointless or meaningless.

اکثریت کا جواب یہ تھا کہ وہ زندگی جو سچائی کے ساتھ نہ جی جائے وہ زندگی بے بنیاد اور بے فائدہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ حقیقی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایک ورچوئل ریالٹی ہے۔ ورچوئل ریالٹی اور حقیقی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگرچہ لذت آپ کو برابر مل رہی ہے لیکن جب آپ حقیقی زندگی میں جئیں گے تو آپ کو لذت بھی ملے گی، درد بھی ملے گا، تکلیف بھی ملے گی، آپ اس پر خوش ہیں۔ آپ حقیقی زندگی جینا چاہیں گے۔ آپ ہر گز ایسا نہیں چاہیں گے کہ آپ کو پوری زندگی ایک ایسی مشین کے ساتھ باندھ دیا جائے جس میں آپ کو فقط مصنوعی لذتیں ملتی رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی اکثریت ایسا نہیں سمجھتی ہے کہ **Pleasure is Not the Only Source of Intrinsic Value** یعنی خوشی ہی بذات خود اچھائی ہو، یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ مشین میں آپ کو خوشی اور لذت مل رہی ہے لیکن اس کو آپ پسند نہیں کرتے۔ تو ضروری نہیں ہے کہ **Pleasure** ہی اچھائی ہو۔ یہ پہلی تنقید ہے۔

دوسری تنقید:

B. Some Pleasure is Not Valuable. Thought experiment [deceived businessman] by Shelly Kagan.

False pleasures are worth much less than true pleasures.

کچھ لذتیں ایسی ہیں کہ جن میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔ پہلی تنقید تو یہ تھی کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ **Pleasure** (لذت) ہی اچھائی ہو، بہت سی چیزیں جن میں لذت نہیں ہوتی وہ بھی اچھائی ہوتی ہیں، جیسے **Reality** (اصلیت، حقیقت)۔ دوسری تنقید یہ ہے کہ بعض مرتبہ یہ بھی **Pleasure** ہوتا ہے، لذت ہوتی ہے لیکن اچھی نہیں ہوتی۔

اس کی مثال بھی ایک Thought experiment کے ذریعے دی گئی ہے۔ اور یہ فکری تجربہ کیا ہے ایک ماہر نفسیات نے جس کا نام ہے شیلی کاگن۔ اس experiment کا نام ہے deceived businessman۔ اس نے ایک سوال نامہ تیار کیا ہے اور لوگوں میں سروے کیا۔ اس کے نتائج چونکا دینے والے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی چاہے کسی بھی معاشرے میں چلا جائے، ہمیشہ فطرت اس کو اپنی طرف کھینچے گی۔ experiment میں اس نے دو تاجروں کی مثال دی، ایک کامیاب تاجر ہے،

اس کے پاس ہر وہ چیز ہے جس کی وہ خواہش کر سکتا تھا۔ اس کے پاس دولت، شہرت، عزت ہے اور اس کے اہل و عیال اس سے محبت کرتے ہیں۔ اپنی جان نچھاور کرتے ہیں۔ ہر چیز اس کے پاس ہے، کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اور یہ چیزیں شروع سے آخر تک اس کی زندگی میں رہیں، یہاں تک کہ اس نے اپنی آخری سانس لی اور وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ دنیوی اعتبار سے اس نے لذت سے بھرپور زندگی گزاری۔ دوسرے تاجر کے پاس بھی دنیا کی تمام نعمتیں تھیں۔ اس کے پاس بھی دولت، شہرت، عزت اور محبت تھی، لیکن اس تاجر کو یہ شہرت، عزت ہے اور محبت سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ وہ طریقے سے کہ وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے بارے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقی اعتبار سے یہ لوگ پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرتے ہیں۔ اہل و عیال کے بارے میں وہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، دراصل وہ سب خود غرض اور مطلبی تھے۔ بچے اپنے باپ کے قریب اس لیے پھٹکتے تھے کہ باپ ان کو پیسے دے گا اور بیوی ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ اس لیے رہی کہ اس کے مرنے کے بعد تمام دولت اس کی ہو گی۔ لیکن اس کو اس بات کا ادراک نہیں ہو سکا۔ وہ یہ سمجھتا رہا کہ میرے پاس عزت بھی ہے، شہرت بھی ہے، دولت بھی ہے، محبت بھی ہے۔ یہاں تک کہ اس دوسرے تاجر نے بھی اپنی آخری سانس لی۔ اس مثال میں پہلے تاجر کی لذت حقیقی ہے کہ جیسا اس نے سوچا حقیقت میں بھی ویسا ہی تھا، لیکن دوسرے تاجر کی لذت مصنوعی ہے۔ اسی کو False pleasure کہتے ہیں۔ جیسا اس نے سوچا، ویسا نہیں تھا۔ اگرچہ مرتے دم تک دونوں کے تجربات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن ایک کی لذت حقیقی ہے اور دوسرے کی لذت غیر حقیقی اور مصنوعی ہے۔ جب لوگوں سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ تو اکثریت نے جواب دیا کہ مصنوعی لذتوں کی حقیقی لذتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

تو اب آپ دیکھیں کہ اگر pleasure (لذت) ہی بذات خود اچھائی ہے تو پھر اس دوسرے تاجر کو جسے پوری زندگی دھوکہ میں رکھا گیا اسے بھی لذت تو ملی۔ تو کیا آپ ایسی زندگی کی تمنا کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اپنے لئے ایسی زندگی پسند کریں گے؟ بالکل بھی نہیں! آپ کو حقیقی دنیا میں رہنا ہے اور آپ یہی چاہیں گے کہ میری شہرت اور عزت حقیقی ہونی چاہئے، مجھے محبت ملے تو حقیقی ملے۔ آپ اس طرح کی مصنوعی لذت سے کبھی بھی خوش نہیں ہوں گے۔ اگر آپ کو پتہ چل جائے تو آپ سوچیں گے کہ میری زندگی تو برباد ہو گئی۔ مان لیجیے کہ مرنے سے ایک منٹ پہلے آپ کو بتایا جائے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا، تو زندگی کا وہ ایک منٹ آپ کے لیے پہاڑ جیسا ہو گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہی خبر آپ کی موت کا سبب بن جائے۔ لہذا مصنوعی لذت کی حقیقی لذت کے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جبکہ pleasure دونوں طرف ہے۔ تو یہ دو تنقیدیں ہیڈونیزم کے اوپر کی گئی ہیں۔

آخری بات:

آپ جب بھی کسی لبرل سے پوچھیں گے کہ تم غلامی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا غلامی intrinsically (بذات خود) ایک اچھی چیز ہے؟ وہ کہے گا کہ ہرگز نہیں! بلکہ غلامی تو بہت بری چیز ہے۔ لیکن ہم اس سے کہیں گے کہ ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم کی بنیاد پر غلامی تو بہت اچھی چیز ہے۔ امریکہ میں 1860 کے قریب جب کالوں کو آزاد کیا گیا اور ابراہم لنکن (Abraham Lincoln) نے آزادی کے وثیقہ کے اوپر دستخط کیا، جس کو emancipation proclamation (آزادی کا اعلان) کہتے ہیں۔ اس کے اوپر ہم تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ جب اس کے اوپر دستخط کیا تو اس کے مخالفین یعنی جنوبی صوبوں کے باشندے یہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہم نے ان غلاموں کو یک لخت آزاد کر دیا تو یہ ہمارے اوپر اور معاشرے کے اوپر بوجھ بن جائیں گے۔ اس لیے کہ ہم ان کو کھلا پلا رہے تھے اور خود ہماری معیشت تباہ ہو جائے گی۔ چونکہ ان کو محنت کرنا آتا نہیں ہے کہ یہ کسی دوسرے پیشہ میں جا کر خود کی یا اپنے خاندان کی کفالت کر سکیں۔ ان کا واحد ذریعہ آمدنی ہمارے کھیتوں کے ذریعہ تھی، جب ہم ان کو آزاد کر دیں گے اور اپنے کھیتوں سے بے دخل کر دیں گے تو یہ لوگ کہاں سے کھائیں گے؟ معاشرے میں جرائم کا اضافہ ہو گا۔ اس لیے ان کو یک لخت آزاد نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ان کو آزاد کیا گیا اور پھر ہوا بھی ویسا ہی جیسا کہ جنوبی صوبوں کے باشندے کہہ رہے تھے۔ جرائم میں اضافہ ہو گیا، کالے گوروں کو اور گورے کالوں کو مارنے لگے۔ بلکہ کالوں پر زیادہ ظلم ہوا۔

بہرحال یہ غلامی ہیڈونسٹک یوٹیلی ٹیریزم کے مطابق بالکل درست تھی۔ تو اگر آپ خود کو اتنا ہی زیادہ اخلاقی انسان تصور کرتے ہیں اور آپ خود کو یوٹیلی ٹیرین مانتے ہیں اور آپ کی اخلاقیات نفع وضرر کی بنیاد پر ہے تو آپ اس غلامی کو درست قرار دیجئے جس کو ابراہم لنکن نے ختم کیا تھا۔ اور اگر آپ اس غلامی کو درست قرار دیتے ہیں تو پھر اسلام میں جو نظریہ غلامی ہے وہ تو بہت ہی زیادہ منصفانہ ہے، اس میں آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ تو یہ Argument from Utility ہے اس کو بنیاد بنا کر غلامی کے تعلق سے آپ ملحد سے گفتگو کر سکتے ہیں اور ملحد کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یا تو وہ یہ کہے کہ میں یوٹیلی ٹیرین نہیں ہوں اور وہ یہ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر وہ کہتا ہے کہ میں یوٹیلی ٹیرین نہیں ہوں تو پھر اس کو ماننا پڑے گا کہ اس کی اخلاقیات کہیں اور سے آتی ہیں۔ کسی مافوق الفطرت طاقت کے پاس آتی ہیں، خدا آپ کو یہ اخلاقیات دیتا ہے، یہ بات وہ کبھی مان نہیں سکتا۔ لہذا ملحدین کے لئے یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں اِدھر بھی کھائی اور اُدھر بھی کھائی ہے۔ یا تو یہ مانے کہ وہ یوٹیلی ٹیرین نہیں ہے یا یہ مان لے کہ غلامی درست ہے۔ ملحد

مر جائے گا لیکن دونوں میں سے کسی ایک بات کا بھی اقرار نہیں کرے گا۔ یہ لبرلزم کا مکمل فلسفہ ہے۔ آپ کے سامنے لبرلزل کی چار بنیادیں آئی ہیں جن میں بعض دفعہ تداخل بھی معلوم ہوتا ہے:

- گولڈن رول(Golden Rule)
- اصول ضرر(The Harm Principle)
- یوٹیلی ٹیریزم(Utilitarianism)
- ہیڈونیزم(Hedonism)

اگر آپ نے ان چاروں کو اچھی طرح سے سمجھ لیا، اس کی مثالیں آپ کے ذہن میں رہیں اور آپ کی بات کسی مرتد یا ملحد سے اسلام کی اخلاقیات کے بارے میں ہو رہی ہے، تو بہت آسانی کے ساتھ آپ اس کو جواب دے سکتے ہیں اور اس کو آئینہ دکھا سکتے ہیں۔ مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ آپ مناظرہ جیت لیں، مقصد یہ ہے اسے آئینہ دکھائیں کہ یہ تمہاری دوغلی اخلاقیات ہیں۔ ان چاروں اصولوں کو اور ان کی مثالوں کو یاد رکھنا کسی بھی مباحثے کے لیے بے حد ضروری ہے۔